# ہمہ یاراں ہارورڈ

محمد احسن راجہ

# ہمہ یاراں ہارورڈ

محمد احسن راجہ

# انتساب

## امی جان کے نام

جنہیں مرحومہ لکھتے ہوئے دل دکھتا ہے

# پیش لفظ

میں واشنگٹن میں ابراہم لنکن کے میموریل کے سامنے کھڑا تھا۔ اس میں نوے فٹ لمبا سنگ مرمر سے تراشا ہوا مجسمہ بڑے کروفر سے ایستادہ ہے اس کی لمبائی از راہ تقدس اتنی زیادہ نہیں کہ کیپیٹل ہل کے اوپر لگے نشان سے آگے بڑھ جائے۔ جو شہر بھر میں سب سے اونچی شمار کی جاتی ہے۔

میرے ذہن میں اس امریکی لڑکے کی کہانی گردش کرنے لگی جس نے عزم مصمم کیا تھا کہ ایک روز وہ امریکہ کا صدر بنے گا' یہ ابراہم واقعی ابراہم لنکن بن گیا۔ عزم وارادے کا یہ پیکر تاریخ کا ناقابل فراموش کردار ہے۔ اس کے گردونواح میں واشنگٹن میموریل بھی ہے اور جیفرسن کا مجسمہ بھی جو الگ اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔

یہ میموریل ابراہم لنکن سے عقیدت کا محور بھی ہے اور احساس کا شعوری اظہار بھی۔ ماربل میموریل یا ماربل ٹمپل سے کہیں زیادہ وہ مرکز جہاں مارٹن لوتھر کنگ جونیئر' جیسے سیاہ فام رہنما نے اس معصوم خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کسی روز انسان کے انسان بننے کا سپنا حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ سیاہ فام مغنیہ نے یہیں ہزاروں کے مجمعے میں گیت گایا تھا۔ 1988ء میں یہیں ایڈز کے شکار لوگوں (بشمول راک ہڈسن) کی یاد میں اجتماعی آنسو بہائے گئے تھے۔

یہ وہ لنکن ہے جس کے بارے میں کہا گیا۔

"Lincon was natural human being, frailties mixed with virtues of humanity"

امریکہ کا ارمان کتنے دلوں میں نہ ہوگا۔ اس کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

گھر کا رستہ بھولنے سے جادو گھر کا یہ سفر میری تحریر کا دوسرا پیراہن ہے۔ اس دفعہ پچھلے تجربات

کام آئے۔ ایک نقاد کا قول ہے سفر نامے کا کیا ہے ادھر لوگ چیچوں کی ملیاں جاتے ہیں اور ادھر سفر نامہ تیار۔ کچھ جہاز میں بیٹھے ہوئے کسی جگہ پر سے اڑ کر گزر جائیں تو بھی سفر کی کارگزاری کا روزنامچہ تیار۔

اے کاش یہ کام اتنا ہی آسان ہوتا۔ ہارورڈ میں چند دوستوں نے لکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ کتاب لکھنا اپنی جگہ مگر کتاب کا چھاپنا یا چھپوانا ایک اور داستان خونچکاں ہے۔

ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

لکھنے والوں کے کیا تاثرات ہوتے ہیں اور وہ کیسے مظلوم ہیں صرف وہی جانتے ہیں جو لکھنا چاہتے ہیں یا لکھ سکتے ہیں۔

اس سفر میں کیا دیکھا' کیا محسوس کیا اس کا تذکرہ انہی صفحات میں موجود ہے۔ جو دیکھا اسکا تذکرہ ایسے ہی موجود ہے۔ ان خیالات اور محسوسات سے کوئی متفق ہو یا معترض یہ فیصلہ میں قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ ورلڈ بینک' ارباب ہارورڈ اور حکومت پاکستان جس نے اس سفر کو تصور سے حقیقت میں تبدیل کیا کے تذکرہ کے بغیر بات ادھوری رہے گی۔

اس سفر میں چوہدری بشیر' رانا عبدالوحید' عزیز بھائی' امانت بھائی' ساجد صاحب اور بچے رانا رشید صاحب کا تذکرہ نہ ہو تو بات ادھوری ہی رہے گی۔ ان کی محبت اور شراکت سفر نے سیاحت کو راحت میں تبدیل کر دیا۔ خالد' ارسلان اور فانیہ نے جس طرح قوت برداشت دکھائی آفرین ہے اس سفر میں تمام کردار اور واقعات قطعاً غیر حقیقی نہیں۔ نام اور کوائف سب درست ہیں۔ میں چیف ایگزیکٹو خبریں گروپ آف نیوز پیپرز جناب ضیا شاہد اور ڈپٹی چیف رپورٹر رضوان آصف کا بطور خاص شکر گزار ہوں۔ شبیر صاحب نے جس مہارت سے کتاب کو طباعت سے سنوارا اس کے لئے میں ان کا مشکور ہوں۔ انتساب امی جان کے نام ہے۔ میری متاع عزیز' اپنی مٹی اور وطن سے محبت شاید انہوں نے گھٹی میں دی تھی۔

پاکستان میری ماں ہی تو ہے۔ دھرتی ماں جس نے مجھے میری شناخت دی ہے۔ پاکستان کو ہر وطن پر فوقیت ہے۔ مجھے عظمتوں کی یہ سرزمین بخدا اپنی رگوں میں دوڑنے والے خون سے زیادہ عزیز ہے۔ کاوش نیم شبی آپ کی نذر ہے۔

احسن راجہ ۲.۱۲.۲۰۰۵

یہ بھی معمول کا ایک دن تھا۔ محکمہ منصوبہ بندی و ترقیات میں قیام بطور ممبر نہ جانے منصب ہائے جلیلہ میں شامل ہوگا یا نہیں اس کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں ۔ خاکی لفافے سرکاری کاغذات کی ترسیل کا ایک اہم جزو ہیں شاید اس لیے کہ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔ بالعموم ان لفافوں سے خیر کی خبر کم ہی برآمد ہوتی ہے۔ اکثر اوقات تو سرکاری چٹھیوں اور مراسلہ جات کا بروقت جواب نہ دینے پر منجانب حاکم ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے یا خطرناک نتائج کی دھمکی۔ بہرحال کسی عام مراسلے کی غایت بھی اس سے کم درجہ کی نہیں ہوتی کہ اس باب میں تاکید مزید جانیں اور مراسلہ ہائے زیرغور بطور ثبوت کام آئیں۔

مگر اس لفافے میں نفس مضمون کچھ اور ہی تھا اور وہ یہ کہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ افسران کی استعداد کار میں اضافے کے لیے انہیں بیرون ملک دنیا کی بہترین درسگاہوں میں بھیجا جائے گا۔ اگر آپ درجہ ذیل شرائط پوری کرتے ہوں جن میں عمر کا تعین سرفہرست تھا تو درخواست دینے کے اہل ہیں۔ عمر رسیدہ اور از کار رفتہ حضرات درخواست گزارنے سے معذور ٹھہرے۔ چونکہ اس چٹھی کے آتے آتے ہی درخواست گزارنے کی مذکورہ مدت گزرنے والی تھی اس لیے جلد از جلد جواب دینا، تعلیمی اسناد کی نقول تیار کروانا اور ان کی تصدیق کروانا ضروری تھا۔ تصدیق فارم اور نقول کا فریضہ میرے پڑوسی ڈاکٹر عابد بودلہ صاحب نے مسکراتے ہوئے انجام دیا۔ نہ جانے مجھے کیوں لگا جیسے وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے ہوں

کس کم وچ پے گئے او

درخواست دینے کے عمل کے بعد کافی مہینے گزر گئے تو ایک روز میں نے اسٹیبلشمنٹ ڈویژن کے

ٹریننگ ونگ ٹیلی فون کیا۔ نرگس سیٹھی کام آئیں۔ نرگس سیٹھی بہت بھلی خاتون ہیں ہر وقت مسکرانے والی اور ہمدرد شخصیت اور تو اور انکے میاں سلیم سیٹھی بھی غضب کے آدمی ہیں۔ میرے ساتھ بلوچستان میں رہ چکے ہیں۔ افسران کے چناو اور تربیت کی جزئیات طے کیے جانے کے مراحل جاری ہیں ابھی کچھ وقت لگے گا نرگس نے جواب دیا۔ تب ہی معلوم ہوا پہلے گروپ کو جان ایف کینیڈی سکول آف گورنمنٹ ہارورڈ بھیجا جارہا ہے

ہارورڈ کا نام سن کر دل تو دل کلیجہ بھی پھڑکنے لگا۔ خدا کرے عزت رہ جائے۔ پھر ایک روز ایک مراسلہ آیا جس میں انٹرویو بورڈ کے روبرو حاضری کا لکھا تھا۔ یہ مرحلہ مشکل ہوگا۔ نہ معلوم کیا سوال و جواب ہوں گے۔ ویسے تو اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان سے لے کر اب تک خبر نہیں کتنے عملی امتحان اور مراحل طے کر چکے ہیں۔

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات۔

پھر ایک روز میں دیگر افسران کے ساتھ بغرض انٹرویو مذکورہ بورڈ کے روبرو حاضر تھا۔ شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی طے پایا۔ جملہ امیدواران جو سب دراصل حکومت پاکستان کے درخشاں ستارے ہیں مزید زیور تربیت سے آراستہ ہوں گے۔ سیرت اصغر جوڑا صاحب چہک رہے تھے۔

انٹرویو کے بعد سب کو کہہ دیا گیا کہ اپنے سفری کاغذات تیار کروائیں۔ حصول ویزا اور کاغذات کی تیاری اگلا مرحلہ تھا۔ یہ میرا امریکہ کا پہلا سفر ہوگا۔ میں سوچ رہا تھا۔ امریکہ کی محبت دل میں پل کر جوان ہو چکی تھی۔ جس کو دیکھو امریکہ امریکہ کرتا ہے۔ کچھ لوگ تو ہر سال ایسے امریکہ جاتے ہیں کہ کوئی قریبی شہر کا بھی رخ نہیں کرتا۔

امریکہ سے شناسائی بہت پرانی ہے۔ کتابوں کے حوالے سے، امریکی تاریخ کے حوالے سے۔ مادی ترقی کے حوالے سے۔ ٹی وی اور فلموں کے حوالے سے غرض کیا کیا بتائیں۔ مجھے امریکی شاعر EZRA POUND یاد آئے، جنہیں میں پڑھتے ہوئے نہ جانے کیوں سوچتا تھا کہ عذرا نام رکھنے میں کیا مصلحت ہے۔ ایسے نام تو دسترخوان کی زینت ہو سکتے ہیں جیسے عذرا کا دستر خوان، یہ حضرت دراز ریش بزرگ تھے اور امریکی شاعری کا معتبر حوالہ۔ گزشتہ صدی کا عظیم

شاعر ٹی ایس ایلیٹ اور اس کی شہرہ آفاق نظم WASTE LAND یاد آنے لگی۔ MARK TWAIN اور دیگر حوالے ذہن میں آنے لگے۔ کہ یہ موقع غنیمت ہے۔

ویزا فارم کے لیے خصوصی پس منظر کی فوٹو ضروری تھی۔ مال روڈ کے ایک معروف فوٹو گرافر کام آئے۔ فوٹو آئی تو اسکو سامنے رکھ کر موازنہ شروع کیا کہ یہ ہم ہیں اور "نقل بمطابق اصل ہے" یہ فوٹو دیکھ کر امریکی سفارتخانہ اور ہوم لینڈ سکیورٹی والے تعین کریں گے کہ ہم کس چال چلن کے حامل ہیں۔ نیز یہ کہ کیا ہمارے لچھن ایسے ہیں کہ ہمیں امریکہ جانے دیا جائے۔

تو اور آرائش خم کا کل

میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

نہ جانے یہ شعر بے وقت کیوں یاد آیا۔ ویزا فارم کے ساتھ فارن آفس کا خط بھی درکار تھا۔ اس خط کے اجراء سے قبل حکومت پاکستان کا ایک اور تعارفی سرکاری خط لینا ضروری تھا۔ عزیزم محسن اس وقت کام آئے۔ اس دوران بذریعہ ٹیلی فون برابر مختلف دفاتر سے رابطہ کرنا پڑا۔

ایسا تو ہوتا ہے پھر اس طرح کے کاموں میں

امریکی سفارتخانہ کے اپنے قواعد ہیں۔ سفارتخانے سے براہ راست رابطہ دشوار ہے۔ بذریعہ بس جملہ خواہش مند خواتین و حضرات سفارت خانہ جاتے ہیں وہاں انٹرویو اور تصدیق کے جملہ مراحل سرانجام پاتے ہیں۔ فارم جمع کروانے کے بعد دن گزرنے لگے اور ہماری بیتابی تھی کہ ہر روز بڑھتی رہی۔ معلوم ہوا جملہ کوائف امریکہ بھیجوائے گئے ہیں، وہاں جانچ پڑتال کے بعد واپس آئیں گے۔

راجہ شاہد کام آئے انکا ویزا لگ چکا تھا۔ ان کے تحرک سے محکمہ خوراک کے قاضی محمد اسحاق جو راولپنڈی میں ہوتے ہیں اور مخلص آدمی ہیں ویزا کی جستجو میں لگے رہے۔ ایک رات نہ معلوم کس وقت آنکھ کھل گئی۔

بیقراری اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

رات کو نیند نہ آنا کچھ اچھا شگون نہیں۔ زندگی میں بہت سخت مقام بھی آتے ہیں۔ مگر یہ معاملہ کچھ اور ہے۔ معلوم نہیں ابھی ویزا کیوں نہیں لگا۔ کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ فلاں کا ویزا تو لگ گیا

ہے اور اسکا انٹرویو تو جلد ہی ہو گیا تھا۔ ہماری مرتبہ ایسا کیوں۔

کہیں ایسا ہی نہ ہو کہ ویزا ہی نہ لگے' کتنی سبکی ہو گی۔ لوگ کیا کہیں گے بڑے چلے تھے امریکہ پڑھنے۔ خیر سے بدھو گھر کو آئے۔ ایسے محاورے بھی ذہن میں عبث تکرار کرنے لگے۔

یہ شب بھی گزر گئی۔ دیگر تیاریوں کے لیے بھی وقت درکار تھا۔ مگر سچ تو یہ تھا کہ جب تک ویزا نہ لگے دل نہ مانتا تھا۔

گیارہ ستمبر کے ناخوشگوار واقعات کا اثر مزید ناخوشگوار رویوں کو جنم دے رہا ہے۔ امریکہ میں ہوم لینڈ سکیورٹی اپنی ذمہ داری پوری کر رہی ہے۔ کن لوگوں کا داخلہ امریکہ میں مناسب ہے اور کن کا نہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ تردد بے جا بھی نہیں۔

ایک روز ہارورڈ یونیورسٹی سے خط آیا، جس میں مجھے داخلے کی اطلاع دی گئی تھی اور ساتھ ہی سفری تیاریوں کے بارے میں ہدایات بھی تھیں۔ چند روز بعد ایک ضخیم پلندہ نصابی مواد کی صورت میں موصول ہوا۔ ہدایات تھیں کہ یہ مواد امریکہ آنے سے قبل ازبر کر کے آئیں۔ پہلے دن سے ہی ان موضوعات پر بات ہو گی۔ MILES MAHONEY اسی نصاب کا ایک کردار تھا، جس نے آتے ہی میری نیند اڑا دی۔

دیگر تیاریوں میں گرم ملبوسات اور خاص قسم کے جوتے جو برف میں چلنے کے کام آئیں، اونی ملبوسات، جن میں مفلر، گرم ٹوپیوں اور زیر جاموں کا بطور خاص تذکرہ تھا لے کر جانے تھے۔

جیسے جیسے جانے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ بیقراری اور بے تابی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر ایک دن وزیر اعظم پاکستان نے بطور خاص سب افسروں کو بلایا جو اس تربیت کے لیے منتخب ہوئے تھے۔ انہیں انتخاب پر مبارک باد دی اور ان توقعات کا اظہار کیا جو حکومت کو افسروں سے ہیں۔ "آپ پاکستان کے سفیر ہوں گے۔ اس بات کا ادراک رہے۔"

آخر وہ لمحہ بھی آ پہنچا ہمارا ویزا لگ چکا تھا اور پاسپورٹ ہمارے قبضہ میں، پھر کیا تھا۔ غیر متوقع مبارکباد کا ایک سلسلہ تھا، جو چل نکلا۔ مبارک ہو آپ امریکہ جا رہے ہیں۔ جسے دیکھو اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ فلاں فلاں نام والے انتہائی مطلوب زمرے میں آتے ہیں اور

آپ کا تو نام ہی اسلامی اور عین عربی قسم کا ہے۔خوب چھان پھٹک ہوئی ہوگی ۔ ویسے لگتے تو آپ شریف آدمی ہیں ۔ یہ شوق بیداد مصروف صاحب تھے۔اب سفری تیاریاں عین زوروں پر تھیں ۔ملبوسات کا انتخاب اور پھر ان کی پیکنگ ایک مرحلہ تھا۔

نہ نہ کرتے ہوئے بھی بڑے بڑے سوٹ کیس ہمارے شریک سفر بن گئے ۔رانا رشید صاحب جیسے زیرک پولیس افسر کے مشورے پر خوشنما سی ایک رنگین پٹی بھی غوث نے ہینڈل سے باندھ دی۔ یہ کوئی شگن یا ضعیف الاعتقادی کا اظہار نہ تھا بلکہ اپنے سامان کی شناخت کا آزمودہ نسخہ تھا۔ یہ بعد میں یقین مانیے سامان کی شناخت اور حصول میں ہمارے خوب کام آیا۔آخری دن بھی دفتری امور کی نذر ہو گیا۔سہ پہر ہوگئی۔کامران افضل نے یاد دلایا مناسب ہوگا کہ اب آپ گھر تشریف لے جائیں۔نہ نہ کرتے بھی بیسیوں کام نکل آئیں گے۔

فلائٹ کا وقت صبح سویرے تھا۔رات کو سونے کی کوشش کی تو بھی نیند نہ آئی۔حالت نیم شبی میں تیاری کی اور عازم ائیر پورٹ ہوئے۔بچوں سے رخصت ہوتے ہوئے دل بھاری ہو گیا۔یہ مشکل مقام تھا۔

بین الاقوامی پروازوں میں باہر جانے والے مسافروں کا ایک ہجوم تھا۔سارے مراحل خوش اسلوبی سے طے پا گئے اور ہم بورڈنگ کارڈ لیے جہاز میں موجود تھے۔ جہاز کا اندرونی ماحول ہماری روایتی بسوں والا تھا۔مسافر وزنی سامان جہاز کے اندر لانے پر مصر تھے۔میری سیٹ عجیب مضحکہ خیز سی تھی، دونوں سیٹوں کے درمیان۔

میرے ساتھ دلدار صاحب رونق افروز تھے۔سادہ بزرگ نکلے ہارورڈ والوں کا ایک پلندہ اپنی رفاقت میں لیے اسی امید میں تھے کہ راستے میں علم ودانش کے موتی چنتے جائیں گے۔ جہاز نے وقت مقررہ پر اڑان بھری اور یہ جا وہ جا۔معلوم نہیں کس سمت سے مانچسٹر کی طرف مائل بہ پرواز تھا۔ہارورڈ جانے والے افسروں کی ایک معقول تعداد اسی جہاز میں تھی۔تھوڑی دیر بعد گپ شپ کا آغاز ہوا۔

قریب نو گھنٹے کی پرواز کے بعد ہم مانچسٹر ائیر پورٹ پر اتر رہے تھے۔ مانوس سا لنکا شائر جہاز سے نظر آ رہا تھا۔رونق اور زندگی سے آراستہ انگلستان ہماری عارضی قیام گاہ تھی۔

یہاں تھوڑی دیر قیام کے بعد ہم نیویارک کے لیے روانہ ہونے والے تھے۔

مسافروں پر لازم تھا کہ اپنے سفری سامان سمیت لاؤنج میں تشریف فرما ہوں۔ سامان اور مسافروں کی پڑتال بغور کی جارہی تھی۔ جہاز کی روانگی میں تاخیر ہورہی تھی۔ آخر وقت سفر آ پہنچا۔ ایک مرتبہ پھر ہمیں اسی جہاز میں دوبارہ بیٹھنا تھا۔ اب جہاز جزائیر Hebrides پر سے پرواز کرتے ہوئے امریکہ کی طرف روانہ تھا۔ نیچے سمندر تھا، اپنی نیلگوں گہرائیوں اور وسعتوں کے ساتھ۔ صدیوں سے مسافر اسی راستہ سے سفر اور پھر پرواز کر کے امریکہ جاتے رہے ہیں۔ ہوائی جہاز کی ایجاد سے قبل بحری جہاز ایک مدت میں اس سمندر کو عبور کرتے تھے۔

اسی سمندر میں ٹائی ٹینک (Titanic) غرق ہوا تھا۔ غلاموں کی تجارت ہوتی تھی۔ سیاہ فام غلام افریقہ سے اس براعظم نو دریافت تک لائے جاتے تھے۔

جنگ عظیم اول اور دوم میں بھی بحری معرکے ہوتے رہے۔ ہوائی جہاز کی آمد کے بعد بھی اسکو عبور کرنے کے مراحل طے ہوتے رہے ہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں۔

میرا ذہن نہ معلوم کس سمت محو پرواز تھا۔ ساتھ والی نشست پر دو نوجوان بیٹھے تھے۔ دونوں بھائی امریکہ جارہے تھے۔ بڑا Detroit میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ افسران بھی لمبے سفر میں تھک سے گئے تھے۔ بحث ومباحثہ کا رنگ کچھ پھیکا سا پڑ گیا تھا۔ کچھ اونگ رہے تھے۔

توقیر صاحب اور میں کچھ گزرے واقعات پر غور کرنے میں وقت صرف کر رہے تھے۔ یہ تلخ لمحات بھی ہماری زندگی کا حصہ تھے۔ وہ 36 Anscomb Road کوئٹہ پر میرے پڑوسی تھے اور اب ماضی کی داستان سنا رہے تھے۔ وقت کی خوبی یہ ہے کہ اچھا ہو یا برا آخر گزر جاتا ہے، یہ حاصل کلام تھا۔

اب جہاز امریکہ کے نزدیک پہنچ رہا تھا۔ بوسٹن سے گزر کر ہم نیویارک جائیں گے اور انجام کار نیویارک سے ہمیں دوبارہ بوسٹن آنا تھا۔

نیویارک آرہا تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانکا شاید مجسمہ آزادی کی جھلک دکھائی دے، مگر یہ خیال خام تھا۔ باہر دھند چھا رہی تھی۔ برف اور سرد ہوا سمندر اور جہاز کے درمیان حائل تھی۔ میں

نے امیگریشن کارڈ بھرنا شروع کیا۔

جہاز جے ایف کے ائیر پورٹ پر اتر چکا تھا۔ یہ دنیا کا مصروف ترین ہوائی اڈا ہے۔ پی آئی اے کا دیو قامت جہاز رینگ رہا تھا۔ سامنے اسرائیل کا ایک مسافر بردار جہاز پشت کیے کھڑا تھا۔ اسکی دم پر سٹار آف ڈیوڈ نظر آ رہا تھا۔ جملہ مسافر باہر نکلنے کو بے تاب تھے۔ میں مناسب موقع کی تاک میں تھا۔ راستے میں امیگریشن حکام چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسافروں کو قطار بنانے کا حکم دے رہے تھے۔ اب ہم امیگریشن ہال میں تھے۔ مختلف قومیتوں، رنگ و نسل کے لوگ امریکہ میں داخلے کے لیے بے چین تھے۔ مگر یہاں تو گھنٹوں کا معاملہ نظر آ رہا تھا۔

میں اب کاؤنٹر پر موجود تھا۔ میرا پاسپورٹ اور امیگریشن کارڈ دیکھ کر متعلقہ افسر مسکرایا۔ ہارورڈ سکالر۔ دریں چہ شک، میرا جواب تھا۔ کیا آپ یورپ میں زیادہ عرصہ قیام پذیر رہے ہیں۔ میں یورپ جا چکا ہوں، میں نے جواب دیا۔ میں نے آپکی تحریر سے یہ اندازہ لگایا ہے۔ امیگریشن افسر مسکرایا اور پاسپورٹ پر مہر لگا کر میرے حوالے کر دیا۔

میں خراماں خراماں باہر نکل آیا۔ پی آئی اے کا کاؤنٹر تلاش کرنے میں دیر نہ لگی، میں اپنی اگلی پرواز کی نشست محفوظ کروانا چاہتا تھا۔ ایک فربہ خاتون اردو میں مخاطب تھیں۔ آپ کی نشست محفوظ ہے، خاتون نے جواب دیا۔

یہ امر اطمینان کا باعث تھا۔ اب میں نے بوسٹن کی فلائٹ پکڑنا تھی جو ایک اور ٹرمینل سے جانا تھی۔ برقی زینہ استعمال کرتے ہوئے میں لفٹ میں پہنچ گیا۔ گاڑی پکڑی اور ڈیلٹا ائیر لائن کا ٹرمینل میری اگلی منزل تھی۔

گاڑی سے نکل کر سامنے منزل میں داخلے تک باہر سے ہو کر جانا تھا۔ ایسی بلا کی سردی کہ میری تو قلفی جمنے لگی۔ مسافر کریڈٹ کارڈ استعمال کرتے ہوئے بورڈنگ کارڈ حاصل کر رہے تھے۔ میں نے سامنے کاؤنٹر کا رخ کیا۔ 2/3 خواتین کے بعد ہماری باری تھی۔ بھاری بھرکم سیاہ فام خاتون نے میرا ٹکٹ اچک لیا۔ میں نے ' گورا لوگ کے موافق 'انگریزی کا وار کیا۔ خاتون نے میرا جائزہ لیا، پھر ساری توجہ ٹکٹ پر مذکور کر دی، پھر کیا، ایک ایک ورق کا مطالعہ پھر کمپیوٹر کا شغف معلوم نہیں ماجرا کیا ہے میں کچھ فکر مند سا ہو گیا۔ آخر سکوت ٹوٹا۔ خاتون نے ٹکٹ

کا اسٹکر اتارنے کی کوشش شروع کی، مگر ہمارے لاہوریے ٹکٹ فروش نے کمال کی چسپاندگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اب اگر خاتون مزید چھیڑ چھاڑ کرتیں تو ٹکٹ کے پھٹنے کا احتمال تھا۔ آپ کے ٹکٹ ایجنٹ نے اچھا نہیں کیا۔ غیر محفوظ نشست کو محفوظ ظاہر کیا ہے۔ اسکا اختیار اسے حاصل نہیں۔ یہ وقت بحث کا نہیں۔ صورتحال پر قابو پانے کی ضرورت ہے، میں نے سوچا۔ اگر مجھے اس پرواز پر بوسٹن جانے کا موقع نہ ملا تو میں گانا گانے لگوں گا اور وہ بھی شرطیہ المیہ۔

وار کارگر ثابت ہوا۔ خاتون ہنسنے لگی، اس زور سے کہ ادھر ادھر کے لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔ تم بڑے شرارتی ہو وہ بولی۔ شاید نادان بھی۔ چلو مت بناؤ یہ لو اپنا ٹکٹ اور پہنچو بوسٹن۔ کام بن گیا تھا۔

بورڈنگ کارڈ لینے کے بعد میں نے اپنا اسباب سمیٹا۔ کاغذات سنبھالے اور سوچنے لگا میں نے چلنے سے پہلے کتنا تردد کیا تھا۔ چار چکر چوبرجی کے لگائے کہ میری نشست محفوظ ہو اور کتنی تاکید کی تھی۔ ٹریول ایجنٹ نے کس کمال سے باور کرایا تھا کہ فکر کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ تو ان کی مہربانی ہے کہ ٹکٹ او کے ہوگئی وگرنہ مجھے رات نیویارک ہی میں رکنا پڑتا اور بذریعہ بس کل بوسٹن پہنچنا پڑتا۔ ابھی مجھے سکیورٹی کلیئرنس کروانا تھی اور امریکہ میں آج کل یہ کتنی دشوار مشق ہے، اس کا اندازہ مجھے اگلے چند لمحوں میں ہونے والا تھا۔ گیارہ ستمبر اور اس کے اثرات' دہشت گردی اس کے ممکنہ اثرات اور مضمرات۔ سب نے مل کر اس رویے کو تقویت دی ہے کہ امن عامہ اور شہریوں کی جان اور املاک کا تحفظ ہر چیز پر مقدم رہے۔

جیسے ہی دائیں ہاتھ مڑا تو سامنے مسافروں کی قطار نظر آئی۔ مسافر عجیب پریشانی سے دوچار تھے۔ قطار میں کھڑے ہوتے ہی دیگر مسافروں کی دیکھا دیکھی میں نے بھی کوٹ اتارا۔ جوتے موزے اور بیلٹ سب ایک پلاسٹک کی ٹرے میں رکھے۔ ان اشیاء کو مشین سے گزارا جا رہا تھا۔

ایک شخص جو شکل سے تو بھلا چنگا تھا مگر رخمی تیندوے کی طرح دھاڑ رہا تھا بلکہ کسی خوفناک ہاتھی کی چنگھاڑ سے ملتی جلتی آواز میں مسافروں پر دھاک جما رہا تھا۔ میں چاہتا ہوں جوتے چمڑے کی پیٹیاں بکل والی اشیاء اور کمپیوٹر سب جاموں سے باہر ہوں۔ حکم حاکم لیپ

ٹاپ علیحدہ اوران کے غلاف علیحدہ سے سکینگ مشین سے گزارے جارہے تھے۔

میرا سامان علیحدہ سے اپنا راستہ لوگوں کے اسباب میں سے گزر کر بنا رہا تھا سردی بلکہ سخت سردی میں قطار اندر قطار مسافر اپنی جامہ تلاشی پر مجبور تھے۔اپنی باری پر میں آہنی دروازے سے گزر رہی تھا کہ میرے سے آگے والے مسافر کو دیکھتے ہی ایک ڈیوٹی پر مامور ملازمہ چلائی " SELECTED " معلوم نہیں یہ کیسا انتخاب ہے ایک لمحہ کو تو میں سمجھ نہ پایا مگر یہ معمہ جلد حل ہو گیا جب ایک وردی والے نے بے چارے مسافر کو آگے لگا لیا اور سامنے ایک مقام پر، جو چوبی تختوں سے دو اطراف سے ڈھکا ہوا تھا۔اس مسافر کی تفصیل سے چیکنگ ہونے لگی۔ میں نے پلاسٹک کی ٹرے سے اپنی اشیاء سنبھالیں اور ایک پریشانی میں جوتوں کے تسمے کسنے لگا اور آگے جا براجمان ہوا۔

سامنے نشست پر دو مسافر ملٹری سروس کے حوالے سے گفتگو کرنے لگے۔ جہاز 35 منٹ کی پرواز کے بعد بوسٹن پہنچے گا۔تھوڑی دیر تک برف پر پھسلتا ہوا جہاز رن وے پر آ پہنچا اور سامنے دوڑتا ہوا آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرنے لگا۔اجلی روشنیوں سے آسمان اور زمین جگمگا رہے تھے۔یہ امریکہ تھا۔اجالا داغدار نہیں تھا۔ایئر ہوسٹس کاک پٹ کے باہر لگے دستی فون سے اعلان کرنے کے بعد اپنی نشست پر بیٹھ گئی۔

فضائی ٹریفک، مسافر اور ہجوم بین الاقوامی پروازوں کا خاصہ ہیں۔ ہمارے ایک مہربان بوسٹن آتے آتے اٹلانٹا والے جہاز میں جا سوار ہوئے، وہ تو غنیمت گزری کہ ان کو بروقت پتہ چل گیا۔ پانیوں کے درمیان روشنیوں کے انبار زمین پر آسمان سے نظر آرہے تھے۔اندرون ملک پروازوں پر مسافروں کی تواضع واجبی سی ہوتی ہے۔پانی کی ننھی سی بوتل اور چپس کا ایک چھوٹا پیکٹ۔اگر آپ مزید تواضع کروانا چاہیں تو دام نکالیں۔

تواضع میں اندرون ملک تو الا ماشاءاللہ ہماری فضائی کمپنی بھی کولڈ ڈرنک کی بوتل سے آدھا جہاز بھگتا لیتی ہے۔تھوڑی دیر بعد ہم LOGAN پورٹ پر اتر رہے تھے۔رن وے بالکل پانی کے ساتھ ہے۔ہمیں جہاز سے نکل کر دوبارہ برف پر پھسلتے ہوئے ہوائی اڈا کی عمارت میں داخل ہونا تھا۔

سامان کے حصول سے قبل 3 ڈالر ڈالیں تو ٹرالی کا حصول ممکن ہوگا۔ میں نے سامان سنبھالا تو سامنے خالد صاحب ہمارے منتظر تھے۔ ایک کاغذ پر میرا نام لکھے کھڑے تھے۔ جو اس ائیر پورٹ پر غیر مانوس تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد ایک اور مشق شروع ہوئی۔ خالد صاحب رہتے تو بوسٹن میں ہیں مگر ائیر پورٹ کے حدود اربعہ سے میری طرح ہی غیر شناسا تھے۔ پہلے تو عمارت سے نکلنے کے لیے قریب 5 کلومیٹر کا سفر کروایا پھر کار پارک تک کا راستہ طے کرنا ایک اور مرحلہ تھا۔ خدا خدا کر کے انکی گاڑی تک پہنچے تو ہمارا سامان کئی مرتبہ لوٹ پوٹ ہو چکا تھا۔ کئی منزلہ کار پارکنگ میں ایک منزل تک تو مجھے بھاری بھر کم سوٹ کیس لے کر مشکل سے سیڑھیوں کو طے کرنا پڑا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی موصوف جان کیری سے اپنے مراسم کا تذکرہ اس جوش و جذبے سے کرنے لگے کہ سامنے جانے والی شاہراہ پر ہو لیے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد احساس ہوا کہ غلط طرف جا رہے ہیں۔ مشکل سے مڑنے کے بعد درست سمت میں سفر شروع کیا۔

میری آنکھیں تھکاوٹ سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم ایک پرانے طرز کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ اب مشق سامان و اسباب دہرانے کا کا وقت پھر آ پہنچا۔

اے مرد مجاہد جاگ ذرا

میں نے ولولے کے ساتھ سامان نکالا اور اسے عمارت کے ابتدائی حصے تک پہنچایا۔ اب ہم انکے اپارٹمنٹ میں موجود تھے۔ کھانا، تھکاوٹ اور بستر۔ اور کیا چاہیے تھا۔

صبح سویرے آنکھ کھلی تو احساس امریکہ سے سرشار پردہ سرکایا تو امریکہ کی جھلک دن کی روشنی میں دکھائی دی۔ ناشتے کے بعد نہ جانے کیوں میں نے پھر نیویارک پی آئی اے کا دفتر ملایا کہ واپسی کی نشست دوبارہ چیک کرلوں کہیں پھر پہلے والے تجربے کا اعادہ نہ ہو۔

آپ پاکستان میں کیا کرتے ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں۔ خاتون مجھ سے ٹیلی فون پر پوچھ رہی تھیں۔ آپ کی "شین قاف" سے تو اس امر کی غمازی نہیں ہوتی کہ آپ لاہور سے آئے ہیں۔ انہوں نے مزید استفسار فرمایا، پھر کمال دلنوازی سے اس خاکسار پر یہ احسان فرمایا احسن میں نے تمہاری نشست کنفرم کر دی ہے۔

حدادب گستاخ۔ جی تو چاہا کہ خبر لوں مگر پھر سوچا چلو جانے دو۔

یہ MADEN کا علاقہ ہے اور بوسٹن کے نواح میں ہے۔ برف باری کا ایک دور ہو چکا تھا اور برف کو ہٹانے کا عمل جاری تھا۔ گھروں کی پشت پر کھڑی گاڑیاں اور ان پر جمی برف اس بات کی گواہی تھی کہ امریکہ ہنوز حالت ویک اینڈ میں ہے۔

کرسمس گزرے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ گھروں کے سامنے پھولوں اور سبزے سے بنے ہار مکانوں کی زینت تھے۔ کشادہ سڑکیں اور عمدہ گھر اہل علاقہ کے متمول ہونے کا ثبوت تھے۔ اس علاقہ میں یہودی بہتات میں ہیں۔ خالد صاحب بتانے لگے۔ کیا ہوا۔ میں نے جواب دیا آخر ہمارے جیسے اہل ایمان بھی تو آ پہنچے ہیں۔ کشادگی کا احساس امریکہ اور امریکیوں کی وسعت کا آئینہ دار تھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی چوہدری بشیر صاحب مجھ سے مخاطب تھے۔ خوش آمدید، دوپہر کا کھانا غریب خانے پر تناول فرمایئے۔ یہ چوہدری صاحب کی شفقت کا اظہار تھا۔

دوپہر کو گھر سے نکلے گاڑی گھر سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی جہاں جگہ ملے سڑک کے ایک طرف گاڑی کھڑی کرنی پڑتی ہے۔ سرد ہوا زور سے چل رہی تھی۔ اب خیال آیا کہ CATHY ECKROADS نے جو ہمارے پروگرام کا انتظام وانصرام سنبھالے ہوئی تھیں ہر ای میل پر گرم ملبوسات کا کیوں تذکرہ کرتی تھیں۔ چرمی دستانے اندر سے خوب گداز تھے۔

گاڑی سڑکوں پر مڑتی ہوئی QUINCY کی طرف چل پڑی۔ اب سڑکوں پر ٹریفک کافی تھی۔ Milton میں بشیر صاحب کا گھر ڈھونڈنے میں کچھ وقت لگا۔ گھروں کے باہر امریکی پرچم پھریرے اڑا رہے تھے۔ امریکی امریکہ سے بہت محبت کرتے ہیں GOD BLESS AMERICA کا بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ منزل Milton کا علاقہ تھا۔ جان ملٹن اور جنت گم گشتہ کے حوالے بے وقت یاد آنے لگے۔

ہم چوہدری صاحب کے گھر کے سامنے موجود تھے، بیگم صاحبہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ چوہدری صاحب ہمارے منتظر تھے۔ آپ نے بہت راہ دکھائی بولے۔

اب جواب خالد نے دیا اور سارا ملبہ جغرافیے پر گرا دیا۔ میری شہادت ان دو ماہرین

کے روبرو قابل اعتبار کہاں تھی۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ ہم کھانے کی میز پر موجود تھے۔ بشیر صاحب بہت باوضع اور مخلص انسان ہیں، ایک مدت سے امریکہ میں آباد ہیں۔ ساٹھ کی دہائی میں انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتے تھے۔ سرکار کے معتوب ٹھہرے تو افغانستان چلے گئے۔ وہاں سے اٹلی اور یورپ سے ہوتے ہوئے امریکہ آ پہنچے۔ امریکہ LAND OF OPPORTUNITY کا منتظر تھا۔ پہلے HOUSTON میں آباد تھے پھر وہاں سے نقل مکانی کرکے بوسٹن میں آباد ہو گئے۔ دو بیٹے پولیس میں ہیں اور BASH BROTHERS کے نام سے پہنچانے جاتے ہیں۔ سہیل بھائی سب سے چھوٹے ہیں اور بوسٹن میں بشیر صاحب کے ساتھ ہوتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے سمارٹ ہونے کا راز شاید خوراک میں پنہاں ہو۔ Saint Pauls Camb School میں مجھ سے دو سال جونیئر تھے۔

بشیر صاحب کارزار حیات میں سرخرو ہوئے ہیں، نامساعد حالات کا مقابلہ مردانہ وار کرتے کرتے اب عمر کے اس حصہ میں ہیں کہ مختلف عوارض ان کے درپے ہیں مگر رگ ظرافت ابھی بھی برقرار ہے۔ امریکہ آتے آتے جان کے لالے پڑ گئے۔ ایک موقع پر انہیں اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرنا پڑا۔ پجاریوں سے کہنے لگے میرے ماتھے پر ترشول کا نشان دیوی کی دیا سے ہے۔ مہنت ہاتھ جوڑ کر انکے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پھل کھانا سب چڑھاوے چڑھانے لگے۔

بسا اوقات امریکہ میں رہنے والے ایشائی بالخصوص پاکستانی عجیب سے عملی رویے کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ بعض تو اپنے معاشرتی رویوں، آداب اور معاشرت سب پر بے وقت طعنہ زنی سے باز نہیں آتے۔ کھانا کھاتے وقت بحث بلکہ یوں کہیے کج بحثی چنداں غیر ضروری ہوتی ہے۔

ہم بہترین امت ہیں، ہمارے پاس بہترین اللہ، بہترین رسول ﷺ، بہترین کتاب بہترین دین اور بہترین وطن ہے ہمیں کسی سے پرخاش نہیں اور نہ ہی کسی احساس کمتری کی ضرورت ہے۔ یہ میرا استدلال تھا، جو خالد کی بحث کے بعد حالت مجبوری میں ظاہر ہو رہا تھا۔

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

بشیر صاحب کے لطائف اور حقائق نے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہونے دیا۔

اگلے دن اتوار کو خالد کے ساتھ ایک خریداری مرکز پر گئے۔ وہاں دنیا بھر کی اشیاء الیکٹرونکس ملبوسات کیا کچھ نہ تھا۔ ایک بہت بڑی ٹرالی پر چیزوں سے لدے پھندے واپس لوٹے۔

موسمیاتی چینل پر آنے والے دنوں میں مزید برفباری کی خبر تھی۔ شام کو یونیورسٹی بھی پہنچنا تھا۔ MADEN CENTER کا ریلوے سٹیشن خالد کے گھر سے پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر تھا۔ بوسٹن میں ٹیوب کی چار لائنیں ہیں اورنج' گرین' ریڈ اور بلیو۔ اورنج لائن میڈن سنٹر سے ہو کر گزرتی ہے۔ سٹیشن کے سامنے ہی بسیں بھی چلتی ہیں۔ سٹیشن پہنچ کر میں نے ریلوے کے نقشے کا بغور جائزہ لیا۔ ٹکٹ لینے کی ضرورت نہیں، ایک ڈالر کا سکہ مشین میں ڈالیے اور چلیے پلیٹ فارم پر۔ پلیٹ فارم پر سرد ہوا اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔

DOWNTOWN سٹیشن سے میں نے زیر زمین راستے پر چلتے ہوئے ریڈ لائن پکڑی جو MASSACHUSETS GENERAL HOSPITAL اور MASSACHUSETS INSTITUTE OF TECHNOLOGY سے ہوتی ہوئی ہارورڈ اسکوائر اسٹیشن پر جا رکی۔ میں پلیٹ فارم سے ہوتے ہوئے ہارورڈ اسکوائر آ پہنچا۔ برف ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اسکوائر ہارورڈ یونیورسٹی کا ایک اہم مرکز ہے۔ تھوڑی دیر میں' میں جے ایف کے اسکول آف گورنمنٹ کے سامنے تھا۔ یہاں میں نے تعلیم حاصل کرنا تھی مگر فی الوقت میری منزل آگے تھی۔ دریائے چارلس پر روایتی پل کو عبور کر کے میں آگے جا نکلا۔ دو تین مرتبہ راستہ پوچھنے کے بعد آخر میں منزل پر جا پہنچا۔ یہ Soldiers Field Park ہے۔

CATHAY اور BOB BENN ہمارے منتظر تھے۔ رسمی کارروائی کے بعد ایک بیگ بشمول چھتری بمع نصابی مواد میرے حوالے کر دیا گیا۔ ایک لفافے میں چابیاں تھیں۔ یہ قسمت کی کنجی تھی اور میرے اپارٹمنٹ کی بھی۔ میرے ساتھ ٹیپو مہابت نے رہنا تھا۔

اسی کارروائی کے دوران ساتھی آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم سب

BOB BENN کے جلو میں چل پڑے۔ ہمارے کورس کے انعقاد کی رسمی تقریب ابھی بقایا تھی۔

TAUBMAN بلڈنگ سکول کے ساتھ ہے اور پرشکوہ عمارات کا ایک سلسلہ ہے جو ایک علیحدہ تاریخ کا باب بھی ہے۔ جنگ آزادی اور استعمار سے آزادی تک کا سفر طے کرنے میں ایک عمر صرف ہوئی ہوگی۔ ہارورڈ کے سکالر اور در و دیوار اس جدوجہد میں شریک تھے۔ اور ان کہی داستان رفاقت سنا رہے تھے۔

ہارورڈ یونیورسٹی ایک اعزاز کا نام ہے۔ دنیا کی چند عظیم درسگاہوں میں سے ایک۔ پاکستانی افسران میں بھی ماشاءاللہ ایک سے بڑھ کر ایک۔ اس تذکرہ کا مقصد افسران کی بے جا توصیف نہیں۔ یہ ایک حقیقت کا اعتراف ہے۔ نہ ہی اس فن ستائش گری کا ہنر اس عاجز کو ہے نہ ضرورت۔

تقریب کے مہمانوں میں ملک مشتاق صاحب بطور خاص واشنگٹن سے آئے تھے۔ پاکستان کے اعزازی قونصل BARRY HOFFMAN بھی تقریب کی رونق بڑھانے والوں میں تھے۔

تقاریر ہوئیں' کھانا کھاتے ہوئے باہمی گفتگو میں CATHY اور CAMERON بھی ہمارے ساتھ شریک تھے۔ ایک دوسرے کو جاننے کا موقع مل رہا تھا۔ اکرام غوری مرد سیاہ ہیت کو کامران بنانے پر تلے بیٹھے تھے کہ تمہارا نام کامران سے بگڑ کر Cameron بن گیا ہے۔

کھانے کے بعد اونی ٹوپیوں سے سر ڈھانپنے کا عمل شروع ہوا تو بیری بولے کیا اسکیمو لوگوں کے پاس جانے کا ارادہ ہے۔ رات بیت رہی تھی۔ صبح کلاس شروع ہونے والی تھی۔ اقامت گاہ میں جانا اور اگلے روز کی تیاری کا مرحلہ ابھی باقی تھا۔

جے ایف کے اسکول آف گورنمنٹ ہارورڈ یونیورسٹی کے مختلف اسکولوں میں سے ایک ہے۔ اسکول آف میڈیسن' لاء اسکول' بزنس سکول وغیرہ بہت معروف ہیں۔ بہترین اساتذہ اور فیکلٹی یہاں کا طرہ امتیاز ہے۔ ایک فلور پر جے ایف کے فورم ہے۔ سامنے امریکی پرچم اور جے

ایف کینیڈی کا فوٹو فریم۔ مسکراتے ہوئے امریکی صدر کا پرعزم چہرہ سامنے نظر آتا ہے۔ میں تصویر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

جان ایف کینیڈی اسی خطہ مردم خیز میں پیدا ہوئے۔ انکا آئرش خاندان یہاں آبسا تھا۔ بحری ملازمت چھوڑ کر کینیڈی سیاست میں آئے اور پھر ایک دن امریکہ کی صدارت ان کے حصے میں آئی۔ ان کی بے وقت موت پر سب سوگوار تھے۔ یہ میرے بچپن کے دن تھے۔ ابو جی منٹگمری میں تعینات تھے۔ کینیڈی کی بے وقت ہلاکت پر ہمارے گھر میں بھی ایک اداسی تھی۔ کسی بھی انسان کی بے وقت موت ایک سانحہ ہے۔

لائف رسالے میں مختلف تصاویر چھپی تھیں۔ گولی لگنے کا منظر واضح تھا۔ ایک تصویر میں وہ جیکولین کینیڈی کے ساتھ تھے۔ ان کا سر جیکولین کے کندھے سے لگا ہوا نظر آرہا تھا۔ ایک تصویر میں ننھا بیٹا باپ کے تابوت کو سلیوٹ کر رہا ہے۔ جبکہ انکی بیٹی سراسیمگی کی حالت میں باپ کو بچھڑتے ہوئے دیکھ رہی ہے۔ وقت گزرتا رہا۔ پھر چند سال پہلے وہ ننھا بیٹا جوان رعنا بننے کے بعد فضائی حادثے کا شکار ہو گیا۔ حیف صد حیف۔

اب صرف کینیڈی کی بیٹی بچی ہے۔ جیکولین نے تو یونانی تاجر اداناسس سے شادی کر کے اپنی دنیا الگ بسالی تھی اب وہ بھی دار فانی میں نہیں۔ میں جے ایف کینیڈی فورم میں کینیڈی کی تصویر کے سامنے دیر تک کھڑا رہا۔ امریکی قوم نے انہیں فراموش نہیں کیا۔ یہ سکول آف گورنمنٹ انکی یاد دلاتا رہے گا۔ سکول کے سامنے کھلی جگہ پر عجائب گھر یا شاید اور یادگار تعمیر ہونا تھی، مگر تعمیراتی قوانین کے آڑے آنے پر موقوف ہوئی۔

امور سلطنت خویش خسرواں داند

میں نے CATHY سے پوچھا کینیڈی کی صاحبزادی کیرولین۔ کیا یہاں آتی رہتی ہیں۔ جی ہاں کبھی کبھی آتی ہیں۔ کیتھی نے جواب میں کہا۔

ہمارا کلاس روم دوسری منزل پر تھا۔ بڑا آرٹسٹک سا۔ نشستیں اپنی وضع میں خوب، ایک نیم دائرے میں۔ تختہ سیاہ ایک چھوڑ چھ، دیگر الیکٹرانک آلات با افراط ہر نشست کے سامنے ریکارڈنگ کا نظام۔ پہلا رابطہ BOB کے ساتھ۔ چھوٹی ڈاڑھی اور حس ظرافت کے ساتھ۔

چستی اور پھرتی انکا ٹریڈ مارک۔ لمبے ڈگ بھرنے میں انکا کوئی ثانی نہیں۔

پہلا دن تھا، ہمارے شیر بھی بپھرے ہوئے تھے۔ایک سوال کی جگہ تین تین جواب، وہ بھی ایسے کہ ایسے کو تیسا۔قوت گفتار نے شوق گفتار سے ملکر خوب پھلجھڑیاں چھوڑیں، ماحول گرما دیا۔

ایسے میں بنگش صاحب کسی سے پیچھے کیوں رہتے۔ایسی کمال کی بات کرتے کہ ہنستی رکتے نہ رکے۔سلسلۂ تدریس بلا توقف شام تک چلتا تھا۔درمیان میں سہولت طعام TAUBMAN, ISABEL AND PETER PENT HOUSE یا کبھی کبھی BELL HOUSE کی شکل میں مہیا ہوتی۔

دریائے چارلس کے ایک کنارے بوسٹن آباد ہے تو دوسری جانب کیمبرج واقع ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی دریائے چارلس کے دونوں طرف ہے۔ ہماری اقامت گاہ بوسٹن میں تھی تو سکول کیمبرج میں۔ ہاسٹل سے آنے جانے کے لیے شٹل سروس موجود تھی۔ یہ عجیب سے بے ڈھنگی لاری تھی جو بعض تکنیکی وجوہ کی بناء پر شاید پوری طرح جوان نہ ہو پائی تھی۔ دونوں طرف لمبی نشستیں، جو بیٹھ گئے سو بیٹھ گئے۔تاخیر سے آنے کی شکل میں کھڑے ہو کر سفر کریں۔

میں نے اپنی دانست میں درمیانی راستے سے آنا جانا بہتر سمجھا اور ہاسٹل سے نکل کر دریائے چارلس کو درمیانی راستے سے عبور کر کے سکول جا پہنچتا تھا۔سامنے ایک گھنٹا گھر تھا۔کمال یہ کہ اسکی سوئیاں بھی بہ قائمی ہوش وحواس تھیں اور درست وقت بتاتی تھیں۔آتے جاتے وقت ایک مخلوق نظر آتی تھی۔نوجوان طالب علموں سے لیکر تدریسی اور دیگر عملہ کے اہل خاندان سب ایک ہی معمورے میں آباد تھے۔کیا مجال کہ آپ کو دوسرے کے وجود یا موجودگی کا احساس ہو۔ یہ دریا تو بحر ظلمات تھا جو ہر صبح ہمارے قدموں سے روندا جاتا۔گو گھوڑے بہم نہ تھے۔

یونیورسٹی میں مختلف قومیتوں اور نسلوں کے لوگ نظر آتے۔آپ گفتگو کرنا چاہیں تو وسیلہ انگلیسیہ حاضر۔انگریزی بھی امریکی ڈھب کی۔ایسے میں بعض اوقات انگریز یاد آجاتے ہیں جو بادشاہوں اور ان کی جملہ ملکہ صاحبان اور بیگمات کی انگریزی بولنا باعث افتخار سمجھتے ہیں۔

کتوں کے ساتھ سیر کرتے حضرات مجھے ایک آنکھ نہ بھاتے، نہ معلوم کیوں۔ پہلا

ویک اینڈ نزدیک تھا اور اس جمعہ کو نیویارک جانے کا پروگرام تھا۔

خالد نے بتایا کہ ایک ذریعہ لیموزین سروس بھی ہے جو فون کرنے پر گھر سے لے جاتی ہے اور نیویارک منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ ایک مرتبہ سفر کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ یہ سوچ کر ایڈوانس بکنگ کروادی گئی۔ ایک ویگن جو ہمارے ہاں چلنے والی بے وضع ویگنوں سے بہت بہتر تھی، باہر کھڑی تھی۔ سامان سمیت اس میں گھس گئے۔ سیاہ فام مرد و زن پہلے سے موزوں نشستوں پر قبضہ بلکہ یوں کہیے کہ قبضہ ءمخالفانہ کیے بیٹھے تھے۔ ایک بے ڈھنگی نشست ہمارے حصے آئی۔ اس ویگن نے آدھا شہر گھمانے کے بعد ایک جگہ جا کر قیام کیا۔ مسافروں کو اب اس جیسی دوسری ویگن میں بیٹھنا تھا۔ وہاں بھی یہ حال تھا کہ لگتا تھا سانس مشکل سے آئے گا۔

یہ ڈرائیور فن موسیقی کا دلدادہ تھا اور موسیقی بھی سین کی۔ میرے سر پر سے سب راگ اور دھنیں گزر رہی تھیں۔ میرے دائیں جانب بیٹھی اماں نہ جانے کیوں ڈھول کی تھاپ پر نہال ہو رہی تھیں کہ ویگن کی دیوار پر مکے مار مار کے تان بلند کر رہی تھیں۔ یہ منظر نا قابل برداشت تھا۔

شالا مسافر کوئی نہ تھیوے

سب مسافر با آواز بلند اسی نامانوس زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہمارے صبر کا امتحان جاری تھا۔ کوئی مسافت طے کرنے کے بعد ویگن ہارٹ فورڈ پہنچ گئی اور شہر کے اندر جا کر میکڈونلڈز پر جا رکی۔ میں گاڑی سے باہر نکلا تو ہوائے زمستان بہت زور سے چل رہی تھی۔ طرہ سرد مہریٔ احباب، میں سوچ کر مسکرا دیا۔

میں نے جین کی جیب سے مڑی تڑی چٹ نکالی اور اس پر درج MANHATAN میں آغا عزیز صاحب کے عشرت کدے کا پتہ نکالا اور ڈرائیور سے جا ہیلو ہائے کی۔ میں نے یہاں جانا ہے۔ یہ پاکستانی سٹائل کار آمد ثابت ہوا۔ میں نے صورتحال پر قابو پانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ آخر بھلے وقتوں میں اعلیٰ ملازمتوں کا امتحان پاس کیا اور وہ بھی امتیازی درجے ہیں۔ پھر صاحب دیہہ اور صاحب ضلع رہے۔ چلیں اب چھوڑیں اسی قضیے کو۔

ہارٹ فورڈ میں مجھے ندیم اشرف یاد آئے۔ وہ یہاں ایک کورس پر آئے تھے اور یہاں کے قیام کی اچھی یادیں لیکر گئے تھے۔ ہم اب Connecticut سے ہو کر نیویارک کی طرف

روانہ تھے۔

ویک اینڈ پر نیو یارک کی طرف ٹریفک بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ ہجوم مے کشاں سوئے میکدہ رواں تھا۔ گاڑی میں موسیقی اور پھر باہم گفتگو، خاموشی کا کوئی مرحلہ نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد نیو یارک آ پہنچا اور ڈرائیور نے ایک ایک کر کے سواریوں کو اتارنا شروع کیا۔

میں نے ٹیلی فون کیا تو آغا صاحب بولے آپ کہاں ہیں۔ میں اور میری اہلیہ پریشان ہیں کہ آپ کو اتنی دیر کیوں ہوگئی ہے۔ چند لمحوں بعد ہم انکے اپارٹمنٹ کے باہر موجود تھے۔

آغا صاحب ملنسار، نیک اور پاکیزہ بزرگ ہیں۔ گھر میں بیگم کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔ کھانا لگایا جائے یا آپ کپڑے تبدیل کریں گے۔ اجی صاحب چھوڑیے اس تکلف کو۔ کھانا حاضر تھا۔ نہ جانے نیو یارک میں مچھلی کے ساتھ ثابت بھنڈی توری تلی ہوئی کیوں کھائی جاتی ہے۔ میں سوچنے لگا۔

رات کافی گزر چکی تھی۔ تذکرہ واردات ویگن سے آغا صاحب اور بیگم صاحبہ جنہیں وہ "جانے" کہہ کر پکارتے ہیں خوب محظوظ ہوئے۔

آغا عزیز ایک مدت سے امریکی شہریت حاصل کیے ہوئے ہیں۔ بلکہ امریکہ ان کا سسرال ہے۔ انکی اہلیہ ALBAMA سے تعلق رکھتی تھیں۔ شعور سنبھالنے کے بعد بھی سے طبیعت بے چین رہنے لگی۔ روحانیت کی تلاش میں مذاہب کا تقابلی مطالعہ شروع کیا۔ اسلام متعلق کتابیں پڑھیں۔ مالکم 'X' کی تحریک کا بطور خاص جائزہ لیا۔ پھر ایک دن انہوں نے مسلمان ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ عزیز صاحب نے قبولیت اسلام کے بعد ان سے عقد کیا۔

بیگم صاحبہ دیندار مسلمان خاتون ہیں۔ گھر کا ماحول دینی' کھانا قالین پر بیٹھ کر کھایا جاتا ہے۔ صوم وصلوۃ کی پابندی کی جاتی ہے۔ حرام حلال کا بطور خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ دونوں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں وہ پاکستان آ چکی ہیں۔ فیصل آباد ان کو بہت پسند ہے۔

آپ کے مسلمان ہونے پر آپ کے والدین کا کیا ردعمل تھا۔ میں نے نہ جانے کیوں براہ راست سوال کیا۔ والدہ تو بچپن میں فوت ہوگئی تھیں والد نے صرف اتنا کہا۔ مذہب پسند کرنا تمہارا اختیار ہے مگر تم نے وہ نام کیوں ترک کر دیا جو تمہیں تمہاری ماں نے دیا تھا۔

مالکم "X" کی تحریروں اوران کی تحریک کے حوالے سے بات چیت ہوئی۔ وہ ایک ریسرچ سکالر ہیں۔ مجھ سے مکران اور پاکستانی ساحلی علاقوں میں افریقی غلاموں کی تجارت کے حوالے سے سوال کرنے لگیں۔ ٹی وی پر نیو یارک کے میئر اپنے عملے کے ساتھ نیو یارک میں برفانی طوفان کی اطلاع دے رہے تھے، جو جلد متوقع تھا۔

ہنگامی تیاریاں آخری مراحل میں تھیں۔ بہتر ہو گا کہ شہری بغیر اشد ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں۔ یہ میئر کا مشورہ تھا۔ جو میں نے قبول کرنے سے احتراز کیا۔

تھوڑی دیر بعد جب ہم باہر نکلے تو برفباری شروع تھی بلکہ اسکی دبیز تہہ سفیدی کی مانند ہر نظر آنے والی چیز کو ڈھانپے ہوئی تھی۔ زیر زمین سٹیشن عزیز صاحب کے گھر کے قریب ہی ہے۔ گلی کی نکڑ مڑتے ہی داہنے ہاتھ چند دکانیں چھوڑ کر زیر زمین راستہ سٹیشن کی نشاندہی کر رہا تھا۔

برف صاف کرنے والی مشین مستعدی سے ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ ٹکٹ لینے کے لیے مشین بھی تھی اور عملہ بھی موجود تھا۔ پلیٹ فارم کو جانے والا راستہ آہنی سلاخوں سے بند کیا گیا تھا۔ اپ اور ڈاؤن ٹرین کا انتخاب منزل کے حساب سے آپکو خود کرنا ہوگا۔ گاڑیاں ایکسپریس بھی ہیں اور آہستہ رفتار سے جانے والی پسنجر ٹرین بھی۔ عملے کا ایک فرد گاڑی کے درمیان سے مسافروں کی گاڑی سے اترنے اور چڑھنے کی رفتار کا تعین کر کے گاڑی چلنے کا اہتمام کرتا ہے۔ دروازے الیکٹرانک ہوتے ہیں، ان سے دوری مسافروں کے اپنے مفاد میں ہوتی ہے۔

ہفتے کا دن تھا، ابھی مخلوق خدا آرام کی حالت میں تھی ویسے بھی برف باری گھر سے دیکھنے میں شاید عافیت بھی ہے۔ ہماری منزل مجسمہء آزادی تھی۔ ہم نے راستے میں گاڑی تبدیل کی۔ منزل پر پہنچ کر گاڑی رک گئی۔ مسافر اترنے لگے۔ پلیٹ فارم سے باہر نکل کر ہمیں فیری پکڑنا تھی جو STATEN کے جزیرے تک جاتی ہے۔ برف باری زوروں پر تھی۔ فیری کے بھونپو کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ یہاں فلم بنانے کی اجازت نہ تھی۔ میں چلتے چلتے جہاز کے بالکل سامنے والے حصے میں پہنچ گیا۔ برف اور پھر ٹھنڈی ہوا، مگر میں بھی کسی سے کم نہیں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ساتھ ایک جوڑا بھی آ کھڑا ہوا۔ دونوں انگلستان سے بغرض سیاحت امریکہ وارد ہوئے تھے۔

مجسمہ آزادی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر چیز دھند میں ڈھکی ہوئی تھی۔ پانی میں برف کے منجمد ٹکڑے تیر رہے تھے۔ یکا یک سبز پتھر کا مجسمہ آزادی نظر آنے لگا۔ یہ مجسمہ دھند میں ڈھکا ہوا تھا، مگر

تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

اور پھر ہماری تو لمبی رقم لگی ہوئی تھی۔ یہ مجسمہ میری ناقص معلومات کے مطابق اہل فرانس نے اہل امریکہ کو انگریزوں سے نجات حاصل کرنے پر بطور خاص بھجوایا۔ اب دیکھیے ناں فرانس والے تو آپ کے پڑوسی ہوئے مگر پینگیں اسوقت سے امریکیوں سے بڑھا رہے ہیں۔ بھلا کوئی بات ہوئی۔

دونوں انگریز مرد و زن مجھے گھورنے لگے کہ میں کون سا بدلہ اتار رہا ہوں، وہ بھی امریکہ میں۔ بیوی تو ہنس دی مگر میاں نے کہا بات تو سچ ہے ( مگر بات ہے رسوائی کی)۔ آپ کے کیا تاثرات ہیں، اگر آج بھی ملکہ معظمہ یہاں کی حکمران ہوتیں۔ مجھے نہ جانے کیوں انگریزی جرنیل BURGOYNE یاد آیا۔ جو برنارڈ شاہ کے ڈرامے DEVIL'S DISCIPLE میں ہتھیار پھینکنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ لندن کے وار آفس اور حکام کی بے حسی پر وہ کرتا بھی اور کیا۔ اسکا سٹاف افسر میجر SWINDON کہتا ہے تاریخ کیا کہے گی اگر ہم نے ہتھیار پھینک دیئے، تو جرنیل جواب دیتا ہے' تاریخ حسب روایت جھوٹ بولے گی۔ دونوں سیاح لاجواب سے ہو گئے تھے

فیری منزل پر پہنچ چکی تھی، ہم فوراً ہی دوسری فیری سے واپس آئے اور ٹیوب میں بیٹھ کر نیچرل ہسٹری میوزیم کا رخ کیا۔ سٹیشن سے عجائب گھر کو جانے والا راستہ بعض نامعلوم وجوہات کی بناء پر سیاحوں کی قدم بوسی سے انکاری تھا۔ اب اس میں داخلے کے لیے سٹیشن سے باہر جا کر برف سے مقابلہ کرتے ہوئے استقبالیہ سے اندر جایا جا سکتا تھا۔

ہم نے ایسا ہی کیا۔ برف گھٹنے گھٹنے پڑ چکی تھی اور اس کے رکنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا سیاحوں کی ایک تعداد عجائب گھر میں موجود تھی۔ ٹکٹ لیکر ڈائینا سور گیلری کا رخ کیا۔ یہ عجائب گھر اور ان میں موجود معلومات کا احاطہ مختصر مدت میں ممکن نہیں۔ ایک کونے

میں دریافت شدہ جانوروں کی ہڈیوں' آلات اور محققین سے متعلقہ معلومات ساؤنڈ اور میوزک شو کی صورت میں دکھائی جارہی تھیں۔

اس گیلری کے بعد ہم اس منزل پر تھے جو امریکہ کی دریافت سے قبل تھا۔ ریڈ انڈین بندوقوں کا سامنا کررہے تھے۔ یہ امریکہ کی گم شدہ میراث ہے۔ نقلی ٹانگ والا عسکری حلیے میں قزاق نفرت آمیز نگاہوں سے مقامی باشندوں سے ہتھیار ڈلوا رہا ہے۔

ایک گیلری میں سمندری حیات سے متعلقہ معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔ میوزیم سے باہر نکلے تو اندھیرا چھا رہا تھا۔ فٹ پاتھ اور دیواروں کا فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے راستہ بناتے ہوئے زیر زمین سٹیشن پر پہنچے۔ اب ہماری منزل Queen Sheba ریستوران تھا۔ نہ جانے اس کو ملکہ بلقیس سے کیا نسبت ہے میں نے سوچا۔ ہوٹل میں حلال کھانا ملتا ہے اور یمن سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب اس کے مالک ہیں۔

برف میں ہزار دقت سے راستہ بناتے ہوئے بلکہ لڑھکتے ہوئے ہوٹل کے صدر دروازے تک پہنچے۔ گرم گرم یخنی پی کر جان میں جان آئی۔ کھانا کھانے کے بعد عربی قہوہ دو بار پیا۔ مالک نے پاکستانی چائے کا ایک معروف ڈبہ دکھایا اور مجھے وطن یاد آنے لگا۔

برفانی طوفان نے روزمرہ معمولات الٹ پلٹ دیئے تھے۔ بوسٹن میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی تھی۔ اگلے روز جب ہم Grey Hound کے اڈے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ بس سروس تا اعلان ثانی معطل ہے۔ 142 سٹریٹ کے سٹیشن کے ساتھ پورٹ اتھارٹی کا سٹاپ ہے۔ وہاں سے آگے چند بلاک جائیں تو Pennsylvania اسٹیشن آتا ہے۔ ریل گاڑیوں کی آمد و رفت بھی تعطل کا شکار تھی۔

ہم واپس پلٹ آئے۔ بوسٹن واپسی کی کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی۔ بعد از دوپہر صبح والی مشق دوبارہ دہرائی گئی مگر حالات بدستور وہی تھے۔ نہ تو بس مل رہی تھی نہ ریلوے گاڑی کے کچھ حالات بہتر نظر آ رہے تھے۔ میں ایک بار پھر لمبی قطار عبور کر کے ٹکٹ گھر کے سامنے موجود تھا۔ اگر آپ چاہیں تو میں رات دو بجے کی گاڑی میں کلب کلاس جسے Celia کلاس کہا جاتا ہے کی ٹکٹ دے سکتی ہوں، اسکے لیے 89 ڈالر ہوں گے۔ یاد رہے کہ یہ آخری ٹکٹ ہے۔

کھڑکی کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی بکنگ کلرک نے جواب دیا۔ میں نے کچھ بھی سوچے بغیر رقم ادا کی اور ٹکٹ لے لیا۔ میرا صبح کلاس روم میں پہنچنا بہت ضروری ہے۔ اب میں فکرمند ہو رہا تھا۔

میری فکر میرے کس کام کی، میں نے سوچا۔ سامان اٹھایا اور مسافروں کے لیے مخصوص جگہ جا پہنچا۔ یہاں داخلے کے لیے ٹکٹ دکھانا ضروری ہے۔

مسافر ادھر ادھر جا رہے تھے۔ گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ میں نے نہ جانے کیوں سامنے بورڈ پر جا کر گاڑیوں کی آمد و رفت کا جائزہ لیا۔ گاڑیاں تاخیر سے آ جا رہی تھیں۔

واشنگٹن سے آنے والی گاڑی جو بوسٹن جانے والی تھی لیٹ تھی اور گھنٹہ بھر میں آنے والی تھی۔ پاکستانی اسٹائل۔ صبح دو بجے والی گاڑی کا تو خدا معلوم کیا معاملہ ہو۔ اس گاڑی میں قسمت آزمانے میں کیا مضائقہ ہے میں نے سوچا اور پھر اسکا مصمم ارادہ کر لیا۔ ادھر اس گاڑی کی آمد کا اعلان ہوا نہ جانے کہاں سے ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا اور متذکرہ پلیٹ فارم کا رُخ کرنے لگا۔

پلیٹ فارم تک جانے میں زینے بھی تھے۔ مگر سب مہذب لوگ پروا کیے بغیر اُمڈ پڑے۔ اس سیل رواں میں' میں بھی شامل تھا۔ گاڑی آتے ہی لوگ اس پر پل پڑے اور Pennsylvania سٹیشن کراچی سٹی یا کینٹ سٹیشن کا منظر پیش کرنے لگا۔ جس ڈبے میں جاؤ لوگ موجود۔ آخر ایک نشست نظر آئی اور میں نے جھٹ اپنا سامان اوپر رکھا اور سیٹ پر نیم دراز ہو گیا۔ کیا آپ کے ساتھ والی سیٹ خالی ہے۔ ایک صاحب مجھ سے مخاطب تھے۔ جی ہاں۔ وہ ساتھ والی نشست پر فوراً قابض ہو گئے۔

شکر ہے جگہ ملی، اپنے آپ سے مخاطب تھے۔ کم بخت طوفان نے ویک اینڈ ہی خراب کرنا تھا۔ بولے خود کلامی جاری تھی۔ امریکی ٹرین Amtrack اپنی سروس کے لحاظ سے بہترین سروس مہیا کرتی ہے۔ اب تو غیر معمولی حالات میں حضرات ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ ہجوم تھا جو گھروں کو لوٹنے کو بے تاب تھا۔

گاڑی نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کیا۔ احتیاط لازم ہے۔ رفتار معقول حد تک تھی۔ گاڑی سٹیشن کی حدود سے نکلی ہی تھی کہ دونوں طرف برف نظر آنی شروع ہوئی۔ گھروں پر،

سڑکوں پر، ہر طرف سفیدی ہی دکھائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ٹکٹ چیکر اور گارڈ کے فرائض سرانجام دینے والی واحد خاتون دکھائی دی۔ اسکو دیکھ کر میں ایسے گھبرایا جیسے میں کوئی بغیر ٹکٹ سفر کرنے والا مسافر ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میری باری تھی۔ میرا ٹکٹ دیکھ کر بولی، سر آپ کو تو Celia کلاس میں ہونا چاہیے مگر خاطر جمع رکھیے وہاں تل دھرنے کو جگہ نہیں۔

میں نے غنیمت جانی کہ اس گاڑی میں سینگ سمائے بوسٹن پہنچیں اور مبادا کلاس میں کہیں لیٹ نہ ہو جاؤں کا احساس تھا خاتون نے ٹکٹ کی ایک پرت سیٹ کے سامنے لگا دی۔ دور سے نظر آئے گا کہ ٹکٹ کی پڑتال ہو چکی ہے۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی ایک اجاڑ سے اسٹیشن پر رک گئی۔ معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔ چند لمحوں بعد ڈرائیور کی آواز پبلک ایڈریس سسٹم پر گونجنے لگی۔ ہم معذرت خواہ ہیں کہ گاڑی غلط ٹریک پر آ گئی ہے۔ اب ہمیں واپس جانا ہوگا۔ گاڑی محتاط رفتار سے واپس سرکنے لگی۔ یہ بڑا صبر آزما لمحہ تھا۔ آخر پچھلے اسٹیشن پر پہنچے کے بعد گاڑی درست لائن پر آئی اور اب سفر دوبارہ سیدھی سمت میں ہونے لگا۔ اگلا اسٹیشن New Haven کا تھا۔ مسافر پھرتی سے اترنے لگے۔ خوش نصیب ہیں جلد ہی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ گھر جائیں گے۔ کھانا کھائیں گے' آرام کریں گے۔ مجھے سوچ کر ہنسی آ گئی۔ کتنی بچگانہ سوچ ہے اپنے آپ پر پیار آنے لگا۔

جب کافی دیر ہو گئی تو ڈرائیور کی آواز دوبارہ گونجی، ہماری کنڈیکٹر گارڈ اپنی منزل پر اتر گئی ہے۔ ہم بغیر کنڈیکٹر گارڈ کے ہیں۔ Reliever ابھی تک نہیں آیا لہذا ہم مزید سفر کرنے سے معذور ہیں۔ کنڈیکٹر گارڈ کے بغیر سفر کرنے کے ہم مجاز نہیں، یہ قانون ہے۔

ہو چکا سفر۔ میں اٹھ کر ہنسنے لگا۔ دروازے سے باہر اتر آیا۔ یہ پلیٹ فارم بھی ہمارے ہاں کے پلیٹ فارم کی طرح تھا مگر نہ ٹھیلے، نہ قلی، نہ رونق' عجیب سا سپاٹ سا۔ رات کے اندھیرے میں سنسان لگ رہا تھا۔ بلو کے گھر جانا کونسا آسان ہے۔

میری طرح ایک اور مسافر بھی گاڑی سے اتر آیا تھا۔ مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ برے پھنسے، بولا۔ انتظار کریں، میں نے جواب دیا۔ محمود سلیم صاحب اچانک کہیں سے آ نمودار ہوئے۔ اجی آپ کہاں! میں نے پوچھا۔ میں بھی واشنگٹن سے آ رہا ہوں۔ فضائی سروس بھی

منقطع ہے۔محمود سلیم بھی ہارورڈ پہنچنے کیلئے بے تاب تھے۔

آخر کنڈیکر گارڈ فراہم ہوا۔ گاڑی چل پڑی۔ ساتھ والی سیٹ پر ایک جوڑا ایک دوسرے کی گود میں گھسنے میں مشغول تھا۔گاڑی چلتی رہی رکتی رہی۔آخر بوسٹن کے نواح میں پہنچ گئے۔سامنے جیلٹ بلیڈ فیکٹری نظر آرہی تھی۔ہم بوسٹن پہنچ چکے تھے،صبح کے پانچ بج رہے تھے ،سفر سات گھنٹے میں طے ہوا تھا۔اس وقت اسٹیشن پر کوئی ٹیکسی موجود نہ تھی۔فوراً انڈر گراؤنڈ اسٹیشن پہنچے اور دو گاڑیاں تبدیل کر کے ہارورڈ اسٹیشن پہنچ گئے۔ برف کے انبار ہر طرف نظر آرہے تھے۔غنیمت کہ یہ ٹیکسی مل گئی۔ پندرہ منٹ بعد ہم واپس پہنچ چکے تھے۔زندگی کا ایک نا قابل فراموش سفر اختتام پذیر ہو رہا تھا۔

لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔

عشاق کے عزم کی داد دیجیے۔بوسٹن میں ہنگامی حالت نافذ تھی۔جے ایف کے سکول آف گورنمنٹ بھی بند تھا۔مگر ہمارے لیے چھٹی نہ تھی۔ Dunkin Donuts, Cathy سے کافی اور ڈونٹ لے آئی تھی۔عجیب پھیکے روکھے اور بدذائقہ۔یہ ہمارا ناشتہ تھا۔ریستوران بند تھا۔مجھے جلیبیاں یاد آنے لگیں، گرم گرم،تازہ اور رسیلی۔نہ جانے کیوں۔

دوپہر کو قرب وجوار میں واقع ہندوستانی ریستوران بمبئے کلب میں کھانے کا انتظام تھا۔ جملہ منتظمین انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔کھانے میں ہندوستانی کھانے بگھارے بینگن،دال اور نہ جانے کیا کچھ۔

چند لوگ حلال وحرام پر بحث کرنے لگے۔خان صاحب نے لسی کا آرڈر دیا۔اس سردی میں لسی نہ جانے کیوں میں پریشان سا ہو گیا۔ایک دیوار پر بت اور دیومالائی کہانیوں کے کردار کندہ تھے۔ایک کونے میں دیوی جی اینٹھ رہی تھیں۔بڑی بڑی آنکھوں والی من موہنی سی، جیسے کرشن مہاراج کی داسی ہو۔آخر دن تمام ہوا اور میں نے بستر دیکھ کر فوراً اس میں گھسنے لگی کی۔آج BOB نے ہمیں نزدیکی اسٹور میں لے جانے کا جھانسا دیا۔میری اسٹور والوں سے کوئی رشتہ داری نہیں۔اگر برف سے بچاؤ اور موسمی اثرات سے بچنے کیلئے مقامی ملبوسات و پارچات درکار ہوں تو آیئے میں بھی جملہ شوقین حضرات میں شامل ہو گیا۔

مہنگے ملبوسات بکنے کے لیے موجود تھے۔ مجھے تو بالکل پسند نہ آئے۔ ایک صاحب بچوں کے لیے خرید رہے تھے۔ ہارورڈ آئیس اور اپنے لیے اور عزیزوں کے لئے تحائف نہ خریدیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ہارورڈ سٹور پر عمدہ اشیاء رکھی تھیں۔ سب نے جی بھر کر خریداری کی۔ نہ جانے کیوں میری رگ ظرافت بے وقت پھڑکنے لگی ایک فربہ خاتون کو دیکھ کر، میں نے بھی حال احوال پوچھا تو موصوفہ کو ہنسی آ گئی۔ یہ عقدہ بعد میں کھلا کہ وہ ہارورڈ اسٹور کی کرتا دھرتا ہی تو تھیں۔

خالد کا فون آیا اور ہم ان کی گاڑی میں موجود تھے۔ ایک معروف سٹور پر پہنچ گئے۔ آج میں نے ہیٹ خریدنا تھا۔ ہیٹ ہمارے ہاں نہ جانے کیوں ناپید ہو گئے ہیں۔ ایک زمانے میں لوگ سولا ہیٹ پہنتے تھے۔ یہ گرمی کے موسم میں خوب کام آتے اور بہار دکھاتے تھے۔ دھوپ سے بچاؤ خاص طور پر کندھوں اور اعصاب کو دھوپ سے بچاتے تھے۔

کافی چھان پھٹک اور جستجو کے بعد میں نے ایک ہیٹ خرید لیا۔ پیسے دیئے اور ہیٹ اٹھا کر واپس نکل آیا۔ اگلی صبح میں نے تیار ہو کر ہیٹ سر پر جمایا اور کلاس کا رخ کیا۔ میرے ہم جماعت جملہ اعلیٰ افسران شٹل بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ میرے ہیٹ سے بہت محظوظ ہوئے۔ طرح طرح کے تبصرے کرنے لگے۔ چند ایک نے جائز طور پر داد بھی دی۔ کیا خبر کچھ جل بھی گئے ہوں۔

واہ آپ نے تو امریکیوں کو بھی شرمندہ کر دیا ہے۔ یہ راجہ شاہد تھے۔ چائے کے وقفہ کے دوران ایک صاحب نے تو بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ اجی یہ تو بتایئے کہ آپ نے یہ ہیٹ کہاں سے لیا ہے۔ بڑا عمدہ ہے۔ کتنے پیسے لگے۔

شاید یہ میری کوشش ہیٹ رائج کرنے میں معاون ثابت ہو میں نے برجستہ مزاح کے طور پر کہا۔ خسرو پرویز کا خیال تھا اس ہیٹ کا فن جادوگری سے بھی کوئی تعلق ہے۔ جی ہاں ابھی میں جادو کی چھڑی گھماؤں گا تو اس ہیٹ میں سے خرگوش برآمد ہوگا۔ یہ ظرافت سب کو بھائی۔ کلاس میں قہقہے گونجنے لگے۔ آج یہ تاریخی ہیٹ ہماری وارڈروب میں لفافے میں ملفوف ہماری حس مزاح پر شرمندہ سا ہے۔

میں کنوں آکھاں دردو چھوڑے دا حال نی

رات کھانے پر لیکچر ہوگا۔ Bob نے بتایا۔ آج کے سپیکر ایک نوجوان مقرر تھے۔ یہ بعد میں پتا چلا کہ انکی والدہ ماجدہ سینئر استاد ہیں۔ ہر کسی کے اپنے خیالات ہیں۔ انکے کاروباری خیالات سے میں متفق نہیں ہوا۔ باہر بارش کی بوندیں شیشے کی چھت پر پڑ رہی تھیں۔ یہ مقرر اقرباء پروری کے شاخسانے میں ہم لوگوں پر مشق فرما رہے تھے۔

عید قربان کی آمد آمد تھی۔ یہ عید وطن سے بہت دور آ رہی تھی۔ کیا کیجیے مجبوری ہے۔ پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ ایک گروہ نے اعلان کیا کہ عید فلاں دن ہے مگر قرب و جوار اور FRAMINGMAM کے جملہ مسلمین متفق نہ ہوئے اور انہوں نے عید اگلے روز منانے کا اعلان کر دیا۔ مگر ہم علمائے حق کے مقابلے میں خود کفیل تھے۔ ایوب شیخ صاحب اور ٹیپو مہابت نے پہلے دن والی عید کو مستند قرار دے دیا۔

عید کی نماز ہارورڈ یارڈ میں ادا کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ مگر عین اس وقت لیکچر اور دیگر تعلیمی مصروفیت بھی برقرار تھیں۔ ارباب جامعہ ہارورڈ کی یہ دوعملی عجیب تھی۔

میرے جیسے کمزور اہل ایمان کلاس میں موجود رہے اور دیگر اصحاب ایمان نہا دھو کر عرقیات وخس میں تر بتر ہو کر نماز ادا کر آئے۔

Bob مجھے اس دن جابر حاکم نظر آیا بلکہ میں تو اسے انکل سام کا پرتو سمجھنے لگا۔ ایسے میں ہمارے چلبلے کلکٹر کسٹم کب نچلے بیٹھتے کلاس میں اعلان بانگ دہل کر دیا I want to slaughter animal۔ یہ اعلان سن کر Cathy تو سہم سی گئی۔ یہ عید ضیافت کے بغیر ہی گزر گئی۔ نہ تو بھنی ہوئی کلیجی کھائی نہ ہی قربانی کا گوشت۔ سارا مزا کرکرا سا ہو گیا۔

عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے۔

یونیورسٹی سے واپسی پر میں ایک سمت کو نکل پڑا۔ دن کے وقت میکدہ خاموش تھا۔ اسکے باہر ہجوم نوجواں مہ کشاں موجود نہ تھا۔ وہ منظر نامہ آخر شب پھر سر شام کہاں Tamarind Inn کا بڑا شہرہ تھا۔ چلو آج ان سے نبڑتے ہیں۔

میں نے دل میں سوچا۔ بغلی گلی میں زیر زمین 'املی سرائے' واقع تھی۔ میں سیڑھیوں پر

سے پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا اترا۔ حالات تو ایسے تھے جیسے مشکوک مقامات کے ہوتے ہیں۔ میزوں پر 'Reserved' کی پلیٹ لگی تھیں۔ ایک میز پر میں بھی موقع غنیمت جان کر اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

ایک طرف دو امریکی چٹخارے دار کھانے کے منتظر تھے۔ ایک دیسی بابو نے مجھے بھی بر زبان انگریزی صلح ماری اور مینو کارڈ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے محفوظ سا آرڈر کیا۔ یہ ڈش ہماری خاص ہے۔ آپ ماس کھاتے ہیں۔ یہ ویٹر مجھ سے مخاطب تھا۔

دائیں جانب پردہ لٹک رہا تھا۔ اس کے عقب میں راستہ مبطغ کو جاتا تھا۔ ساڑھی میں ملبوس ادھیڑ عمر شریمتی جی رنگے سیاہ بالوں، چمکیلی سیاہ رنگت اور ماتھے پر بندیا لگائے خاموشی سے گاہکوں کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک انہوں نے دہی میں پانی ملایا اور سر کے کے قطرے اس میں ٹپکا کر بلونے لگیں۔ چلیے جی یہ پینے والا تو بن پیے ہی بہک جائے گا۔ انہوں نے عجیب مرکبات وہاں سجا رکھے تھے۔ مارواڑیوں کی یہ دکانداری مجھے نہ بھائی۔

سامنے میز پر دو خواتین چڑھتی جوانی میں، وہ بھی امریکہ میں بیٹھی اینٹھ رہی تھیں۔ دونوں ہندوستانی تھیں۔ مجھے ان کی گفتگو سننے کا اشتیاق نہ تھا مگر پھر بھی ان کے مکالمہ جات میری سماعت سے ٹکرا رہے تھے۔ ایک کنیا پریشانی کی حالت میں تھی۔ اضطراب دیدنی تھا۔ "سمسیاء" گھمبیر معلوم ہوئی ہے، میں نے گمان کیا۔ آخر میرا انتظامی تجربہ میرے کام آیا۔ میں معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ موصوفہ حالت عشق میں تھیں۔ اور معاشقہ بھی مقامی تھا۔ مگر ماتا پتا ان کا پتا کاٹنے میں مصروف تھے اور ممبئی سے داماد امریکہ اسمگل کرنا چاہتے تھے کہ گھر کی بات گھر میں رہے۔

دوسری راز دان اپنی دانست میں اسے سمجھا رہی تھی۔ میرا کھانا آچکا تھا۔ املی اور پودینے کی چٹنی بونس میں ملی تھی۔ لڑکیاں کھانا کھاتے کھاتے ادھر بھی نظر التفات ڈال رہی تھیں۔ درست ہے ہمارے تعلقات آج کل پڑوسیوں سے اچھے ہیں مگر ایسی بھی کیا عجلت۔ اب گفتگو کھانوں کی ہو رہی تھی۔ مہاراشٹر کے کھانوں کی تعریف اور پنجاب کے کھانوں کی بدخوئی مجھے یہ بات بالکل نہ بھائی۔ یہ تو غنیمت تھی کہ قریب کوئی ببر خالصہ موجود نہ تھا۔

ٹیپو کو مہمان ملنے آئے تھے۔ یہ خائستہ خان ہیں بزنس کرتے ہیں "جوڑ تگڑا" میری پشتو

ان کو نہ بھائی۔ان کی مقامی گفتگو امریکہ میں وطن کی یاد دلانے لگی۔میں کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔سامنے سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔عقب میں دریائے چارلس ساکت کھڑا تھا۔ برف اس کی بیرونی تہوں پر جم چکی تھی۔ میں نے تازہ ہوا میں سانس لینے کیلئے پھیپڑے پھلائے۔چلئے تھوڑی امریکہ کی ہوا ہمیں بھی لگے۔ویسے بھی ماڈرن اور روشن خیال بننے میں کیا مضائقہ ہے۔کمرے میں ضخیم کیس اسٹڈی ہماری منتظر تھی۔

آپ تو بہت جلد جاگ جاتے ہیں ٹیپو معترض تھا۔اس میں بڑی حکمت ہے، میں صبح بیدار ہو جاتا ہوں، سیر ہو جاتی ہے۔میں نے جواب دیا۔عبدالرؤف چوہدری اور گورایہ صاحب بھی سحر خیز ہیں۔ویسے آپ جیسے عابد شب بیدار کو صبح جلدی تیار ہونے کی ضرورت نہیں۔

ماریا کولمبیا سے آئی ہے اور امریکہ کی ہی ہو گئی ہے۔امریکہ نے تو بہت سوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے، کسی ایک کا کیا ذکر۔یونیورسٹی اب کھل چکی تھی۔انڈر گریجوایٹس ہی تو ہارورڈ کی رونق ہیں۔مگر یہ میل ملاقات کے طور اطوار انہی کا خاصہ ہیں۔مشرق اور مغرب کا یہ بعد ایک حقیقت ہے۔روشن خیالی اپنی جگہ مگر ہر چیز ایک حد تک ہی بھلی لگتی ہے۔معاشروں کا دہرا معیار ادھر بھی ہے ادھر بھی۔کہو کچھ کرنا کچھ۔مگر آپ کو تردد کی ضرورت نہیں یہ جن کا مسئلہ ہے وہ جانیں۔

ہارورڈ میں پاکستانی طالب علموں کی بھی انجمن ہے۔اس میں شامل ہونہار طالب علم حصول تعلیم میں مصروف ہیں۔ایک بھلا سا نوجوان آتے جاتے نظر آتا تھا۔والد صاحب نے انہیں رحیم یار خان سے بھیجا ہے۔اس انجمن کے اراکین نے ایک استقبالیہ ترتیب دیا۔ Barry Hoffman بھی موجود تھے۔گفتگو کا محور ایٹمی مواد کی ترسیل اور نکاسی رہا۔قونصل جنرل کا کہنا تھا لوگ یہاں مشکل سے قائل ہوتے ہیں۔چند خواتین حجاب اوڑھے ہوئے تھیں۔یونیورسٹی کے عملے اور فیکلٹی میں یہودی بھی ہیں۔جے ایف کے سکول کے پاس ہی ایک عمارت ہے۔ جہاں یہودی طلباء کی اپنی انجمن ہے، اس کی مہتمم Annette Ezekeil ہیں۔یہ یہودی خاتون کراچی میں پیدا ہوئی تھیں۔نسلی اور مذہبی منافرت مختلف اشکال میں موجود ہے۔یہودی طلباء میں چند ایک اپنی مخصوص ٹوپی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔

جان تھامس بھلے آدمی ہیں۔تازہ مسکراہٹ انکا امتیازی نشان ہے۔1960ء کی دہائی میں پاکستان میں رہ چکے ہیں۔السلام وعلیکم سے گفتگو کا آغاز کرتے۔عید کے دن سب کو عید کی مبارک دے رہے تھے۔چترالی ٹوپی اور پٹی کی واسکٹ پہن کر آئے۔کہنے لگے آج راستے میں ایک عورت نے مجھے گھیر لیا اور کہا کہ تم شکل اور حلیے سے طالبان لگتے ہو۔بڑی مشکل سے خاتون کو قائل کیا کہ وہ ہارورڈ کے پروفیسر ہیں۔آخری لمحہ لیکچر کے وقت کہنے لگے آج میں اداس ہوں کہ آپ لوگوں سے رابطہ ختم ہو رہا ہے۔سوال و جواب لیکچر کے بعد حسب معمول ہونے لگے۔ میں نے کہا آپ نے جو کہا ہم نے سنا۔جو پڑھایا یا پڑھ لیا' سمجھ لیا، ہم آپ کو نہ بھلا پائیں گے۔ We love you John Thomas تالیاں میرے جذبات کی تائید کر رہی تھیں۔

باایں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ما پرسانید ہر کجا ہستند

ہفتہ اختتام کو پہنچ رہا تھا۔جمعہ کو کلاس ساڑھے بارہ بجے ختم ہو جاتی گویا آدھی چھٹی ساری' بخدا کیفیت وہی تھی جب ہم واقعی عالم لڑکپن میں سکول جاتے تھے۔وہ سہانے دن نہ جانے کہاں گئے۔اب تو غم روزگار غم زیست اور غم جاناں کم کم ہے۔

اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا

میں صبح ہی سے تیاری کر کے آیا تھا۔ورکنگ لنچ کیا تھا۔ایک بغیر ذائقہ کے سینڈوچ، جو کہنے کو تو Tuna مچھلی سے نسبت رکھتا تھا مگر ذائقے اور تاثیر میں ہرگز کہیں نہیں ہے، کی تفسیر تھا۔پھلوں میں سبزی مائل کیلا جس نے زیست کی بہار ہنوز دیکھی نہ تھی۔اگر اسکو ابال لیا جائے یا فرائی کر لیا جائے اور اس پر شکر یا شہد کا محلول ایک آمیزے کی شکل میں ڈال دیا جائے تو کھایا جا سکتا ہے۔اس طرح کے تجرباتی کھانے ٹی وی پر ناظرین کو رغبت دلانے کی خاطر دکھائے جاتے ہیں۔

ہارورڈ اسکوائر کے زیر زمین اسٹیشن پر اس وقت خوب رش ہوتا تھا۔ہم ڈاؤن ٹاؤن اسٹیشن سے مزید گاڑی تبدیل کر کے گرے ہاؤنڈ کے بس اسٹیشن پر موجود تھے۔گرے ہاؤنڈ بسیں امریکہ میں گھومنے پھرنے کا ایک معقول ذریعہ ہیں اپنی حیثیت میں جدا۔ایک تازی کتا تا تواں

جسم کے ساتھ نا معلوم اطراف میں لپکتا ہوا بسوں کی بیرونی دیوار پر بنا ہوتا ہے۔ کیا بہتر نہ ہوتا اسکو کسی بلبل بیقرار سے نسبت ہوتی یا کسی نا معلوم پرندے سے تعلق ہوتا۔ مگر کتوں کی ایک اپنی توقیر ہے وفاداری کے حوالے سے۔ میرے ساتھ بس میں بابر، محمود سلیم نغمی سیٹھی، ہوتیانہ سب سوار تھے۔ شوق کتب بینی سے سرشار نغمی نے آئندہ ہفتہ کا نصابی مواد پڑھنا شروع کیا۔ مگر دیگر خربوزوں نے رنگ نہ پکڑا۔ سب نیویارک عازم سفر تھے مگر آگے منزل الگ الگ تھی۔ شاید کچھ نا معلوم منزلوں کے راہی تھے۔ امریکی جوسکہ بند مسافر تھے۔ خاموش سفر کر رہے تھے۔ یا شاید ہلکی سی کھسر پھسر معاشرتی تقاضوں اور ضروریات سے ہم آہنگ، مگر ہم سے کب صبر ہوتا۔

اکٹھی منزل سے مجھے وہ پٹھان ٹرک ڈرائیور یاد آئے جو مجال ہے وطن میں کسی شاہراہ پر راستہ دے دیں۔ ٹرک کے عقب میں پشتو میں لکھ چھوڑتے ہیں منزل تو ہم دونوں کی ایک ہے خو سفر جدا جدا۔

نغمی کے لطیفوں نے سفر آسان کر دیا۔ ایک لطیفہ بودا سا نکلا۔ اس پر میں نے کہا، اس پر گدگدی کرنے سے ہی ہنسا جا سکتا ہے۔ جملہ حاضرین شاید اس سے محظوظ بھی ہوئے ہوں گے۔

Connecticut کے قریب ایک کارخانے سے مضر رساں دھویں کے اخراج پر تعجب ہوا۔ احباب دانش کا خیال تھا یہ یقیناً ماحول دوست دھواں ہے وگرنہ شاید چمنی سے اخراج نہ ہوتا۔ بس Roy Rogers کے سٹاپ پر رک گئی۔ یہ New Haven تھا۔

سڑکوں پر ٹریفک بڑھنے لگی تھی۔ نیویارک میں 42nd سٹریٹ پر واقع بس اسٹیشن تک پہنچنے کے لیے وقت درکار تھا۔ بس آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ مجھے یہاں سے ٹیوب کے ذریعہ عزیز صاحب کے گھر پہنچنا تھا۔ ٹکٹ مشین دینے سے معذور نظر آ رہی تھی۔ اس پر نوٹس لگا تھا۔ No bills

میں نے اگلی مشین پر قسمت آزمانے کی ٹھانی۔ ٹکٹ برآمد ہوا۔ اب پلیٹ فارم پر لگے معلوماتی نقشے کی مدد سے مجھے مطلوبہ گاڑی اور پلیٹ فارم کا انتخاب کرنا تھا۔ یہ بھی ایک کیس اسٹڈی سے کم نہیں۔ ادھر آپ گاڑی میں سوار ہوئے اور ادھر آپ کے لیے نیا مسئلہ شروع۔

میں اسٹیشن پر کھڑا گاڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ مسافروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر گاڑی آ گئی۔ میں بھی داخل ہوا میرے ساتھ ایک سیاہ فام بھی آ کھڑا ہوا، مسلسل بڑ بڑا رہا تھا۔ تم نے میرے پاؤں کو اپنے بوٹ کے نیچے دے دیا۔ ارے بھائی تمہیں غلطی لگی ہے مگر وہ تھا کہ ہر بات کے جواب میں I don't, I don't کہے جا رہا تھا۔ میں نے اسے کہا اچھا تو میاں تم میرے پاؤں کو اپنے جوگرز سے نیچے کچل کر اپنا شوق پورا کر لو۔ وار کارگر ہوا۔ کھسک گیا، میرے ساتھ کھڑی قتالہ میری موافقت میں بولی' بڑا غیر مہذب رویہ تھا۔ اس شخص کا' وہ چاہ رہا تھا تم کچھ ڈالر اسکو بخشیش دے دو تو مے خانے میں شام اچھی گزر جائے گی۔

ایک ذات شریف کانوں میں واک مین لگائے گانے کی دھنوں پر مسلسل سر دھن رہے تھے، اس بات سے بے نیاز کہ سر نیاز غلطی سے آہنی ڈنڈے سے جا لگا تو جملہ چودہ طبق روشن کیا منور ہو جائیں گے۔ مادی معاشرے کے شاہکار اپنی ذات میں گم تھے۔ اپنی ناک اور ذات سے آگے کچھ دیکھنے سے معذور۔

میری منزل آ چکی تھی۔ عزیز بھائی منتظر تھے۔ تھوڑی دیر میں مجھے دوبارہ Booklyn کے لیے نکلنا تھا۔ جہاں ضیافت میری منتظر تھی۔ عزیز صاحب اور میں دوبارہ اسٹیشن پر تھے۔ 42nd سٹریٹ سے ہم بروکلین والی گاڑی میں سوار تھے۔ منزل آخری سٹاپ تھا۔ یہ ایکسپریس ٹرین نئی تھی اور کمپیوٹر کی مدد سے آنے والے اسٹیشن اور متوقع وقت سے آگاہ کر رہی تھی۔ ایک گھنٹہ بعد ہم اسٹیشن پر تھے۔ امانت صاحب ریڈیالوجسٹ ہیں اور مقامی ہسپتال میں میڈیکل ڈائریکٹر ہیں نیک اور خوش خو' بیگم صاحبہ خود اسٹیٹ ایڈوائزر ہیں اور پاکستانی کمیونٹی کی دیکھ بھال میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہیں۔

کھانا کھانے کے دوران اور بعد میں بھی جملہ سوالات، پاکستان کے مسائل اور سرکاری اہلکاران کے رویے پر بحث ہونے لگی۔ اب تو عادت ہو گئی ہے۔ تلخ و شیریں بات سننے اور برداشت کرنے کی۔ میں نہیں سمجھتا ہم لوگ کسی بھی طور کسی سے بھی کم ہیں یا ہم وہ کچھ نہیں کر سکتے جس کی ہم سے توقع کی جاتی ہے۔

رات کو گہری نیند میری منتظر تھی۔ صبح سویرے اٹھ کر میں تیار ہو چکا تھا ہم سب نیا گرا فال دیکھنے جا رہے تھے۔ ناشتے کے بعد اسباب گاڑی میں رکھا اور چل سو چل۔ سامنے سمندر نظر آ رہا تھا۔ اور مجسمۂ آزادی کی جھلک بھی' دھوپ میں نظارہ بہت بہتر تھا۔ ہم نیو یارک سے نکل رہے تھے۔ نیو یارک اسٹیٹ بہت بڑی ہے۔ حدود اربعہ میں خود کفیل' اب ہم دریائے ہڈسن پر سے گزر رہے تھے۔ امریکہ کی لیفٹ ہینڈ ڈرائیو ہمارے لیے شروع شروع میں اچنبھے کی بات لگ رہی تھی۔ رفتار کی پابندی بڑی ضروری ہے۔ یہ پابندی کروائی جاتی ہے۔ فضائی جائزے میں بھی کچھ لوگوں نے اسی Device کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے کہ آپکو راڈار کی موجودگی سے خبر دار کر دے۔

ہم سروس ایریا میں رک گئے۔ بچے کود کر باہر نکل آئے اور بھاگنے دوڑنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے کافی کا گلاس سنبھالا۔ اس یادگار سفر کے لیے اب میں تیار تھا۔ میں سستی یا نیند کی وجہ سے کسی نظارے کو گم نہ کرنا چاہتا تھا جو میرے منتظر تھے۔

سفر دوبارہ جاری تھا Catskill کی مشہور Skating site آگے آ رہی تھی۔ لوگ گاڑیوں پر اوندھے منہ لٹکائی Skating Bars ساتھ لیے محو سفر تھے۔ پھر برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ اور مکان کھیت، سب دائیں بائیں صناعی قدرت کی شہادت دے رہے تھے۔ دائیں جانب بہنے والی جوئے مسلسل آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ برف کے ٹکڑے اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ ابھی اسکو جمنے کیلئے تھوڑی مدت درکار ہے۔

ہرن بھی اکا دکا نظر آ جاتے ہیں۔ سڑک کنارے لگے بورڈ اسکی موجودگی کا اشارہ کر رہے تھے۔ انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس کی موجودگی کتنی ضروری ہے۔ مجھے نورالحق کا کڑا اپنے سیکرٹری آر۔ ٹی۔ اے یاد آئے۔ آتے ہوئے کتنی تاکید فرما رہے تھے۔ سفر لمبا تھا اور خوشگوار بھی۔ یادوں کے دریچے وا ہونے لگے۔ امانت بھائی نے اپنا سفر لاہور سے شروع کیا۔ انگلستان سے ہوتے ہوئے نیو یارک پہنچ چکے تھے جہاں ہوٹل سے انکا تمام اسباب گم ہوا اور جہد مسلسل کا آغاز ہوا۔ سخت محنت کے باعث آج وہ آسودگی سے کاروبار حیات میں مصروف ہیں۔ اچھا گھر جملہ وسائل اس کے بعد امریکہ کی جدید ترین صنعتی ترقی' فن طب میں ریسرچ اور پھر

امیگریشن۔ ہم Syracuse کے نزدیک تھے۔ سڑک کنارے دونوں طرف سروس ایریا تھے۔ ایک عبارت ایک طرف تحریر تھی، جس کے مندرجات کے مطابق

"Onondaga Indians keeper of council fires for the iroquois league, lived here, French soldiers and jesuit missionaries came from Canada in 1654 to seek their friendship. In that year father Simon Lemoyne discovered salt springs in the area. Salt works were set up in 1788. Salt manufacturing flourished till 1860. Salt on tax was state's Chief Revenue. Syracuse is near geographical centre of New York state. China ware, alloy steel, automobiles and automotive gears, airconditioning type writers, chemicals and electronics reflected. Industrial growth of America. First New York State . Fair was held in 1841 in Syracuse, where it has been annual event since 1890. Syracuse was given name Salino due to salt, name salino. Eric Canal, oswegre Canal, connecting Syracuse with Ontamio ushered into area of prosperity water level route and stimulated industrial growth"

امریکہ کی تعمیر میں نہ جانے کتنے محنت کشوں کی محنت اور قربانیاں شامل ہیں۔ سروس ایریا میں ہم دوپہر کے لیے کھانے کے لئے رک گئے تھے۔ فش برگر اور کافی لینے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ دائیں جانب نیلے رنگ کا ایک لمبا اور بہت بڑا ٹرک کھڑا تھا۔ ایسے ٹرک فلموں میں نظر آتے ہیں۔ میں گاڑیوں میں سے گزرتا ہوا ڈرائیور کے Cabin کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ہیلو۔ ڈرائیور بولا' ہائے میں نے جواب دیا I like your truck میں نے کہا۔ ڈرائیور مخنی سا نوجوان چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی والا نیچے اتر آیا۔ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ میں Ontario جا رہا ہوں۔ ٹرک پر صابن لدا ہے۔ اس نے مزید کہا۔ تم نوجوان ہو اور اتنے بڑے ٹرک کے مالک ہو۔ یقیناً بڑے امیر ہوں گے۔ وہ ہنس پڑا۔ میرے پاس ایک اور ٹرک بھی ہے۔ وہ سرخ رنگ کا

ہے۔ یہ کہہ کر وہ دوبارہ ٹرک پر چڑھ گیا۔ کہیں سے سرخ ٹرک کی فوٹو نکال لایا۔ رنگین فوٹو میں ٹرک موجود تھا۔ ثبوت موجود تھا۔

میں تمہارے ٹرک کو دیکھ سکتا ہوں' بشوق جواب ملا۔ میں پائیدان پر چڑھ گیا۔ پاور سٹیئرنگ والا جدید ٹرک' ہارن کے لیے ریلوے انجن کی طرز پر لٹکتی ہوئی تار موجود تھی۔ اس کو بجاؤں میں نے مذاق میں کہا۔ اگر ایسا کیا تو میلوں تک سب سوئے ہوئے جاگ جائیں گے۔ وہ ہنس کر بولا۔

ٹرک کے عقب میں سونے کے لیے جھولا نما بستر موجود تھا۔ لمبے سفر میں ڈرائیور کے آرام کے لیے ائر کنڈیشنڈ کیبن سارے لوازمات لیے ہوئے تھا۔ میں شکریہ ادا کر کے اتر آیا۔

ہم تھوڑی دیر میں عازم سفر تھے۔ سامنے Freemount Road تھی۔ ہم ایک خوبصورت سے گاؤں پورٹ بائرن سے گزر رہے تھے۔ برف نے ہر چیز کو ڈھانپ رکھا تھا۔ چند گھر کیسے خوش نصیب ہوں گے۔ یہ مکین شہروں کی بوجھل زندگی سے دور۔ ایک طرف ایک صاحب برف پر چلنے والے سکوٹر پر سڑک کے متوازی مشق کرنے میں مصروف تھے۔ ایک طرف پیلی بس جا رہی تھی۔ پیلی بس سکول کی نشانی ہے۔ امریکہ میں جہاں جائیں آپ کو نظر آتی ہے۔ ہم بس سے آگے نکل رہے تھے بس Adlaw School کی تھی۔ خاتون ڈرائیور مسکرا دی۔ ہم Buffalo کے قریب ہو رہے تھے۔ Buffalo سرحدی شہر ہے۔ نیاگرا کے پار کینیڈا ہے یہ Ontario کا علاقہ ہے ورل پول پل نیاگرا سے امریکہ اور کینیڈا کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے۔ ہم Buffalo سے ہٹ کر نیاگرا فال کی جانب ہو لیے۔ تھوڑی دیر بعد ہم منزل پر پہنچ چکے تھے۔ پارک کے تمام راستے برف سے اٹے پڑے تھے۔ احتیاط لازم تھی وگرنہ اچھا بھلا آدمی لڑھکتا ہوا نظر آئے۔ ایک عمارت میں داخل ہو کر دوسری طرف جا نکلے۔ سامنے نیاگرا فال نظر آ رہی تھی۔ سردی سے آدھی فال اور پانی دونوں منجمد ہو چکے تھے۔ یہ نظارہ دیکھنے کو ہماری طرح کے کئی سیاح موجود تھے۔

نیاگرا فال کا صحیح نظارہ تو شاید کینیڈا کی طرف سے بہتر ہو' یہ کئی لوگوں کا خیال ہے۔ سامنے روشنیوں کا نظارہ کینیڈا دکھا رہا تھا۔ بصری نظارہ بغیر امیگریشن کے' گویا ایک ٹکٹ میں دو

مزے۔ نیچے پانی میں چلنے والے جہاز جو سیاحوں کو سیر کرواتے ہیں بند کھڑے تھ۔ یہ جہاز عام حالات میں آبشار کے قریب لے جاتے ہیں۔ مسافر مومی لباس پہن لیتے ہیں تا کہ پانی کے چھینٹوں سے مکمل بھیگ نہ جائیں۔ یہ سہولت سردست مہیا نہ تھی۔

آبشار کا ایک حصہ منجمد تھا' پانی سے اڑتا دھواں نما دھند کا غبار اوپر کو اٹھ رہا تھا۔ میں پانی کے ساتھ چل پڑا۔ یہ آبشار سے گرنے سے پہلے کا منظر ہے۔ تھوڑا چلنے کے بعد پھر ایک پل آتا ہے۔ اس کو عبور کر کے سیاح ایک پارک میں جا پہنچتے ہیں۔ یہاں دو مجسمے نظر آتے ہیں۔ یہ آہنی نشان ان لوگوں کے لیے خاموش اظہار محبت ہے، جنہوں نے یہاں محنت سے یہ پمپ ہاؤس بنایا تھا۔ آگے آہنی جنگلہ تھا اور آبشار کا وہ مین حصہ جو اکثر تصاویر میں نظر آتا ہے۔ یہاں آبشار ایک فاصلے تک قدرے خاموشی سے پانی میں گر رہی ہے۔ مگر اس کی بوخود وہ نہ تھی جو گرمیوں میں ہوتی ہے۔

سامنے کینیڈا کا نظارہ تھا۔ وہاں سے بھی کافی لوگ نظارہ کرنے میں مصروف تھے۔ چند پولیس والے ہمارے جنگلے کے قریب آ کر لوگوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے لگے۔ جنگلے سے آگے مزید نیچے جانے والا راستہ بند تھا اور نوٹس آویزاں تھا۔ اس جگہ سے آگے جانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر نہ بھی بتایا جائے تو بھی سیاحوں کو معلوم ہونا چاہیے۔

یہ دنیا کے چند قابل دید مقامات میں سے ہے۔ اب سورج غروب ہو رہا تھا۔ فوٹو گرافی ہو چکی تھی۔ ہم بوجھل قدموں کے ساتھ واپسی کے لیے مڑے۔ کہاں بوسٹن کہاں نیاگرا' میرے کولمبس ہونے میں کیا شک ہوگا امانت بھائی۔ وہ جواب میں مسکرا دیئے۔ سامنے کینیڈا اور امریکہ کی سرحد ہے۔ کار پارک کی پشت پر تیر کا نشان بنا تھا۔ تو یہ راستہ کینیڈا کو جاتا ہے، میں آخری مقام تک جا پہنچا دونوں ممالک سے لوگ گاڑیوں میں آ جا رہے تھے۔ امیگریشن حکام ان سے ہمکلام تھے۔ اس مقام سے آگے جانا فی الوقت ممکن نہ تھا۔ اس کے لیے کینیڈا کا ویزا ضروری ہے اور واپسی کے لیے امریکہ کا ویزہ بھی، جو multientry ہو۔

اب ہمیں رات گزارنا تھی۔ Rmada Inn ہماری منزل تھی۔ مصری مینجر پاکستان کے نام پر کھل اٹھا۔ وہ کراچی آ چکا تھا۔ مگر بعد میں کھلنے لگا۔ کمروں کے انتخاب پر چلو گزارہ کرو

رات ہی تو کاٹنی ہے۔

اب رات کا کھانا کھانا تھا۔ ہم پیدل ہی ہوٹل سے نکل پڑے۔ نیاگرا پر رونق ہے۔ ہفتے کی شب رش تھا۔ سیاح ہر جانب سے امڈ پڑتے ہیں۔ فٹ پاتھ سیاہ برف سے مزید چکنے ہو رہے تھے۔ کیا خبر بے خبری میں اس پر پاؤں پڑے اور آدمی پھسلتا ہوا آگے جا گرے۔

ہم PIZZA HUT جا پہنچے۔ موٹی ویٹرس مینو کارڈ لے آئی۔ PIZZA کا انتخاب اور انتظار شروع۔ اچانک بہت سے سکول کے بچے اندر گھس آئے۔ ساتھ ان کی استانیاں اور ایک دو مرد حضرات۔

کسی بچی کی سالگرہ تھی۔ یہ کسی ہاسٹل کے بچے تھے۔ معصوم پیاری بچیاں تالیاں بجا رہی تھیں۔ فضا انجانی مسرتوں سے لبریز تھی۔ انسانی جذبات اور محسوسات سب ایک سے ہوتے ہیں۔ انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ تہذیب رنگ و نسل' مذہب، ذات پات' امیر غریب' ترقی یافتہ' ترقی پذیر' غربت، غیرت عشرت' آسودگی' ظلم، زیادتی، غیر منصفانہ نظام ہائے' انسان نے اس کرہ ارض کو کیا سے کیا بنا دیا ہے۔

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

رات کافی گزر چکی تھی۔ میں نے لحاف اوڑھنے میں غنیمت سمجھی اور نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

یہ نیاگرا کی صبح تھی، میں ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ مزید گاڑیاں فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی تھیں۔ ایک سیاہ رنگ کی کار سب سے جدا تھی پرانے ماڈل کی گاڑی نئے اسلوب میں۔ یہ Chrysler گاڑی مجھے بہت بھائی۔ آنے والے Quebec سے آئے تھے جو Ontario کی مانند کینیڈا کی ایک اور پہچان ہے۔ میں نے گاڑی کا بغور جائزہ لیا۔ اسکا اندرونی Decor مزے کا تھا۔ Wooden Board خریدنے والے کے ذوق کی غمازی کر رہا تھا۔ بچپن کی یادوں کا ایک اور دریچہ وا ہوا' شیورلیٹ اور بیوک امریکی کاریں 1960ء کی دہائی میں ہمارے ہاں بھی پائی جاتی تھیں۔ سائیڈ گیئر کے ساتھ ان دنوں ہمارا رومانس امریکہ کے ساتھ خوب چل رہا تھا۔ PL-480 اور امریکی امداد میں ملنے والی میکسی پاک گندم اور

سبز رنگ کے ڈیزل انجن جنکے کنارے دو ہاتھ مصافحہ کرتے نظر آتے تھے۔ یہ پاک امریکہ دوستی کا ثبوت تھے۔

تھوڑی دیر میں ناشتہ کر کے ہم واپس چل پڑے۔ یہاں لفظ موٹروے مستعمل نہیں بلکہ یہ کشادہ راستے ایکسپریس وے کہلاتے ہیں۔ ہم نیویارک سے نکلتے ہوئے Verra Zona پل کے پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ معروف پل نیویارک کا امتیازی نشان بن چکا ہے۔ یہ لمبا تڑنگا پل اکثر فلموں میں آدھمکتا ہے۔ وہاں سے نکلتے ہوئے ہم Major Deegon ایکسپریس وے پر سے گزرے تھے جو روٹ نمبر 87 سے Albany کو ملاتا ہے۔ فوجیوں سے منسوب شاید امریکہ کی جنگ آزادی کی یادگار ہوں۔ میجر ڈیگن کے نام سے میں نے ایک گانا یاد کر کے ہلکے ہلکے گنگنانے کی سعی کی تا کہ جملہ سامعین کے انفرادی حقوق پامال نہ ہوں۔ ڈم ڈم ڈگا ڈگا موسم بھیگا بھیگا۔

اب ہم اسی راستے سے واپس جا رہے تھے۔ ایک راستہ اور بھی ہے جو پر خطر پہاڑوں سے گزرتا ہے۔ مگر برفباری سے بند ہو سکتا تھا۔ خطرہ مول لینے سے بہتر تھا ہم کل والے راستے سے واپس آئیں۔ ہم Buffalo کو چھوڑتے ہوئے واپس چل پڑے۔ نیاگرا ہمارے پیچھے رہ گیا تھا۔ سڑک کی حالت یکا یک خراب ہونے لگی۔ حیرت ہے اتنی معروف شاہراہ پر ایسی شکست وریخت وہ بھی امریکہ میں، اور نیویارک ریاست میں۔ یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی ناقابل تردید' یہاں سڑک پر حد رفتار 65 میل فی گھنٹہ مقرر ہے۔ مگر ہنگامی حالت میں آپ رُک سکتے ہیں۔ سڑک کے دونوں کناروں پر ہلکی ہلکی کٹنگ تھی۔ اگر ڈرائیور کو غنودگی آ جائے یا وہ ڈانواں ڈول ہو جائے تو گاڑی کھڑا کھڑانے لگے گی جیسے ہی پہیّے اس پر آئیں گے۔

فضائی نگرانی کے لیے چھوٹے جہاز بھی فضا میں اڑتے نظر آتے ہیں۔ سڑک کے کنارے لگے بورڈ بھی آپ کو مستقل یاددہانی کراتے رہتے ہیں کہ آپ کی رفتار زیر معائنہ ہے

"State Air craft used for speed monitoring. Anti Radar equipment used".

ہم Dehitt سروس ایریا میں رک گئے تھے۔ اب باقاعدہ کافی کا سیشن ہونے لگا۔ ایک بورڈ لگا Cheerful valley میں اہل امریکہ کی زندہ دلی کی داد

دینے لگا۔ ہلکا ہلکا گنگنانے بھی۔ ایک معمر امریکی میرے پاس آ کر گپ لگانے لگا۔

سامنے ٹورسٹ انفارمیشن سینٹر بھی تھا۔ میں نے وہاں جا کر چند ایک معلوماتی سوال کیے تو وہاں موجود شخص تھوڑا گھبرا اٹھا۔

I think I must stand and receive

آپ تشریف رکھیں میں تو ویسے ہی آپ سے ذرا دل لگی کر رہا تھا۔ زندہ دل لوگ زندگی کی مسرتوں سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہے تھے۔

Syracuse اور Fulton کے بورڈ نظر آ رہے تھے۔ Syracuse کی مشہور یونیورسٹی کے طلباء بھی Lockerbie میں Panam کے بدقسمت جہاز میں سوار تھے جو سکاٹ لینڈ میں گر کر تباہ ہو گیا تھا۔ اس حادثے نے گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ Syracuse میں نارتھ ساؤتھ اور ایسٹ ویسٹ سروس ایریا نظر آ رہے تھے۔ امریکی معاشرہ خوشحالی کا جیتا جاگتا شاہکار ہے۔

مادی ترقی اپنے اثرات مختلف طور پر دکھا رہی تھی۔ میں سڑک کے دونوں طرف بغور جائزہ لے رہا تھا۔ گھروں سے نکلتے دھویں سے ظاہر تھا کہ اتوار کی سہانی صبح جب سورج چمک رہا تھا امریکہ انگڑائی لے کر بیدار ہو رہا تھا۔

گاڑی بھاگتی جا رہی تھی' تمازت آفتاب سے ماحول گرما گیا۔ میں نے جیکٹ اتار دی۔ ٹھنڈا چشمہ لگایا' سورج کی روشنی دھوپ سے ٹکرا کر منعکس ہو رہی تھی۔ یہ چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہلکی سے آنکھ بھی لگ جاتی Oneida اور Clarence کے سروس ایریا' کچھ کچھ وقفے کے بعد گزر گئے۔ مختلف مقام تیزی سے آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ یہ کینال روڈ تھی، روڈ پہلے ہی سڑک کے اوپر سے گزر چکی تھی۔ اب Lowel روڈ کی باری تھی۔ Jud روڈ کے ایک طرف قطراتی آبپاشی کا نظام پہیوں پر چلتا نظر آیا۔ دور ایک ٹاور سینہ تانے کھڑا تھا۔ نوکیلی چھتوں والے گھر یوں لگتے تھے جیسے ماہر مصور نے کینوس پر برش سے رنگ بھر دیئے ہوں۔ یہ دست قدرت کا کرشمہ ہی تو ہے۔ رب مشرق اور مغرب کا عظیم خالق

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں

Mohrrick دریا، اگر میں اسکا نام درست یاد رکھ پا رہا ہوں مکمل برف بن چکا تھا۔ سامنے بورڈ لگا تھا۔

"Keep right except to pass"

انگریزی اور وہ بھی برطانوی اور امریکی تخصیص کے ساتھ' میرے جیسے طالب علموں کے لیے عجیب مخمصے کا باعث بنتی ہے۔ انگلستان میں بورڈ لگے ہوتے ہیں " Reduce speed now "۔ امریکی بھلا یہ کیوں لکھیں۔ ہماری وضع قطع انگلستان سے زیادہ میل کھاتی ہے مگر امریکی Brits کو زیادہ پسند کرنے پر آمادہ نہیں Singular کا cingular بنا دینا بھلا کیا بات ہوئی۔

یہ Edic روڈ تھی جس کے ساتھ سونی انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی واقع تھا۔ Utica کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ بروکلین میں Utica Avenue نامی جگہ بھی ہے۔ Rochestor بھی اسی معمورے میں آباد ہے۔ یہاں مسلمان قابل ذکر اکائی ہیں۔ ان میں ایک تعداد پاکستانی بھائیوں کی ہے۔ سڑک کے ساتھ ہرنوں کی موجودگی کا اشارہ تھا، جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آپ دوران ڈرائیونگ محتاط رہیں تا کہ کسی ہرن کو جو سڑک پر آ جائے روندنہ ڈالیں۔ تمام قواعد بالخصوص ٹریفک کے پر سختی سے عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ نیویارک میں تو غیر محتاط پیدل سڑک عبور کرنے والے بھی جرمانہ ادا کرنے کے پابند ہوں گے۔

عدم احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں

سفر کٹ رہا تھا۔ ہم Dyke روڈ اور Chader روڈ پر سے گزر گئے۔ ہم نیویارک کے مزید قریب ہو رہے تھے۔ ایک بس انتہائی تیز رفتاری سے اڈتی آ رہی تھی۔ ستر میل کی رفتار سے ہمیں اوورٹیک کرتے ہوئے آگے نکل گئی۔ یہ Pina Bus Lines تھی۔ اسکی پشت پر تحریر تھا۔

we love our customers

اچھی محبت ہے گاہکوں سے یا مسافروں سے۔ نہ جانے ٹریفک قوانین پر عمل کرنے والے سارجنٹ Evans وغیرہ اب کدھر تھے۔ اسکا تو ہمارے 99/112 موٹر وہیکل

آرڈیننس کے تحت خطرناک ڈرائیونگ کی وجہ سے چالان ہونا چاہیے تھا۔

دور وادی میں Herkimer Mohawk کا خوبصورت منظر نظر آ رہا تھا۔ چمنیوں سے دھواں مسلسل برآمد ہو رہا تھا۔ چند گائیں برف میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ بڑی مہم جو قسم کی گائیں، وہ بھی امریکی گائیں، کوئی "مخول" تھوڑا ہے۔ سامنے انڈین کاسل سروس ایریا ہے۔ نہ معلوم امریکہ میں کہاں کہاں ریڈ انڈین اپنی لڑائی لڑتے رہے، مگر آخر کار مفتوح ہوئے۔ ان کی آبادیاں، نسلیں، گھر بار، کلچر مذہب، سب تغیر کا شکار ہو گیا۔

ہم بھی بدل گئے تیری طرز ادا کے ساتھ ساتھ

سڑک کے ساتھ ایسی لکیریں لگی تھیں جو برف پر کی جانے والی Skating کی وجہ سے تھیں۔ زندہ دل لوگ برفباری سے دل گرفتہ ہوئے بغیر اسکو بھی تفریح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ لوئی اور اوگ ہوتے تو المیہ گانے سننے پر کریا مرغن غذا کھانے میں وقت صرف کرتے بہت ہوتا تو ایک Snowman بنا لیتے۔ مگر یہ تو زندہ دلان امریکہ ہیں اور زندگی کو بھرپور طور پر گزارنے کے قائل۔ Catskill کا نام عجیب سا ہے مگر یہ Ski Region اس نام سے موسوم ہے۔ بلی کے اوصاف تو ہمارے ہاں بھی سکہ بند ہیں اچھے بھلے بچوں کو ہم یہ شروع سے باور کراتے ہیں کہ موصوفہ رشتے میں شیر کی خالہ لگتی ہیں۔ شاید بیمار شیمار رہی ہیں اور یہ کہ شیر بھی اسباق علم و ہنر کے حصول کے لیے ان کے ہاں باقاعدگی سے زیر تربیت رہا۔ یہاں تک کہ پورے ننانوے گر سیکھ لیے ماسوائے درختوں پر چڑھنے کے۔ اور تو اور ماہر حیوانات بھی ان کی سنی ان سنی باتوں سے اسے Big cat کہہ کر شیر کی توقیر گھٹاتے ہیں۔ یہ ایک باقاعدہ سازش سی نہیں لگتی آپ کو۔

زندہ دلان کی ایک تعداد ویک اینڈ پر اس علاقے میں تھی اور واپسی کا راستہ اختیار کر رہی تھی۔ گاڑیوں کی چھتوں پر سکیٹنگ کے آلات کہہ لیجیے اوندھے پڑے تھے۔ اس علاقہ میں Mohawk اور نیو بالٹی مور نامی سروس ایریا آتے ہیں۔ سیاحوں کی دلچسپی کا ایک مقام Hunter Mountain بھی ہے۔

Welcome to the Land کے نزدیک Ulster Service Area

of Living کا بورڈ لگا تھا۔ اس میں کیا شک ہو گا۔ امریکہ میں ریاستوں کو خوب نام دے دیئے گئے ہیں۔ جیسے نیویارک ایپل اسٹیٹ نیوجرسی گارڈن اسٹیٹ Lone Star Taxas Potao State , Great Lakes States Michigan, State Idahoاور شاید Citaus State Florida کہلاتی ہیں۔

دریائے ہڈسن کا اپنا مقام ہے۔ یہ عظیم دریا نیویارک تک بہتا آتا ہے اور پھر سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔ بڑا مردانہ نام ہے، یہاں تو دریا بھی ہڈسن اور چارلس کہلاتے ہیں۔ ذرا سوچیے اگر ہمارے ہاں بھی دریاؤں کے مقامی نام ہوتے تو کیا کیا مسائل سر اٹھاتے، اگر گنگا کا نام پنڈت درگا داس ہوتا یا اپنے کسی دریا کا نام اسی نسبت سے اباسین گل ہوتا۔ کیسی کیسی عصبیتیں جنم لیتیں۔

ہڈسن کی وادی میں دس جھرنے Esprosos گاؤں تک بہتے ہیں جسکو اب Kingston کہتے ہیں۔ 1676ء میں کرنل Wessel نے سینٹ ہاؤس تعمیر کیا تھا اور اسکو مقامی آبادی اور ریڈ انڈین یلغار سے بچانے کے لیے حفاظتی حصار یعنی Barricade بہم پہنچائے۔ یہاں سینٹ کے اجلاس ہوتے تھے۔ اسکو پھر سرکاری طور پر خرید کر عجائب گھر بنا دیا گیا ہے۔ یہ تاریخی عمارت پہاڑی پر واقع ہے اور اس میں نوادرات کی نمائش کی جاتی ہے Kingston تو گویا برف پر پھسلنے والوں کی پسندیدہ جگہ بنا ہوا تھا۔ بے شمار گاڑیاں۔ پھر تیلے شوقین سیاح زندگی کی حرارت سے بھرپور۔ معاشی آسودگی کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں یہ تمام وہ لوگ ہیں جن کو شاید غم حیات نصیب نہیں۔ کچھ وہ ہیں جو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھانے کو ترستے ہیں۔

یہ پہاڑ قدرت کی فیاضی کا نمونہ ہیں ایک پہاڑ Bear Mountain کہلاتا ہے میڈونا سروس ایریا اور Wall Kill دریا قریب ہیں سیاحوں نے ایک پہاڑ کے دامن میں Containers کی ایک آبادی ترتیب دی ہوئی تھی۔ یہ خوب ہے کم خرچ اور بالانشین۔ ہم Woodbury کے نزدیک تھے۔ چلیں لگے ہاتھوں اسے بھی دیکھتے چلیں۔

ہم نے سوچا۔ Wood Bury میں نیویارک سے بہت سے لوگ آتے ہیں۔ یہاں کی

شاپنگ مال سیاحوں کے لیے دلچسپی کی حامل ہیں۔ وہاں تمام معروف امریکی سٹورز کی شاخیں موجود تھیں۔ لوگوں کا یہ خیال خام تھا کہ شاید یہاں دام کم ہوں۔

ہم بھی ایک طرف سے چلے تو دوسری طرف تک دو چار سٹورز دیکھ لیے۔ مگر کوئی خاص چیز پسند نہ آئی۔ میں باہر نکلنے لگا، راستہ بند تھا۔ ایک یہودی خاندان شاپنگ کر رہا تھا، دو سکھ علیحدہ اپنی منڈلی جمار ہے تھے۔ باہر بھی لموزین کھڑی تھی۔ یہ لمبی کاریں نیویارک میں خوب بہار دکھاتی ہیں، لمبی سائیڈ سیٹیں، چھوٹے ٹی وی اور فرج کے ساتھ۔ تمام سہولتوں سے آراستہ۔ سفر کرنے کا مزہ آتا ہوگا۔

تھوڑی فضول خرچی کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا۔ نیویارک پہنچتے ہوئے شام ہوگئی۔ ہم اقوام متحدہ کے دفاتر کے قریب سے گزر رہے تھے۔ آخر کار ہم 42nd سٹریٹ پہنچ گئے۔ میں نے واپسی کا ٹکٹ لیا اور گرے ہاؤنڈ میں بیٹھ گیا۔ ایک لمبی قطار تھی۔ بس سٹارٹ ہوئی پندرہ بیس منٹ بعد چند سڑکوں پر سے گھوم کر دوبارہ بس اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ کیا ماجرا ہے سب مسافر ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔

گھبرایئے مت، فکر کی ضرورت نہیں، یہ بس خراب ہے ہم صرف بس تبدیل کریں گے اور بوسٹن روانہ ہو جائیں گے۔ یہ ہمارا ڈرائیور تھا۔ بس تبدیل ہوئی میرے ساتھ فربہ خاتون بیٹھی تھیں۔ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا نوجوان حالات پر کمنٹری کرتے ہوئے اپنی گرل فرینڈ کو موبائل فون پر سفری خبریں دے رہا تھا۔ معلوم نہیں یہ ڈرامہ ہے یا ٹریجڈی، وہ بولا۔ مجھ سے رہا نہ گیا، لقمہ دیا

It is melodrama my friend

ایک مسکراہٹ اسکے چہرے پر پھیل گئی۔ نہ جانے بس اتنی سست کیوں ہے، میں سوچ رہا تھا، Roy Rogers سے فش برگر اور کافی لی، یہ میرے کام آئی۔ سخت پیاس لگ رہی تھی مگر بوسٹن دور تھا۔ شاید لوگ ٹھیک کہتے ہیں مچھلی کھانے سے پیاس بڑھتی ہے۔ بوسٹن اترتے ہی دو ڈالر کی Polish Spring منرل واٹر خریدی۔

کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس ویک اینڈ پر میں تقریباً 14 سو میل سفر کر آیا ہوں۔ محنت

طلب ہفتہ ہمارا منتظر تھا۔

Taubman بلڈنگ کی پشت پر چارلس ہوٹل ہے۔ ساتھ ہی دیگر عمارتیں اور سامنے پارکنگ پلازہ ہے۔ جمنیزیم نزدیک تھا۔ چند ایک صاحبان باقاعدگی سے ورزش کے لیے وہاں جاتے۔ برف کے ڈھیر ہر طرف موجود تھے۔ واپسی پر جیسے ہی باہر نکلے میں نے توقیر صاحب کو دعوت دی، آیئے آج آپ کو نئے راستے سے واپس لے چلیں۔ دیکھا دیکھی دو چار اور سادہ لوح بھی ساتھ ہو لیے۔ برف میں بنا راستہ مختلف اور دشوار گزار تو ہوتا ہے نزدیک ہی دریائے چارلس منجمد حالت میں موجود تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھیے پھسلن بہت ہے، میں نے مشورہ دیا۔ اس صائب مشورے کے جواب میں ہوتیانہ صاحب نے جواب دیا ایسے ہی برفانی طوفان میں Lucy Gray گم گئی تھی اور ورڈ رورتھ کو نظم لکھنا پڑی۔ بیک وقت کئی ایک قہقہے بلند ہوئے۔

شام کو کھانے کے لیے بلا ناغہ دوبارہ سکول میں آنا پڑتا تھا۔ اس لیے اس مرتبہ کھانا کھانے کے لیے وہاں جانے کی زحمت گوارا کرنے سے بہتر ہوگا کہ اقامت گاہ پر صبر شکر سے کام لیا جائے یا قریب ہی Spangler Centre سے کچھ کھا لیا جائے۔ میں وہاں پہنچا تو مچھلی کا انتخاب کیا۔ مچھلی کو گرل کیا جا رہا تھا تو نزدیک ہی ایک خاتون کی فرمائش پر لحم خزیر بھی اس گرل پر بھنا جانے لگا۔ زندہ دل طالب علم، برف، سردی، بارش کسی سے بھی نہ گھبراتے تھے اور ہمارا کیا تھا سب سے آگے۔

آج بھی دل چاہا تو ایک سمت نکل پڑا یہ سڑک دریا کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی اور بوسٹن کے قدیم حصوں کا رخ کرتی تھی۔ ہارورڈ اور ملحقہ تعلیمی اداروں کا تہذیبی اقدار میں ایک قابل قدر حصہ ہے۔

یونیورسٹی کے ایک طرف گراؤنڈ ہے جہاں ہونے والے کھیلوں کے مقابلے اپنی مثال آپ ہیں۔ Yale کا ہارورڈ کے ساتھ پرانا سلسلہ رقابت ہے جب کھیل میں روایتی حریف مد مقابل ہوں تو کھیل کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ بیس بال امریکہ کا اہم کھیل ہے۔ عجیب طریقے سے کھیلا جاتا ہے۔ مگر مجھے عجیب سا کھیل لگتا ہے۔ عجیب حفاظتی ملبوسات کے ساتھ کھیلنا جیسے کسی

قدیم رتھ کی سواری کرنا ہو۔ایک دومرتبہ کھیل دیکھنے کے بعد شوق ہوتو اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔

تعلیمی معمولات صبح سویرے شروع ہو جاتے اور اکثر اوقات شام تک چلتے رہتے۔ پہلا سیشن گروپ کی شکل میں ہوتا' رات کی تیار شدہ کیس اسٹڈی پہلے اس گروپ میں اور پھر کلاس میں پیش ہوتی۔ تعلیمی جوہر کھلتے' ایسے ایسے پہلو بے نقاب ہوتے۔ سیر حاصل بحث اور پھر باقاعدہ بحث کلاس میں شروع ہو جاتی۔ چند اصحاب تو باقاعدہ اور بلا ناغہ تقریر فرماتے' کچھ کبھی کبھی اور چند ایک خاموش رہنے کو ایک ہنر سمجھتے تھے۔

ہر ہفتے جگہ تبدیل ہوتی اور اس طرح گروپ بھی تغیر و تبدیلی سے مبرا نہ تھے۔ احمد پیرزادہ میرے ساتھ بیٹھتے تھے۔ عجیب سی ٹوپی زیب تن فرماتے جیسی پولو کے دوران پہنتے ہیں۔ مجھے کیا کسی کو بھی اس پر اعتراض نہیں۔ اونی ٹوپیاں سرگرم رکھنے اور خاص طور پر برفانی ہوا سے بچنے کا بہترین ذریعہ تھیں۔ ان پر درمیان میں شہر اور اسٹیٹ کے حوالے سے حروف بنے ہوتے تھے۔ "B" بوسٹن کی غمازی کرتا تھا تو NYC نیو یارک سٹی کی۔ پیرزادہ صاحب بھی مقرر کو آرام سے بولنے نہ دینے کے قائل تھے۔ " Well پروفیسر " کے نام سے ایسی چابکدستی سے نقطۂ اعتراض اٹھاتے کہ آفرین ہے۔ ان کا تعلق خطہ مردم خیز بھلوال کے قصبہ منویس سے ہے۔ میانی کے نزدیک خوبصورت آبادی سامنے کھیوڑہ کے پہاڑ کے دامن میں نیم دریا جہلم نامی جس میں زندگی کی حرارت کم سے کم ہے اور شاہ پور برانچ نامی نہر جو ششماہی ہے امتیازی نشان ہیں۔ بھلوال سے میں نے ملازمت کا آغاز کیا تھا اور مشق ناز سے اس کا خاصا تعلق ہے، اس کے ساتھ ہی کلیان پور کا خوبصورت گاؤں ہے اسی نام کا ایک گاؤں ہندوستان میں بھی ہے جہاں سے کبھی اردو سروس میں فلمی گانوں کی فرمائش ہوتی تھی ان کو دیکھ کر مجھے پرانے سہانے دن یاد آ جاتے۔ انور گورایہ اور پیرزادہ بھی پیدل یونیورسٹی آنے کو میری طرح ترجیح دیتے۔ فیکلٹی میں معروف اساتذہ کی ایک تعداد موجود ہے۔ ایک ہندوستانی' ایک پاکستانی ایک برطانوی اور چند ایک امریکی براعظم سے تھے۔

امریکی پروفیسرز میں چند ایک مختلف ادوار میں مختلف حکومتی عہدوں پر بھی کام کر چکے ہیں۔ چند ایک کا امریکی لب ولہجہ عجب بہار دکھاتا۔ ٹونی اپنی مخصوص "بوٹائی" کی وجہ سے ہمیشہ

ممتاز نظر آتے۔ Cathay کا کہنا تھا کہ ٹونی ہمیشہ سے یہ "بوٹائی" لگاتے ہیں اور وہ اسکے تانے بانے صدر نکسن کے اقتدار سے ملاتی تھیں۔

چند ایک اساتذہ ایک دو لیکچرز دینے کیلئے آتے رہے۔ اپنے مقصد سے لگن کی جھلک سب میں دکھائی دیتی رہی۔ انہی دنوں ہارورڈ یونیورسٹی کے رئیس جامعہ جسے وہاں وائس چانسلر کے بجائے پریذیڈنٹ کہا جاتا ہے نے خواتین کے حوالے سے ایک بیان داغ دیا کہ وہ فطری طور پر چند ایک مضامین پر دسترس حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ پھر کیا تھا ایک شور مچ گیا۔ حرارت اخبارات کی شہ سرخیوں تک جا پہنچی۔ صاحب موصوف کو وضاحت جاری کرنی پڑی مگر معاملہ خاصی حد تک بگڑ گیا۔ رات کو میں نے بمبئی کلب ریستوران کا رخ کیا۔ آخر انسان کب تک سلاد کے نام پر گھاس پھوس پلیٹوں میں سجا دیکھتے رہنے پر مجبور ہو۔ میں نے مینو کا جائزہ لینے کے بعد دال بخارہ کا آرڈر دے دیا۔ یہ کوئی زعفرانی ڈش نہ تھی بلکہ ثابت دال ماش قلیل سے تڑکے اور نمائشی آراستہ سلاد کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ اس دال کے بھاگ امریکہ میں خوب جاگے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں بھی پیدا ہونے والی یہ دال تندوری روٹی کے ساتھ خوب بہار دکھاتی تھی۔

پاکستان کی یاد آنے لگی۔ یہ وقت گھر ٹیلی فون کرنے کا تھا۔ رات کو نیند نہ آ رہی تھی، ٹی وی پر چارلس برانسن کی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ مجھے ان کی فلم Chatosland یاد آ گئی۔ میں امریکہ میں ٹی وی پروگرام دیکھنے کے لیے زیادہ وقت نہ دے سکا تھا۔

ایک چینل پر موسم کی خبر آتی ہے۔ چند ایک مذہبی پروگرام دکھانے پر مامور ہیں اور چند ایک ناگفتہ خصوصیات والے۔ ایک چینل پر یہودیت کی ترویج جاری تھی اور ایک پر عیسائی عقائد کی۔ مبلغ ناظرین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے غیر روایتی تقریر بھی کر رہے تھے۔

میں جوس سے دل بہلا رہا تھا۔ میرے اور ٹیپو کے معمولات میل نہ کھا پا رہے تھے۔ چند ایک لوگوں میں گاڑی چھن رہی تھی۔ موصوف کچھ دن پر سختی سے کاربند تھے۔

ایک ویک اینڈ پر میں North Carolina جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ محترم رانا صاحب لاہور سے مسلسل تاکید فرما رہے تھے۔ میں جمعہ کا انتظار کر رہا تھا۔ میری فلائٹ 5 بجے

شام تھی۔ ایک فلائٹ دو بجے دن بھی روانہ ہونا تھی۔ ساڑھے بارہ بجے کلاس سے فارغ ہو کر میری کوشش تھی کہ میں دو بجے والی فلائٹ سے Raleigh پہنچ جاؤں۔ حسب روایت اس بار بھی کافی لوگ Grey Hound بس اسٹیشن تک جا رہے تھے۔ مگر میری منزل Logan ائیر پورٹ تھی۔ ریلوے اسٹیشن سے ائیر پورٹ کے لئے مجھے شٹل سروس کا انتظار تھا۔ امریکہ میں سفری سہولتیں بہترین ہیں۔ جلد ہی میں بس میں سوار ہو کر ائیر پورٹ پہنچ گیا۔

لاؤنج میں ہجوم تھا، مجھے اپنے کاؤنٹر کا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر خوار ہونے کے بعد میں مطلوبہ کاؤنٹر پر امریکن ائیر لائن کے کاؤنٹر پر موجود تھا۔ مجھے مخصوص نمبر سے اپنا بورڈنگ کارڈ حاصل کرنا تھا۔ میری تصدیق کے لیے پاسپورٹ کام آیا۔ خوش مزاج خاتون نے مجھے دو بجے والی فلائٹ پر بورڈنگ کارڈ جاری کرنے پر نہ تو بحث کی نہ حجت بلکہ مسکرا کر کہا کہ You will save time سفر کا مزہ لیجئے۔ اب دوبارہ بورڈنگ کارڈ اور پاسپورٹ دکھانے کا مرحلہ درپیش تھا۔ یہ سب سکیورٹی سے متعلقہ معاملات ہیں' میں نے بسر و چشم کارڈ سکیورٹی اہلکار کو تھما دیا۔ اب ایک مزید لمبی قطار میں کھڑا ہونا تھا۔ پھر وہی جوتے اتارو اور سب چیزیں پلاسٹک کی ٹرے میں رکھ کر پیش کرو۔ جب ساری چیزیں مشین کے دوسرے سرے سے برآمد ہوئیں تو دل لخت لخت کو جمع کرنا مجھے بالکل نہ بھایا۔ کتنی مشکل سے سکارف باندھا تھا وغیرہ وغیرہ How are you doing یہ میرے سے آگے جانے والا مقامی مسافر تھا۔ I am fine, what about you میں نے جواب دیا۔ ابھی مجھے ایک اور بس میں بیٹھ کر ائیر پورٹ کے دوسرے سرے پر جانا تھا جہاں امریکن ائیر لائن کا ٹرمینل تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔

میں نے سامان اٹھایا' شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر حلیہ درست کیا اور مزے سے باہر آ کر چاکلیٹ Cookies کھانے لگا۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

تھوڑی دیر میں فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہونے لگی۔ Raleigh Durham کے مسافر جہاز پر تشریف لے جائیں۔ ایک لمبی سرنگ سے نکل کر ہم باہر آ گئے۔ ایک لمبوترا سا پتلا سا

Jet سہما ہوا ایک کونے میں کھڑا تھا۔ یہ اسپ تازہ سوار کا منتظر ہے میں نے سوچا۔

میں نے اپنا بیگ سیٹ کے اوپر تھما دیا۔ جیکٹ تہہ کر کے سامنے والی نشست کے پیچھے رکھ دی۔ میرے ساتھ خوشبو میں بسی ایک خاتون براجمان ہو گئی۔ بے تحاشا موٹا ناول، شاید راستے میں پڑھنے کا مقصد تھا یا کسی اور پر دھاک بٹھانا مطلوب تھا، معلوم نہیں۔

میں Raleigh اور Durham پر غور کرنے لگا۔ کیا خبر Raleigh کو Sir Walter Raleigh سے نسبت ہوا موصوف سیلانی طبیعت کے رئیس تھے ادھر ادھر گھومتے پھرتے سنا ہے تمباکو کی دریافت کا سہرا ان کے سر ہے۔ شنید ہے وہ جہاز کے عرشے پر تمباکو نوشی میں مصروف تھے۔ جیسے ہی منہ سے دھواں نکلا۔ حبشی غلام سمجھا صاحب موصوف کو آگ لگ گئی ہے اور وہ سلگ رہے ہیں۔ بھاگم بھاگ پانی کی بالٹی لا کر ان پر انڈیل دی۔

Durham تو انگلستان میں New Castle open tyne کے نزدیک ہے۔ وہاں ایک تاریخی Castle بھی ہے۔ انگریزوں نے امریکہ آ کر نو آبادی میں اپنے ناموں کا بے دریغ استعمال کیا۔ ایک تو وطن سے نسبت رہے دوسرے ان کو سہولت بھی رہے۔ بوسٹن اور یہ سارا علاقہ اسی نسبت سے New England کہلاتا ہے۔ نزدیک ہی Stamford ہے۔ انگلستان میں Stamford کیمبرج لائن پر Peter Borough کے نزدیک ہے۔ Juliet Allan کا شہر۔

تھوڑی دیر میں جہاز ہوا میں بلند ہو رہا تھا۔ یہ قریب ڈیڑھ گھنٹے کی فلائٹ تھی جیسے کوئٹہ سے تربت ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ کی فلائٹ کا دورانیہ ہے۔ موٹے ناول کا مطالعہ شروع۔ کھڑکی سے نیچے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا ماسوائے بادلوں کے۔ آوارہ بادل۔ ایئر ہوسٹس نے ایک ننھا منا پیکٹ Cheese Crisps اور ایک Tin بد ذائقہ جوس میرے حوالے کیا۔ اندرون ملک پروازوں پر مسافروں کی عادت خراب کرنا امریکہ میں فضائی کمپنیوں کو مطلوب نہیں۔ اگر آپ کچھ اور پسند کریں تو دام ڈھیلے کیجیے۔

اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

فلائٹ کچھ لمبی نہیں ہو گئی۔ میں نے سوچا اب تو لینڈنگ نزدیک ہونی چاہیے۔ میرا

گمان درست تھا۔ جہاز بلندی سے دھیرے دھیرے نیچے اتر رہا تھا۔ بادلوں کی دبیز تہہ میں سے زمین کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ خوبصورت وادی، لمبی سڑکیں' گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ اب نیچے کا منظر صاف دکھائی دینے لگا۔ گھر سویمنگ پول' شاپنگ سٹور نظر آ رہے تھے۔ ہوائی اڈے کے خدوخال واضح ہو رہے تھے۔

ہم Raleigh Durham کے ایئر پورٹ پر اتر چکے تھے۔ ہمارے جہاز سے ملتے جلتے جہاز نظر آ رہے تھے کچھ اڑنے کو پر تول رہے تھے۔ ایک دو ہمارے جہاز کے عقب میں تھے۔ چند بھلے مانس جہاز کونے کھدروں میں گھسے عافیت تلاش کر رہے تھے۔ کچھ جہازوں میں ایندھن بھرا جا رہا تھا۔

یہ بہت بڑا ایئر پورٹ تھا۔ وہاں انٹرنیشنل فلائٹس بھی آتی ہیں۔ آخر ہم سامان اتار کر جہاز سے بذریعہ سرنگ نکل کر مین ہال میں آ گئے۔ اب واپسی اور باہر نکلنے کے اشارے دیکھتے ہوئے سفر شروع کیا۔ گرم کپڑے سنبھال لیے یہاں تو موسم خوشگوار بلکہ گرم تھا۔ امریکہ واقعی بہت بڑا ملک ہے۔ میں نے سارے تفکرات پس پشت ڈال کر سفری بیگ بند کیا' شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر مسکرایا۔ سنا ہے مسکرانے سے عضلات عافیت پاتے ہیں۔

فراز تمہیں نہ آئیں محبتیں کرنی

میں گنگنانے لگا۔ اب ایئر پورٹ سے نکلنے کے لیے کو مزید تھوڑا اور چلنا تھا۔ جیسے ہی باہر نکلا رانا وحید صاحب مسکراتے ہوئے ملے۔ بہت راہ دکھائی، جہاز تو دیر کا آ چکا۔

جی ہاں نکلنے میں عجلت کا مظاہرہ کچھ مناسب نہیں تھا۔ ہم باہر نکلے سامان گاڑی میں رکھا سیٹ بیلٹ باندھ لی۔ ہم باہر نکل رہے تھے۔ یہ صحیح امریکہ ہے نہ برف ہے نہ Blizzard جو برفانی طوفان کا انگریزی عنوان ہے۔ جی ہاں North Carolina کا موسم عمدہ ہے۔ یہاں وہ سختی اور شاید درشتی نہیں جسکا مظاہرہ ہم بوسٹن اور نیویارک میں دیکھ چکے ہیں۔

اب Raleigh کی وجہ تسمیہ پر گفتگو ہونے لگی۔ اس کو واقعی سر والٹر ریلے سے نسبت ہے' رانا صاحب نے کہا' کھلی سڑکیں ماحول کی وسعت دیکھ کر طبیعت بحال ہو گئی' سخت سردی میں تو ہم حرارت ایمانی سے ہی کام چلاتے رہے' رانا صاحب مسکرائے۔ شاید سوچ رہے ہوں

میرا انداز تکلم شاید اتنا برا نہیں۔

آج کل سکیورٹی کی وجہ سے احتیاط بہت لازم ہے وہ کہنے لگے۔ پہلے آپ کو تھوڑا شہر گھما دیں قبل اس کے کہ شام ہو جائے۔ سڑک پر رش بڑھ رہا تھا۔ ہم اب تاریخی عمارات کے سامنے تھے۔ یہ سینٹ کی عمارت ہے۔ شہر میں ایک مقام پر چند مجسمے اور یادگاریں جنگ آزادی کے دور کی یاد دلاتی ہیں۔ میں ایک دو کتبوں کے سامنے کھڑا ہو کر عبارت غور سے پڑھنے لگا۔ اب ہم گورنر ہاؤس کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ ایک متاثر کن عمارت تھی۔ یہ ریاست کے اقتدار اعلیٰ کی غمازی کرتی ہے۔ اور بے جا تنقید مناسب نہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کی روایات کی پاسداری کو خواہ مخواہ زیر بحث لانے سے گریز کرنا چاہیے۔ راستے میں ایک شاپنگ مال پر رک گئے۔

امریکہ میں صحت مند افراد کی کمی نہیں جو چلتے پھرتے گوشت کا پہاڑ نظر آتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے "The Tall and the Big" کا رنز الگ ہوتے ہیں۔ میرے لیے یہ امر حیرانی کا باعث تھا۔

اب ہم گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔ رانا صاحب کے گھر کو خالی گھر کہہ دینے سے شاید انصاف کے تقاضے پورے نہ ہوں۔ یہ ایک پوری کالونی ہے جس کے صدر دروازے میں داخلے کے لیے آپ ریموٹ کنٹرول سے کام لیتے ہیں ہر گھر اپنی ساخت اور شکل میں علیحدہ ہے۔ یہاں رہنے والوں کی سماجی حیثیت کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ یہ سب لوگ صاحب حیثیت ہیں۔ رانا صاحب کے گھر کے باہر قمقمے لگے تھے۔ ولی عہد کا عقد مسنونہ چند دن پہلے ہی ہوا تھا۔ ہم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو بیگم صاحبہ اور بچوں نے ایک مسکراہٹ سے استقبال کیا۔

مرغن کھانے ہمارے منتظر تھے۔ کھانے کے بعد باتیں ہونے لگیں۔ صبح سویرے نکلنے کا پروگرام بنا کر خواب گاہ کی راہ لی۔

یہ خوشگوار صبح تھی۔ نئی Accura گاڑی ہماری منتظر تھی، یہ اسکا پہلا افتتاحی سفر تھا ہماری منزل واشنگٹن ڈی سی تھی۔ ابھی سڑکوں پر ٹریفک بہت کم تھی۔ سڑک کے ساتھ ریلوے

لائن جارہی تھی۔ڈیزل انجن گاڑی کو کھینچ رہا تھا۔اس میں بجری ریت اور عمارتی سامان لدا تھا۔ چھک چھک کرتا بڑے سے ہارن سے انجن غیر مانوس آواز نکال رہا تھا۔ یہ تو بالکل Environment Friendly نہیں، میں نے صورتحال کا ناقدانہ جائزہ لیا۔

یہ امر واقعی ہے کہ امریکہ کی تعمیر کے دوران صدر روز ویلٹ نے یہ صدارتی فرمان جاری کیا تھا کہ تمام بڑے شہروں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لیے سڑکوں کا جال بنا دیا جائے۔اور اسکی حالت ایسی تھی جیسے دل اور اس سے نکلنے والی شریانیں۔دوسری حیران کن بات یہ تھی کہ سڑکوں کی تعمیر عمومی طور پر Asphalt سے ہوتی ہے۔بجری، ریت، تارکول کے آمیزے کو گرم کر کے سڑک کے base پر پھیلایا جاتا ہے اور پھر اسکی Compaction مشینی طور طریقے سے ہوتی ہے۔مگر یہ کیا نارتھ کیرولینا میں کنکریٹ کی بنی سڑکیں تھیں۔ہمارے ہاں بھی شاہرات کی تعمیر میں جہاں نمی اور پانی زیادہ ہو وہاں اس قسم کی سڑک اور کنکریٹ کے Causeway استعمال ہوتے ہیں۔

North Carolina کی ایک جداگانہ تاریخی حیثیت بھی ہے۔اسکو جنگ آزادی کے میدان کے طور پر معرکہ حریت کا میزبان بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔سول وار کے دوران یہاں لڑنے والے سپاہی دلجمعی سے لڑے اور تاریخ کا باب رقم کیا۔

North Carolina کو Tarheel state کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔دوسری طرف South Carolina کی ریاست State of Cardinal Bird کہلاتی ہے۔ Georgia کو نامعلوم کیوں Peach State کا نام دیا گیا۔ اسکے Capital کو Athens کہا جاتا ہے۔جبکہ زیادہ مشہور Atlanta ہے۔اٹلانٹا میں CNN ٹی وی کا ہیڈ کوارٹرز بھی ہے۔

خوبصورت شاہراہ پر ایک مقام پر ایک سٹور کا نام فضل الٰہی سٹور دیکھ کر حیرت ہوئی۔یہ صاحب پاکستانی تھے۔چھوٹی چھوٹی جھیلیں جا بجا نظر آرہی تھیں۔سبزہ سڑک کے دونوں جانب دل کو لبھا رہا تھا۔اب ہم سٹیٹ کی سرحد کے نزدیک تھے۔ North Carolina ختم ہو رہی تھی اور Virginia کا آغاز ہو رہا تھا۔

ہم سڑک سے اتر کر گیس اسٹیشن پر رک گئے۔ یہ بالکل فلمی قسم کا گیس اسٹیشن تھا۔ ایک خاتون کاؤنٹر پر سے دکان اور گیس اسٹیشن دونوں کا انتظام سنبھالے ہوئی تھی۔

سڑک پر U-turn لینے والی جگہ ہنگامی گاڑیوں اور پولیس کی گاڑیوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ راستے میں پولیس کی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ہیٹ پہنے پولیس افسران چوکس تھے۔ قانون شکنی کی صورت میں گاڑی بھگا کر آپ کے عقب میں آئیں گے اور آپ کو لازمی طور پر رکنا ہوگا وگرنہ نتائج کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ اگر یہ نوبت آ جائے تو سڑک کے کنارے گاڑی روک لیجیے باہر نکلنے کی زحمت نہ کیجیے گا۔ پولیس والا مزاج پرسی کے لیے خود ہی آپ کے پاس آ جائے گا۔ گاڑی کا شیشہ نیچے اتاریئے حال احوال ہوگا۔ قسمت اچھی ہو گی تو ایک آدھی نصیحت کے بعد گلو خلاصی وگرنہ چالان یا ڈرائیونگ لائسنس کا پوائنٹ۔ گاڑی سے نیچے اترنے کی صورت میں پولیس والا یہ گمان کر سکتا ہے کہ آپ اسلحہ سے لیس ہیں اس لیے اسکو دفاع کرنے میں قانون نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے باقی آپ خود معاملات کی نزاکت کو سمجھتے ہیں۔ ہمارا کام تو آپ کو خبردار کرنا تھا۔ اگے تیرے بھاگ لچھیئے۔

رانا صاحب نے اشارہ دے کر گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔ اب میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ سیٹ بیلٹ باندھ کر لیفٹ ہینڈ گاڑی چلانے کے لیے تیار۔ آٹومیٹک گاڑی میں سہولت ہی سہولت ہے آپ حد رفتار سے اگر تھوڑا بہت تجاوز بھی کر لیں تو بھی پولیس تعرض نہیں کرتی۔ رانا صاحب بظاہر میری ڈرائیونگ سے مطمئن نظر آ رہے تھے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں قواعد پر عمل کرنا ضروری خیال کرتا ہوں جہاں اور بہت سی خامیاں ہوں گی وہاں یہ بھی ایک ہے۔ یہ میرا جواب تھا۔ مثل مشہور ہے کہ آپ کسی ملک کی ٹریفک دیکھ کر اس ملک کے اجتماعی شعور کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ رانا صاحب آپ امریکی شہری ہیں اور پاکستانی تو پیدائشی مگر میں اول و آخر پاکستانی ہوں۔ میں غیر مہذب اور ٹریفک قوانین سے نابلد نہیں اور اسی ناتے اس کا تاثر ہرگز نہیں دینا چاہتا۔ میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ کئی تیز رفتار ٹرک بھی ہارن دیتے ہوئے میرے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے۔

ہم Fredricks Burgh پہنچ چکے تھے۔ شہر میں داخل ہوئے۔ امریکہ میں

اشارے کھمبے کے بجائے آہنی تاروں سے لٹک رہے ہوتے ہیں جو سڑک کے دونوں جانب جارہی ہوتی ہے۔ہم Mcdonalds پر رک چکے تھے۔ویک اینڈ اور بریک فاسٹ ٹائم۔ ہجوم کافی تھا۔ہم بھی ایک تنگ میز کے گرد بیٹھ گئے۔

رانا صاحب اور بیگم صاحب آپس میں خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ان کا خیال درست تھا۔یہ امریکہ تھا۔میں نے سر داہنے طرف موڑ لیا، آخر ہماری بھی کوئی مشرقی روایات ہیں۔کافی نے مجھے تازہ دم کر دیا تھا۔ہم پھر چوڑی سپاٹ سڑک پر واشنگٹن جانے والی سڑک پر رواں دواں تھے۔خوبصورت مناظر، گھر، کھیت، سبزہ، درخت نگاہوں کو تراوت بخش رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں ہم Richmond پہنچ رہے تھے۔ایک وسیع Overhead پل بن رہا تھا۔

ورجینیا ریاست کا مشہور اور قابل ذکر مقام Richmond ہمارے سامنے تھا۔یہ ریاست تمباکو کی پیداوار کے لیے مشہور ہے۔کئی ایک مشہور برانڈ کے سگریٹ یہاں بنتے ہیں۔ جیسے Marlboro، Benson & Hedges اور Red & White وغیرہ۔ایک مدت تک تمباکو نوشی اور وہ بھی بدیسی سگریٹ شرفاء اور رؤسا کا خاصہ رہا ہے۔مگر اب شاید اتنا اجتماعی شعور بیدار ہو چکا ہے کے پڑھے لکھے لوگ اس کی پرواہ کرتے ہیں کہ تمباکو نوشی کے نقصانات بیش بہا ہیں۔معلوم آج کل تمباکو کی کاشت پر کیا پابندیاں ہوں گی ابھی بھی یہ صنعت ایسے ہی ہوگی کہ اپنے سگریٹ خود امریکہ اور بالخصوص ترقی پذیر ممالک کو بھیج کر زرمبادلہ اکٹھا کر رہی ہو۔ایک مدت تک افریقی غلام اس دھرتی کا سینہ چیر کر اپنے سفید فام آقاؤں کی اطاعت گزاری کرتے رہے ہیں۔تاریخی طور پر بھی یہ تفاصیل اس بات کا ثبوت ہیں کہ زرخرید غلام بنیادی حقوق سے نا آشنا تھے۔ابراہم لنکن کا یہ کارنامہ کہ غلامی کا خاتمہ کر دیا ایک تاریخی حقیقت ہے۔

مگر اس غلامی نے سیاہ فام Afro Americans پر برے اثرات مرتب کیے۔ امریکہ میں بطور غلام لائے جانے والوں نے اپنے افریقی نام استعمال کرنے نہ چھوڑے اور آقاؤں کے دیئے نام انکی شناخت کا حصہ بن گئے۔جیسے Good man اور

Laughing house یہ تاریخی ستم ظریفیاں ہی تو ہیں ۔ اپنے اصل کے تلاش میں ہی Alex Hailley نے Roots نامی کتاب تخلیق کی۔

اگر آپ امریکہ کے بودو باش اور یہاں کے کلچر کا مطالعہ کریں تو کافی چیزیں شعور کو جھنجوڑنے لگتی ہیں۔ایک تخلیق Red Necks کی ہے جو ساؤتھ ایسٹ میں ہیں۔انہیں Hicks بھی کہا جاتا ہے۔یہ ضدی لڑاکے افراد ہیں۔نیویارک والے Yorkers کہلاتے ہیں اور North siders کو Yankees کہتے ہیں۔

ہم واشنگٹن پہنچ چکے تھے۔شاہراہ کے درمیان ایک اور ایکسپریس وے تھا جس کے اوقات کشادگی پہلے سے متعین ہوتے ہیں۔جس گاڑی میں چار سے زائد افراد سفر کر رہے ہوں وہ اس کو استعمال کر سکتے ہیں تا کہ وہ جلد منزل پر پہنچ سکیں۔سڑک پر لکھا تھا۔ Give Road Maintenance staff- a Break

سڑک پر ٹریفک کا ہجوم تھا مگر کوئی چیز بے ترتیب نہیں تھی۔اس میں بھی فائدہ تھا۔ سڑک کے بائیں جانب مشہور زمانہ Pentagon نظر آ رہا تھا ہم ایک پل پر سے ہوتے مختلف سڑکوں اور چوراہوں میں گھسے جا رہے تھے۔جیفرسن میموریل' وزارت داخلہ بیورو آف پرنٹنگ جہاں کرنسی نوٹ چھپتے ہیں یعنی ڈالروں کی جائے پیدائش،ایک عالم کو فریفتہ کر رکھا ہے کم بختوں نے ۔ میں نے قصداً جیب کو ٹٹولا پھر اندرونی جیب کو جہاں بڑی مشکل سے کمائے گئے ڈالرز کو ہم نے سینے سے لگا رکھا تھا ٹٹول کر یک گونہ اطمینان قلب ہوا۔تالیف قلب سے راحت پہنچی۔کیا کیجیے کم بخت چیز ہی ایسی ہے۔قرآن پاک میں بھی حب خیر سے دولت کو تعبیر کیا گیا۔ حضرت میاں محمد بخش جیسے سادہ بزرگ فرماتے ہیں

دنیاوی ہر مشکل تائیں دولت کرے آسانی

حضرت تو اسے رحمانی کنجی گردانتے ہیں۔خیر اب آپ کو مزید قائل کرنے کی ایسی بھی ضرورت نہیں۔ویسے بھی جناب شاعر کا فرمانا ہے۔

جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں

Pennsylvania 140 Avenue اور وائٹ ہاؤس ہمارے سامنے تھے۔

بڑی مشکل سے گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ کونے میں ملی' کوئے یار میں اتنی جگہ کا ملنا بھی سعادت ہے۔ وائٹ ہاؤس امریکی صدر کی رہائش گاہ ہے۔ امریکی پرچم فضاء میں پھریرے اڑا رہا تھا۔ امریکی عوام کی آزادی اور اقتدار اعلیٰ کی نشانی کا بعین ثبوت بن کر میں نے اس سے گمان کیا کہ جناب صدر اور حاکم جلیس رونق افروز ہیں۔ وائٹ ہاؤس کے سامنے کھلا سبزہ زار ہے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ موسم خوشگوار اور اضافی ملبوسات کے بغیر بھی آپ آرام سے گھوم پھر سکتے ہیں۔ گھاس پر پڑی برف کی پگھلی ہوئی نشانیاں چند روز پہلے پڑنے والی برف کے پگھلنے کی شہادت دے رہی تھیں۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاح مستعدی سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ ہم نے بھی سبزہ زار کے ایک کونے سے یاترا کا آغاز کیا۔ موٹی سی گلہری ایک کونے میں منتظر تھی کہ ہم بھی کوئی خدمت گزاریں۔ تھوڑا چکر لگانے کے بعد ایک فربہ سا سکیورٹی اہلکار نظر آیا۔ توند تھی کہ پتلون سے باہر لپک رہی تھی ویسے ایسے نظاروں میں تو ہم وطن میں خود کفیل ہیں کسی کا گلہ کیا کرنا۔

یہ عمارت ایک وقت میں صدر آئزن ہاور کے زیر استعمال رہی ہے اور مسند اقتدار یہیں تھی۔ اب یہاں کچھ لوگ آ جا رہے تھے۔ مزید تجسس بے کار تھا اور میں آگے چلتا گیا۔ میرے بائیں جانب وائٹ ہاؤس کا نظارہ تھا، لان میں چند درخت اور پودے حائل ہو رہے تھے۔ سیاح آہنی جنگلوں کے ساتھ کھڑے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔

بزم شاہی سے غریبوں کا گزر کیا معنی

سب ہی تصاویر اور مووی بنانے میں مشغول تھے۔ سامنے سے ایک اہلکار تیزی سے آہنی جنگلے کی طرف آ رہا تھا۔ وائٹ ہاؤس کے باہر ایک جگہ ان سیاحوں کے لیے مخصوص ہے جو اندر جانے کے خواہشمند ہوں۔ ٹکٹ حاصل کرنے میں دیر کا احتمال تھا اور آپ کی رسائی محدود مقام تک ہی ہوگی۔ یہ وقت کم اور مقابلہ سخت والی کیفیت تھی۔ آئزن ہاور سٹاف بلڈنگ اب ایک طرف رہ گئی تھی۔ ایک جانب بڑی بڑی گاڑیوں میں مختلف Souveniers بکنے کیلئے سجا کر رکھے گئے تھے۔ کچھ شاپنگ کی اور پھر ہم گاڑی میں بیٹھ گئے۔

یہ امریکہ کی معروف ترین سڑک ہوگی۔ ہر جانب رش اور زندگی سے سرشار مقامی لوگ

اور سیاح۔ سڑک کے دونوں جانب عمارات اور دفاتر تھے۔ ان کی اہمیت کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ کچھ من چلے جاگنگ میں مصروف تھے۔

ہماری منزل لنکن میموریل تھی۔ قریب ہی سنگ مرمر کا ایک تاریخی میموریل ابراہم لنکن کی یاد دلاتا تھا۔ Capital Hill کا مخصوص گنبد جہاں سے گھومیں نظر آجاتا تھا۔ میموریل میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنی پڑتی ہیں۔ سامنے یونانی طرز تعمیر سے مشابہ بلڈنگ میموریل ہے۔ اسکی چھت کے نیچے بڑے بڑے دیوقامت ستون ہیں۔ ان کے اوپر ہر طرف امریکہ کی ریاستوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ آخر کو یہ قومی یادگار جو ہوئی۔ سیاح تھے کہ ہر جانب خوردو کلاں مختلف زبانیں بولنے والے، یہ امریکہ کا حسن ہے۔

سیڑھیاں دو منزلوں میں طے کرنے کے بعد اب ہم اس عمارت کے اندر تھے۔ دونوں جانب دائیں بائیں ابراہم لنکن سے متعلق اقوال اور احوال درج تھے۔ کچھ فن نقاشی کا نمونہ تھے۔ بالکل سامنے

ابراہم لنکن کا سنگ مرمر کا بہت بڑا مجسمہ تراشا ہوا ایستادہ تھا۔ بت گری ہمارا شعار نہیں لہذا اسکے خواص و اجزائے ترکیبی سے ہمارا بے بہرہ ہونا کسی تعجب کا باعث نہیں۔ احسان مند قوم نے صدر کی یادگار بنا کر اپنے احساس سپاس گزاری کا اظہار کیا ہے۔ میں مجسمے کے سامنے کھڑا عظمت کے اس پیکر کی ہمت اور فکر کی داد دے رہا تھا۔

کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ ایک کونے میں کھڑا ہو کر میں نے دوسری جانب کا نظارہ کیا تو سامنے Capital Hill نظر آرہی تھی اور سامنے جاتے ہوئے پانی کے حوض اور سیڑھیاں۔ جیسی ہمارے شالامار باغ میں ہیں۔

یہ منظر اکثر ٹی وی اور فلم اسکرین کی زیب و زینت بڑھاتا ہے۔ فلم Philedelphia میں بھی نظر آتا ہے۔ ایک جوڑا مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ شکل سے ایشین لگتا تھا۔ معلوم نہیں گفتگو کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ پڑوسی لگتے تھے۔ میں نے آداب کہا تو میلے دانتوں کی نمائش ہونے لگی۔

اب ہم دوسری جانب ہولیے۔ تھوڑا چلنے کے بعد ہم دریا کے کنارے پہنچ گئے۔

سیاحوں کو لانے والی گاڑیوں' کاروں رش سائیکلوں کا رش۔قدرے احتیاط سے سڑک عبور کرنے کے بعد میں دریا کے کنارے پہنچ گیا۔خوبصورت بطخیں دریا میں تیر رہی تھیں۔معلوم نہیں اب بطخیں ہمارے ہاں کیوں نایاب ہو رہی ہیں نظر ہی نہیں آتیں یا شاید ہمارے پاس انہیں دیکھنے کا وقت نہیں۔قائیں قائیں کی آواز بالکل بدیسی انداز میں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

سامنے رانا صاحب گاڑی سے آئے تو غنیمت سمجھا کہ مزید چلنے کی اذیت سے بچ گئے۔ہم ادھر ادھر سے گھوم کر 7th Street پہنچ چکے تھے۔ Legal Sea Food سبزی مائل بورڈ کے ساتھ ہمارا منتظر تھا۔

یہ ریستوران بوسٹن میں بھی ہے۔معلوم نہیں اسکا نام قانونی سا کیوں ہے۔بھلا یہ کیا نام ہوا۔اگر یہ Legal Sea Food ہے تو کیا کوئی Illegal Sea Food بھی ہو سکتا ہے۔میں سوچنے لگا۔ممکن ہے یہ قانونی کیا' لیگل شعار پر کاربند ہوں۔ہمیں آم کھانے سے غرض ہے پیڑ گننے کی کیا ضرورت ہے۔سچ مانیے تو یہ قول پر حکمت اس وقت بہت کام آیا اور میں نے وجہ تسمیہ جاننے کی خواہش کو کھانے پر مقدم نہ جانا، یہ کوئی شیطانی سا وسوسہ لگتا ہے۔اعوذ باللہ عین کھانے کے وقت۔قیامت ہے۔

محتاط کھانا بڑے کام آیا۔دائیں بائیں لوگ مشروب رنگین لمبوترے گلاسوں میں برف سے یخ کیے پی رہے تھے غالباً یہ انکی غذا کو حلق میں اتارنے کے کام بھی آ رہا تھا۔یکا یک سامنے میز پر بیٹھے لوگوں نے پانی میز پر گرا دیا۔وقتی طور پر ایمرجنسی سی نافذ ہوئی مگر عملے نے کمال ہوشیاری سے صورتحال پر قابو پایا۔

اب چلنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ہم واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔سڑکوں کی بھول بھلیوں سے نکل کر دریائے Ptomic کو عبور کر رہے تھے۔بجرے اور تفریحی کشتیاں نہایت شرافت سے دریا کے کنارے لگی کھڑی تھیں۔امراء اور Executives ان کو بزنس کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور تفریح کے لیے تو خیر وہ بنی ہی تھیں۔عجیب فلمی سا منظر تھا۔الٹے ہاتھ معروف سٹور اور شاپنگ مال تھے ایک جانب ریاست Mary Land ہے۔ Arlington اور Falls Church وغیرہ سب قریب ہی ہیں۔

ہم شہر کی پر ہجوم ٹریفک سے نکل کر دوبارہ احساس کشادگی سے سرشار واپسی کا سفر طر کر رہے تھے Ni River پھر Po River پھر Ashland سب دائیں بائیں سے ہو کر گزر رہے تھے۔ موٹر سائیکل بہت کم نظر آتے تھے۔ چند موٹر سائیکلوں پر نوجوان فراٹے بھرتے ہوئے حد رفتار کی دھجیاں اڑاتے ہوئے نظر آئے۔ Chips نامی ٹی وی سیریل اور انکا ایک کردار Eric Estrada یاد آیا جو ایسے موقع پر نہ جانے کہاں سے نکل آتا تھا اور ٹریفک کا قانون توڑنے والوں کی شامت آتی۔ ستر کی دہائی کی یہ سیریل ہمارے شباب کی ہم عمر تھی۔

میرے دائیں بائیں دیکھنے کے باوجود Chips نظر نہ آئے۔ چلو جی فلم فلم ہی ہوتی ہے ضروری تو نہیں کہ حقیقت پر مبنی ہو۔

اب Stafford ائیر پورٹ نزدیک نظر آ رہا تھا یہ Regional Airport تھا۔ ایک Cesna جہاز مانوس سی آواز کے ساتھ درختوں سے تھوڑا اونچا پرواز کر رہا تھا۔ واہ بھئی امریکہ تیرے نظارے۔ آگے گئے تو Malta River نظر آ رہا تھا۔ سبزہ دل کو لبھا رہا تھا۔ چائے کی طلب نے روح اور نظر دونوں کو گرما دیا۔ ہم ایک بار پھر Fredricks Burgh میکڈونلڈز پر موجود تھے۔

سکول کے بچے نہ معلوم کہاں سے آ کر کہاں جا رہے تھے۔ ان کی قطار ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک سیاہ فام اپنے بیٹے کے ساتھ کھڑا تھا۔ دور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اچانک قریب آیا اور پوچھنے لگا آپ پاکستانی ہیں۔ جی ہاں میں نے جواب دیا۔ گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر بولا میں اسلام آباد میں امریکی سفارتخانے میں فلاں اہلکار ہوں۔ کیسے ہیں آپ امریکہ میں دیکھ کر خوشی ہوئی ہے میں نے جواب دیا۔

موصوف نے ٹی شرٹ پر اسلام آباد میں امریکی سفارتخانے کا Logo بنا رکھا تھا۔ گپ شپ ہونے لگی۔ کاروں کی باتیں، کمپیوٹر کی باتیں آپ کو امریکہ کیسا لگا۔ بہت اچھا، میں نے جواب دیا۔ میں اسلام آباد میں خوب گھوما پھرا ہوں۔ وہاں کے ہوٹلوں کا تذکرہ ہونے لگا۔

چائے کی چسکی لیتے ہوئے میں نے سوچا دنیا بھی کتنی چھوٹی اور مختصر ہے۔ سکول کے بچے شور مچا رہے تھے۔ میں بیت الخلاء میں درج غلیظ اور بیہودہ تحریروں پر تلملا رہا تھا۔ ابھی سفر

باقی تھا۔ بہتر ہوگا کہ مزید دیر نہ کی جائے۔ رانا صاحب کا مشورہ بڑا برمحل تھا اور بروقت بھی ہم Fredricks Burgh سے نکل رہے تھے۔ Petersberg کا نیشنل وار فیلڈ سامنے تھا۔ جنگ و جدل سے بھرپور شاہکار یہیں تخلیق ہوئے ہوں گے۔ امریکیوں کے ماضی کی یادگاریں جابجا بکھری پڑی ہیں' خود بوسٹن میں ہم سولجرز فیلڈ پارک سے موسوم عسکری بلاک کے رہائشی تھے جسے عرف عام میں SFP کہہ کر ہی کام چلایا جاتا تھا۔

رانا صاحب کی موٹر جسے موٹر کہہ کر شاید میں اس کی تضحیک کا مرتکب ہوا ہوں گا کمال کی گاڑی تھی، اس میں بیٹھ کر Knight Rider نامی ٹی وی سیریل کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

اس سیریل کا ہیرو جرمن نژاد اداکار ہے اور آج کل Bay Watch نامی سیریل میں مددگار پیراک کا رول ادا کر رہے تھے۔ امریکہ میں ایک پاکستانی بزرگ کہنے لگے ہم نے سنا ہے جب Bay Watch لگتا ہے تو پاکستان میں سڑکیں ویران ہو جاتی ہیں۔ قطعاً بھی تو نہیں، میں نے وثوق سے جواب دیا۔ عوام الناس نے شاید اس کا تذکرہ بھی نہ سنا ہو۔

موٹر کے نام سے سادہ لوح بزرگ یاد آجاتے ہیں جو کار کو موٹر بنانے پر مصر ہوتے ہیں۔ رانا صاحب کی گاڑی ایسے کمپیوٹر سے آراستہ تھی جسکا رابطہ سیٹلائٹ کے ذریعے سے قائم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی سکرین رہنمائی کے لیے موجود ہے آپ امریکہ بھر میں جہاں بھی ہوں اپنی منزل کا تعین کیجیے۔ اور بٹن دبایئے نسوانی آواز میں کمپیوٹر کی خودکلامی شروع، رہنمائی کا فریضہ شروع ہو جاتا ہے۔ آپ کے سامنے فلاں شاہراہ ہے، اس طرف کا رخ کریں اور اگر ممکن ہو تو فلاں جانب مڑ جائیں۔ راست بازی کا عالم، اگر راستہ معلوم نہ ہو تو خود بخود اقرار ہوگا۔ Entering an unidentified area سائنسی ترقی کا کمال ہے۔ اکثر اوقات اسکی بسیار گوئی خیالات کو منتشر کرنے کا باعث بنتی ہے۔

رانا صاحب کے ایک کاروباری رفیق جھامرہ جی بھی ہیں نام سن کر چونک گئے ناں آپ بھی یہ سردار صاحبان کی پنجاب سے محبت تو ضرب المثل ہے اکثر اپنے گاؤں کا نام اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہیں۔ میں یہ بات بغیر تحقیق کے کہہ رہا ہوں، اگر کسی صاحب کا نام ایسا نہ ہو تو میں ذمہ دار نہیں۔ مخبیت سنگھ بال پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں۔ شری سنتا سنگھ بال کے ہونہار

پوت ہیں۔ گوپال نگر امرتسر میں رہتے ہیں اب معلوم نہیں بال کلاں انکے گاؤں کا نام ہے۔ جھامرہ جی کا صبح سویرے موبائل پر فون آیا تو رانا صاحب کو کہنے لگے۔ تاپ چڑھا ہے۔ پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔ شام ڈھلتے ہی سردار صاحب نے فوراً رابطہ کیا۔

رانا صاحب نے میرا تعارف کرایا' میں نے بھی جھامرہ جی سے کلام کیا خالص پنجابی، کسی بڑے دل والے خالصے سے بات ہو رہی تھی۔ لاہور کا تذکرہ سن کر سردار جی نہال ہونے لگے۔ "لاہور تاں سکھی دا ارمان اے"۔

"آپاں کر مچاری آں"۔ میں نے تعارف کرایا۔ سردار صاحب انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس سے زیادہ مطمئن نہ تھے۔ مجھے نیویارک آنے کی دعوت دینے لگے۔ آپ سے ملنے کا اشتیاق رہے گا۔ جھامرہ جی کے دو تین گیس اسٹیشن اور چند ایک کاروباری مصروفیات ہوں گی۔ میرے انداز خطابت اور طور طریقے سے رانا صاحب محظوظ ہوئے۔

اب میں گاڑی چلا رہا تھا۔ رات کو رانا صاحب ایک جگہ کھانے پر مدعو تھے۔ یہ عشائیہ حجاج کرام کی بخریت واپسی پر ایک صاحب نے دیا تھا جو رانا صاحب کے قریب ہی رہتے تھے۔ میں بن بلائے مہمان کی حیثیت سے جا شامل ہوا۔

ہم لوگ دنیا میں کہیں بھی چلے جائیں، کبھی بدل نہ پائیں گے۔ جملہ حاضرین کی بحث، چند ایک کی کج بحثی اور بغیر دلائل کے گفتگو سننے کے بعد میں نے حاصل کلام کے طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا۔

ایک صاحب تو کافی غصے میں تھے اور حاضرین پر برس رہے تھے۔ جناب شیخ کے اس انداز سے کون مطمئن ہو گا۔ یہ میرا مسئلہ نہ تھا۔ صاحب خانہ اول اسلام آباد میں ملازمت کرتے تھے پھر امریکہ آ بسے اب وہیں کے ہو لیے تھے۔ یہاں حلال حرام کا مسئلہ یہ ہے کہ جو مل جائے اللہ کا نام لے کر کھا لو۔ ہر مسئلے کا آسان حل۔ شیخ پھر فارم میں تھے۔ رات کو خوب گہری نیند آئی۔

آج اتوار کا دن تھا اور ہم نے رائٹ برادرز کے اس مقام تک جانا تھا جہاں دنیا کی اول ترین پرواز وقوع پذیر ہوئی تھی۔ یہ North Carolina کے لیے بے حد اعزاز کی بات ہے۔

آج ہمارا رخ ایک اور سمت تھا۔ چند ایک مسافر نظر آ رہے تھے۔ خوب ناشتہ کرنا اچھا

تجربہ تھا۔ انجانے سفر پر۔ امریکہ کے سفر میں خوب مزہ آ رہا تھا۔ Kentucky نامی ریاست تو خوب معروف ہے۔ اپنے فرائڈ چکن کی وجہ سے کرنل سانڈرز کی عسکری خوبیوں کا تو علم نہیں مگر رئیس مطبخ ہونے میں کلام نہیں۔ فربہ اندام کرنل صاحب نے دنیا کو خوب کام پر لگایا ہے۔ مرغوں کی تو نسلیں سنور گئی ہیں۔ وہ تکریم کہ ہر کوئی دلدادہ' اس ریاست Kentucky میں ایک قصبہ مدینہ کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے جبکہ ایک جگہ لاہور کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ترکی بھی وہیں ایک جگہ کا نام ہے۔

آکسفورڈ کے نام کی یہاں کوئی خاص پذیرائی نہیں' لٹل ٹاور اور Glass Blowing Factory بھی اس چھوٹے سے ٹاؤن میں ہے۔ ایک چکن پراسسنگ پلانٹ بھی ہے، جہاں مرغ کی تمام اشیاء استعمال ہوتی ہیں۔ یہ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ آپ خام مال کو مکمل طور پر استعمال کریں اور کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ Oxford کے ساتھ Butcher Row واقع ہے۔

یہاں فیڈرل Prison واقع ہے جہاں بدنام ترین مجرم رکھے جاتے ہیں۔ یہ عادی مجرمان جو معاشرے کے لیے ناسور ہوتے ہیں اس جیسے زندان میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ جیسے Child Killers وغیرہ۔ اس Butcher نے آکسفورڈ کے نام کو کیسی بدنمائی بخشی ہے۔ میں سوچنے لگا۔ آکسفورڈ اور کیمبرج دنیا کی بہترین درسگاہوں میں شمار ہوتی ہیں۔ مجھے Thames Valley' آکسفورڈ اور وہاں سے وابستہ حسین یادوں نے اداس کر دیا۔ Handerson' Raleigh سے قریب 45 میل کی مسافت پر ہوگا۔ یہاں پر Utility Production پلانٹ واقع ہے جو کوئلے سے چلتا ہے۔ شیشے کی بوتلیں بنائی جاتی ہیں۔

Creedmoor نامی خوبصورت گاؤں میں داخل ہو کر ایک غیر معروف راستے پر ہو لیے یہاں ہندوستانی اور پاکستانی ایک تعداد میں آباد ہیں۔

Knights Dale خوبصورت سا چھوٹا سا گاؤں ہماری توجہ کا مرکز تھا۔ خوبصورت گھر، سبزہ، سکون اور کیا چاہیے۔ میں سوچنے لگا۔ دنیا میں دیکھنے کو کیا کچھ نہیں ہے۔ مگر مدت حیات قلیل ہے، کیا دیکھیں کیا نہ دیکھیں۔ کاش ہم بھی اپنے خوبصورت وطن کو اس حسن جو قدرت

نے دیا ہے سے محروم نہ کریں۔ درختوں سے محرومی' عفریت کی طرح پھیلتے قصبے اور شہر سب کچھ ہڑپ کرنے میں مصروف ہیں۔

ہم Nashville پہنچ رہے تھے۔ یہ Franklin County ہے۔ یہاں Robert Vilpmort Hurst نامی پتلے دبلے Chairman County Commissioner کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ساڑھے چھ فٹ طویل القامت دس سال چیمپئن رہے Green Collard (ساگ) بلے انڈے' Hotdogs Pumpkin Pie سب کھا جاتے۔ ان کو ایک مقابلہ میں یورپ میں بلایا گیا، وہاں بھی موصوف سب کچھ کھا کر مقابلہ جیت گئے۔

Marc Basnight اکثریتی لیڈر ہیں۔ یہ سڑک جس کی حد رفتار 65 میل کے بجائے 70 میل فی گھنٹہ مقرر ہے کا سہرا انہی کے سر ہے۔ 64 اور 26 نمبر کی شاہراہیں Raleigh سے Manleo تک ہے۔ وہاں تک 4 lanes میں Limited access تک ہے۔ Marc Basnight ڈیموکریٹ ہیں اور ان کی کاؤنٹی Edge Combe کہلاتی ہے۔

Tar River سامنے نظر آ رہا تھا، یہ Rocky Mountain County ہے۔ سڑک پر پل آپ کو جا بجا نظر آئیں گے۔ محکمہ منصوبہ بندی و ترقیات کا بھلا ہو کہ میں اس کے تکنیکی اوصاف اور ہیت پر غور کرنے لگا۔ ہر پل قریباً 1 ملین ڈالر سے بنتا ہے اور Asphalt Road کی لاگت 200 thousand ڈالر فی میل بنتی ہے۔ سڑکوں پر Authorised vehicles کے بورڈ لگے ملتے ہیں کہ یہاں صرف وہ ہی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ یہ پولیس کے استعمال میں ہے۔

دروغ بہ گردن پلکھو' اس لیے کہ راوی بے چارے کی گردن پر پہلے ہی کافی دروغ لاد دیئے گئے ہیں۔ سنیٹر Marc Basnight نے سپیڈ کی رفتار Manleo جو Dare County میں واقع ہے سے جلدی Raleigh پہنچنے کے لیے بنوائی ہے، یہ Legislators کی صوابدید ہے۔ ذاتی طور پر اتنی عمدہ سڑکوں پر صرف 65 میل فی گھنٹہ کی

رفتار سے گاڑی چلانا بڑا ہی صبر آزما کام ہے۔ آخر سڑکیں کس لیے بنی ہیں اور ایسی تیز رفتار گاڑیاں بھی، عجلت بھی تو کسی چیز کا نام ہے۔

اب کھیت سڑک کے کنارے نظر آ رہے تھے۔ ہم رک گئے۔ دور باڑ کے اس پار کسی زمیندار کا گھر تھا۔ سامنے درخت پر مچان بنی تھی۔ اندازہ درست ہے ہرن کے شکار کے لیے۔ میں آرام سے ٹہلنے لگا۔ Pine کے درخت کے نیچے چھوٹے چھوٹے Conical ٹکڑے مجھے Anscomb 36 روڈ کوئٹہ یاد آنے لگا۔ جو کبھی میری اقامتگاہ تھی۔ کوئٹہ کا کمشنر ہاؤس اسکے لان میں بھی یہ Cone پائے جاتے تھے۔

ساتھ سڑک پر استعمال شدہ Can پڑے نظر آئے۔ ہت تیرے کی یہ کس نے امریکہ کو خراب کر دیا۔ میں سوچنے لگا۔

نارتھ کیرولینا تقریباً چھ سو میل لمبا ہے اور قریب 180 میل چوڑائی میں پھیلا ہوا ہے۔ سفر شروع تھا۔ یہاں کے اسلوب اپنے ہیں۔ بزنس سے مراد یہ ہو گی کہ آپ کچھ خریدنا چاہتے ہیں جیسے گاڑی کے لیے گیس یا کچھ بھی، مشروبات و ماکولات وغیرہ اور اگر آپ کچھ بھی خریدنا نہیں چاہ رہے اور ویسے ہی وقت گزار رہے ہیں تو یہ Alternate گا۔

زندگی کی ترجیحات وضع شدہ ہیں، وقت ہی سب کچھ ہے۔ دولت' متاع تمام ضائع کرنے کی گنجائش نہیں۔ کام کے وقت کام، دام اور اجرت اس کی ہے۔ گھنٹوں کے حساب سے محنت اور مشقت اور اسکا معاوضہ بھی اس قدر

نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایت زمانہ

کوئی پرسان حال نہیں محرم نہیں دلدار نہیں۔ دولت ہی عیوب کو چھپا رہی ہے اور اپنے تئیں قاضی ءالحاجات بھی۔ رانا صاحب بتا رہے تھے پروفیشنل ڈاکٹرز وغیرہ نے خوب نام کمایا ہے اور ان کا اپنا سماجی رتبہ اور حیثیت ہے۔ Wilson Ahoskie میں ایک صاحب ڈاکٹر قریشی ہیں۔ محنت شاقہ سے اپنی حیثیت منوائی ہے۔ ان کے اپنے فارم میں چھوٹا سا رن وے بھی ہے اور Cesna جہاز بھی۔ ڈاکٹر صاحب Raleigh اپنے جہاز میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ واہ بھئی خوب بات ہوئی ناں۔

سڑک کے کنارے فارم ہاؤس' کھیت اور چھوٹی Huts نظر آ رہی تھیں۔ یہ بڑا دلچسپ مقام تھا مگر وقت آڑے آ رہا تھا۔ ایک طرف جھیل خشک پڑی تھی۔ اس سوکھے اور روکھے پن کی وجوہات معلوم نہیں کیا تھیں۔ نیلے رنگ کا آئل ٹینکر تیزی سے گزر رہا تھا ہمارے ہاں تو ٹرکوں پر یا تو " کفیل بھائی لیفٹ آرم سپنر گھوٹکی " لکھا ہوتا ہے یا عشقیہ اور دھتکارے ہوئے شعر۔ جیسے "جہاں بے درد حاکم ہوں وہاں فریاد کیا کرنا" مگر یہاں حاکموں کی عزت محفوظ تھی صرف یہ لکھا تھا " We stop at all Rail crossings "میں آئل ٹینکر والے کے احساس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ Prince Ville یہاں نزدیک ہی تھا اور اس کے خدو خال دور سے نظر آ رہے تھے۔ یہ سیاہ فام غلاموں کا گاؤں تھا۔ جس کی اپنی تاریخ ہے یہ محنت کش ان کھیتوں کو کاشت کرتے ہیں۔ بڑے بڑے فارم تھے۔ جاگیرداری کا مقامی روپ تاریخ نے محفوظ کر چھوڑا تھا۔ 1997ء میں اس علاقے میں سیلاب آیا، مقامی آبادی کو متبادل جگہ کی پیشکش کی گئی مگر انہوں نے اجداد کی یادگاروں کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ہم اپنے بزرگوں کے ہڈیوں اور مدفن چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ سیلاب سے قبور نے سب کچھ اگل دیا۔ سنا ہے لکڑی کے تابوت پانی میں تیرتے پھرتے تھے۔

دوسری حیران کن چیز یہاں کی Adopt a Highway کے متعلق تھی۔ سڑک کا ایک حصہ Adopt کر لینے کا مطلب ہوا آپ اسکی صفائی کا ذمہ لے رہے ہیں۔ پورا معاشرہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے کو تیار اور مائل نظر آتا ہے۔ شاید سڑکوں پر سفر کرنے والے بھی احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ایک ہم ہیں کہ لاکھوں کی گاڑیوں میں سوار متمول اور صاحب حیثیت پڑھے لکھے لوگ بھی، گاڑی میں سفر کرتے ہوئے سگریٹ نوشی تو ضرور کریں گے مگر راکھ جھاڑنے کو قیمتی گاڑی کی Ash Tray استعمال کرنے کے بجائے گاڑی کا شیشہ کھول کر راکھ باہر سڑک پر جھاڑیں گے۔

جو تھا نا خوب وہی خوب ہوا

Princeville گزر چکا تھا، یہاں کے باہمت غیور سیاہ فام Afro

American بھی جو آج بھی اجداد کی نشانیوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اپنی اقدار اور روایات کے امین ہیں۔ یہ اہل دل وہ ہیں جنہوں نے تازہ بستیوں کے بسانے اور وہاں سے چلے جانے کو گوارا نہ کیا۔

ہم سڑک پر چکر کاٹ کر اب Williams Ville کی طرف مڑ رہے تھے۔ یہ چھوٹا سا قصبہ اپنے اندر بہت کچھ سموئے ہوئے تھا۔ گاؤں کے باہر تمام جدید سہولتیں مہیا تھیں۔ میکڈونلڈز بھی موجود تھا مگر سیدھے رخ جاتے ہوئے بازار اور کوچہ ہائے اور ہی رنگ دکھا رہے تھے۔ امارت اور معاشی اسودگی ایک طرف تھی۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے۔ معاشی فراوانی گھٹتی نظر آئی۔ عمدہ دالان' مکان پیچھے رہ گئے۔ سامنے ریلوے کراسنگ نظر آئی، روایتی امریکن کراسنگ بڑا سا " X " کا نشان نظر آ رہا تھا۔ ذرا آگے جا کر ایک طرف کو گھوم گئے تو غرباء کے در و دیوار نظر آئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنکے دامن میں زندگی کی خوشیاں تو ہوں گی مگر دولت کی ریل پیل نہیں۔ مکانوں کی حالت' مکینوں کے مشکل حالات کی غمازی کر رہی تھی۔ اکھڑے پلستر' بغیر نفاست کے پھول پودے۔ آنگن میں تار پر لٹکے کپڑے' چھوٹے برآمدوں میں بوسیدہ فرنیچر، سب زبان حال سے داستان عسرت سنا رہے تھے۔ کتنے تلخ تھے بندہ مزدور کے اوقات۔

یہ میرے لیے غیر متوقع منظر تھا۔ میں نے نگاہوں میں وہ منظر محفوظ کر لیے کہ ہارورڈ کے معیشت دان Jay Rozen Gard اور Tony سے ضرور پوچھوں گا کہ آج Williams Ville کی کیس اسٹڈی پر بحث ہو، میں بھی ایک کیس اسٹڈی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ہمیں مڑتے ہوئے Hurst Brothers کی پرانی آئس فیکٹری دکھائی دی جہاں برف آج بھی بنتی ہے۔ پرانے در و دیوار بالکل جیسے ہمارے ہاں کے برف خانے ہوتے ہیں۔ مجھے کسی آسیب کی موجودگی کا احساس ہونے لگا' غربت سے بڑا آسیب کیا ہو گا۔ ظلم، زیادتی سب کے سب آسیب ہی تو ہیں۔ غربت کی یہ تشریح میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ گاڑی لمبا موڑ کاٹ کر انجانے راستوں پر فراٹے بھرنے لگی۔

نئے اور پرانے امتزاج کے مناظر اوجھل ہو چکے تھے۔ یہ سب زرعی علاقہ تھا اور وہ بھی

امریکہ کا آبادکاروں کی محنت کا صلہ لہلہاتے کھیت وسعت تا حد نظر، مگر نہ آلودگی نہ مٹی، نظم اور ضبط سلیقے کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔

تمباکو کی کاشت دیگر مقامات کی طرح یہاں بھی زوروں پر تھی۔ کاشتکاروں کی خوشحالی اس وقت گہنا گئی جب اڑتالیس ریاستوں نے اس امر کا ادراک کیا کہ تمباکو نوشی مفاد عامہ میں نہیں اور تمباکو کی صنعت پر ہر جانے کا مقدمہ ہوا کہ عوام الناس کو تمباکو نوشی کے مضر رساں ہونے کا شعور نہیں بخشا۔ تمباکو نوشی کے نقصان نے تمباکو کی کاشت پر گہرا اثر چھوڑا اور کاشتکار اب اس کے متبادل تلاش کرنے لگے۔ چونکہ تمباکو کی خرید کم ہوئی تو کاشتکار مجبور ہوئے کہ کچھ اور کاشت کریں۔

قرعہ مونگ پھلی اور دیگر زرعی اجناس کے نام نکلا۔ یہ زمین ہماری ریتلی زمین سے مشابہ ہوگی۔ جہاں مونگ پھلی پیدا ہوتی ہے۔ مونگ پھلی میرے گاؤں میں بھی پیدا ہوتی ہے جس کی قلیل مقدار کو جزو بدن بنانے کے بعد کھانسی میں ہم اکثر خود کفیل ہو جاتے ہیں۔

اس کا خوردنی تیل بھی کام آتا ہے۔ امریکہ میں نا معلوم کیا کیا استعمال ہوں گے۔ کھیتوں کے ساتھ بورڈ لگے تھے۔ آپ یہاں سے مونگ پھلی خرید سکتے ہیں۔ عزیزوں کے لیے مونگ پھلی کا تحفہ مناسب ہے۔ کیا کیجیے مونگ پھلی تو ہم خرید لیتے، مگر ہمارے عزیز تو اس جھانسے میں آنے والے نہیں لہذا اس ارادے کو موقوف کرنا ہی عافیت ہے۔

امریکہ کی کچھ ریاستوں میں مذہبی جذبات کا عمل دخل زیادہ ہے اور وہ انتخابات میں اثر انداز بھی ہوتا ہے، بالکل ایسے جیسے دنیا میں کئی جگہوں پر بھی ہوتا ہوگا۔ ان کو Bible Belt کا علاقہ بھی کہا جاتا ہے۔ قدامت پسندی اور مذہبی اقدار کی پاسداری کی جاتی ہے۔

راستے میں مختلف چرچ نظر آ رہے تھے۔ لوگ اب اٹھ چکے تھے اتوار کو سروس کے لیے چرچ جانے والے نظر آ رہے تھے۔ سامنے لمبی سی کار میں خوش پوش حضرات عبادت کے لیے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کو بھی عبادت کے دوران زینت اختیار کرنے کا کہا گیا ہے۔ رب کریم جمیل ترین ہیں اور خوبصورتی پسند فرماتے ہیں، میں سوچنے لگا۔ ایک جانب Moly & Neck نامی چرچ تھا تو چند میل آگے New Boptist چرچ نظر آ رہا تھا۔ ایک کلیسا

کے باہر Yian Church کا بورڈ لگا تھا۔

دائیں جانب چھوٹے چھوٹے Pony کھڑے نظر آ رہے تھے ایک نوجوان لڑکی ان کے ساتھ کھڑی بھلی نظر آ رہی تھی۔ مجھے روایتی ویسٹرن فلموں کے سین نظر آنے لگے۔ ذہن میں فلم چلنے لگی۔ Little House on Praivie نامی پروگرام یاد آ گیا۔

سامنے بائیں جانب Church of Christ Church تھا۔ لگتا تھا کہ گرجا گھر کے باہر کھڑے لوگ حالات حاضرہ پر بحث کر رہے تھے، انداز ایسا تھا، ایک جانب قبریں تھیں، نامعلوم قبریں۔

اول و آخر فنا ظاہر و باطن فنا

ساری دوڑ دھوپ کے بعد ابدی نیند۔ یہی حقیقت ابدی ہے۔ سڑک گھوم کر پانی کے وسیع ذخیرے کے ساتھ گزرنے لگی۔ ایک جانب تعمیراتی کام جاری تھا۔ ترقیاتی کام کا جائزہ اور پڑتال کا سنہری موقع ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ مجھے سلیمان غنی صاحب یاد آنے لگے، جنکے ایک فرمودہ کے مطابق میں Our Rowing Ambassador to check development Projects around the World تھا۔ ایسے کمال کے لوگ زندگی میں کم ہی دیکھے ہیں۔ میں بزعم خود مسکرانے لگا۔ تھوڑی دیر رک نہ جائیں رانا صاحب کا خیال برمحل تھا۔ ایک چھوٹا میوزیم بند تھا۔ لکڑی کے تختوں سے بنا گھر اس وقت مکینوں کو ترس رہا تھا۔ بوٹوں کی آواز سے چوبی تختے لرزنے لگے۔

خاتون مسکراتی ہوئیں برآمد ہوئی پکنک کا ارادہ ہے، پوچھنے لگیں۔ جی ہاں بس ذرا Outer Banks تک میں نے جواب دیا۔ کیا کرتے ہو بھلے کام کرنے میں ہی عافیت ہے میں نے جواب دیا۔ باتیں مزے دار کرتے ہو وہ بولی کیا مضائقہ ہے۔ میں نے برجستہ کہا۔ میرا نام Adriana ہے، یہ کہہ کر اس نے ہاتھ۔ بڑھایا میں نے ہاتھ ملایا۔

یہاں سڑک کنارے پانی کیوں کھڑا تھا۔ گفتگو کا باقاعدہ آغاز شروع ہوا۔ یہ پانی 18 انچ گہرا ہے جا بجا پانی کے تالاب بنا دیئے گئے ہیں تا کہ سڑک سیم سے خراب نہ ہو جائے۔ یہاں سانپ ہوتے ہیں میں نے پوچھا۔ بالکل جواب ملا۔ یہ تو لوکل سانپ ہیں۔ اب ریچھ یہاں نہیں

ہوتے ،شاید تھوڑے بہت ہوتے ہوں تو میرے علم میں نہیں۔ سامنے گاڑی میں بیٹھی خاتون نے بے تکا ہارن بجانا شروع کر دیا۔ Adriana اسی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

پھر تیرا وقت سفر یاد آیا

ہم بھی چل پڑے۔ سمت ہائے مخالف میں۔ آلو اور مونگ پھلی کے کھیت عنقا ہو گئے۔ جنگل سا شروع ہو گیا۔ سڑک کے ساتھ سیم اور جھاڑیاں اور گھاس پولیس کی گاڑیاں با افراط دائیں بائیں نظر آ رہی تھیں، نہ جانے کیا نقص امن کا اندیشہ تھا معلوم نہیں۔

سانپوں پر بحث ہونے لگی۔ میں نے گوادر میں سمندری سانپ بھی دیکھے ہیں۔ گورنر ہاؤس گوادر کے سامنے ساحل پر جمعدار کریم بخش نے میرے سامنے ایک سانپ کو مار کر بہادری کی دھاک بٹھائی تھی۔ موصوف اس خاکسار کی حفاظت پر مامور تھے۔ اس علاقے میں 'Copper Head Cotton mouth اور white mouth جیسے زہریلے سانپ پائے جاتے ہیں۔ جبکہ Garden snakes جیسے سانپ بھی موجود ہیں جو زہریلے نہیں ہوتے۔

اس بات کی تخصیص کون کرے کہ آیا بالمقابل سانپ زہریلا ہے یا ویسے ہی درشتی سا ہے۔ احتیاط لازم ہے۔ سانپ سانپ ہی ہوتا ہے۔ بادشاہو کیا سمجھے۔

یہ سانپ ایسٹرن کیرولینا میں پائے جاتے ہیں۔ شکار کا شوق بھی بہت سے لوگوں کو ہے۔ شکار کا ایک انداز برٹش سٹائل ہے۔ شکاری ٹوپ پہنے بندوق تھامے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے جبکہ 10/12 شکاری کتے یا Hounds مسلسل بھونکتے ہوئے سپاہ کی صورت آگے آگے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ اگر خرگوش نظر آ جائے تو اسے چیر پھاڑ دیں۔

امریکن لوگ ان کتوں کو Hunting dogs ہی کہیں گے۔ دنیا والے جو مرضی کہیں ان کو پروا نہیں۔ ہرن کے شکار کے لیے مچان کا رواج بھی ہے۔ ایک مچان کا تذکرہ تو میں کر ہی چکا ہوں۔

تیر کمان کے ساتھ ساتھ شکار کا طریقہ متروک نہیں ہوا بلکہ ابھی بھی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تیر کمان ذرا "وکھری ٹائپ" کی ہے۔ برطانوی طرز شکار کا کیا تذکرہ، جب یہ

ہندوستان میں شکار کرتے تھے تو بڑے دھوم دھام سے' پہلے ہانکا ہوتا، ڈھول پیٹنے سے شور مچانے تک ہر حربہ استعمال کیا جاتا تھا۔ الموڑہ نینی تال اور نہ جانے کہاں کہاں شکار ہوا۔ جم کاربٹ اور ڈھیروں دوسرے شکاری اپنی شکاریات کی دھوم مچاتے رہے۔ یوپی کے جنگلوں میں "بھاگ" کے شکار کرنے سے بہادر بنے۔ صاحب بہادر تو تھے ہی انگلستان میں، برمنگھم کے عجائب گھر میں تو وائسرائے کا شکار شدہ Wild Boar جو 1927 میں پٹیالے میں شکار ہوا تھا۔ باقاعدہ حنوط شدہ عجائب گھر کی زینت بنا ہوا ہے۔

Chowan نامی دریا اس جگہ موجود ہے۔ ادھر Alligator River اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔

پانی میں تیرتی بطخیں بھلی لگ رہی تھیں۔ نا معلوم یہاں کتنے مگرمچھ ہوں گے کہ نام ہی Alligator River رکھ دیا ہے۔ تالاب اور بطخیں دیکھ کر مزہ آیا۔ جنگلی حیات زمانے کی دست برد سے بچ گئی تھی۔ جنگلی حیات اور جانوروں کے تحفظ قوانین شاید ترقی کرنے والے ممالک کے لیے رہ گئے ہیں۔ ترقی پسند اور ترقی یافتہ جو کریں ٹھیک ہے۔ کوئی اعتراض کرنے والا نہیں۔

مستند ہے آپکا فرمایا ہوا

Alligator River کا پل ایک میل لمبا تھا۔ عجیب بہار دکھا رہا تھا۔ ہم اسے عبور کر رہے تھے۔ Alligator River اٹلانٹک میں گم ہو جاتا ہے۔ دریاؤں کا سمندروں میں ملنا ایک طرح کا فطری ملاپ ہے' یہ نظارہ ہم گاڑی میں بیٹھے ہوئے کر رہے تھے' مجھے کالج کے اولین دن یاد آنے لگے۔ یہ خوش قسمتی تھی کہ پروفیسر مطیع اللہ خان جیسے استاد ہمارے اساتذہ میں شامل تھے۔ اہل زبان اور عالم' کلاسیکی ادب پڑھاتے ہوئے " گنگا جمنا " پر بحث ہونے لگی۔ ہر کسی کا اپنا خیال، مگر عقدہ یوں کھلا کہ ایک دریا کا پانی سنہری جب کہ دوسرے کا سلور ہے۔ ملاپ پر دونوں کا اپنا تشخص ایک حد تک برقرار رہتا ہے۔

دریائے سندھ اور کابل کے اتصال پر بھی دونوں کے پانی تھوڑی دور تک اپنی انفرادیت دکھاتے ہیں۔ یہاں پر واقع ایک لمبا پل ہے جو Draw Bridge کہلاتا ہے۔ اس پر سے گنگا

اور جمنا دیکھنے کی آرزو پوری نہ ہوئی ویسے بھی گنگا ماتا نے پاپ دھونے اور راکھ سمندر تک پہنچانے میں عرش سے اترنے والے دھارے کو شاید میلا نہ کر دیا ہو۔ جمنا تو دیکھنے والے ویسے بھی کھنبھ کے میلے والے ہی ہوں گے۔ واہ الہٰ آباد اور کیا امرود ہوں گے وہاں کے۔

Draw Bridge بڑی جغرافیائی اہمیت کا حامل ہے۔ سمندر سے آنے جانے والی ٹریفک اور جہاز اسی راستے سے گزرتے ہیں۔ لہذا اس پل کو جو انجینئرنگ کا شاہکار ہے سٹیل کے تختوں سے بنایا گیا ہے جو بوقت ضرورت اٹھا لیے جاتے ہیں اور دیو قامت جہاز پل کے درمیان سے گزر جاتے ہیں۔ واہ بھئی واہ میں سوچ رہا تھا۔ Alligator River کو National Refuge کا درجہ حاصل ہے۔ پل عبور کر کے ہم Bare country میں داخل ہو رہے تھے۔ ہم Outer Banks کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پل سے اترتے ہی جدید ترین رہائشی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ خوبصورت صاف ستھری کشادہ سڑکیں پیچھے نیلا پانی سمندر کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ۔ دکانیں اور ہوٹل نظر آ رہے تھے۔ ایک اور پل عبور کر کے ہم بائیں ہاتھ مڑ گئے۔

اصل رونق شام کو ہوتی ہوگی' زندگی جوان ہوگی' شامیں رنگین ہوں۔ زندگی کی رعنائیاں انسانوں کی دسترس میں۔ ایک جانب Dinosaur پارک بنا تھا کریہہ المنظر جانور اپنے وجود نامسعود کے ساتھ لپکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بچوں کی تفریح کا اچھا انتظام تھا۔

تمام ریستوران اپنی مخصوص شکل میں اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔ ریت بھی اڑتی دکھائی دیتی تھی۔ دس پندرہ منٹ کی محتاط ڈرائیونگ کے بعد ہم Wright Brothers National Museum کے سامنے تھے۔ تھوڑا سا گھوم کر ہم ایک ٹکٹ بوتھ کے سامنے تھے۔ ٹکٹ حاصل کیے ایک معلوماتی کتابچہ ہمیں تھما دیا گیا۔ یہ ایک وسیع و عریض علاقہ تھا۔ ایک طرف میوزیم دوسری طرف Kill Devil Hills نظر آ رہی تھیں۔ تیز ہوا مستی سے سرشار تھی۔ سیاح گنتی کے تھے۔ شاید ابھی قلوب کو گرما رہے ہوں گے۔

معلوم نہیں پہاڑی کو Kill Devil کیوں کہتے ہیں۔ ایک طرف تو شیطان کو مارنے کا عزم تو دوسری جانب شیطان سے دوستی بھی خوب ہے۔ انسانوں کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ بلھے

شاہ یاد آنے لگے۔ شیطان سے تو لڑتے ہو اپنے نفس سے کبھی لڑے نہیں۔ بہر کیف شیطان کے ساتھ وہاں بھی بری ہوئی تھی کہ پہاڑی اسکے لیے ہلاکت خیزی کا موجب تھی۔

ہم میوزیم میں داخل ہوئے تو فربہ اہلکار ہیٹ کے ساتھ شیرف بنا بیٹھا تھا۔ ہمارے ٹکٹ چیک کر کے خیر مقدمی کلمات ادا کر کے خاموش ہو گیا' ایک طرف کتب اور Souveniers موجود تھے۔ پیسے ہتھیانے کا آزمودہ اور پرانا نسخہ۔

ایک طرف شوکیس میں تصاویر لگی تھیں، میں نے ایک کونے سے عجائب گھر دیکھنے کا عمل شروع کیا۔ Memorablia Wright Monument بڑا بڑا تحریر تھا۔

" In commemoration of the conquest of the air by the brother wilbur and orville wright, conceived by genius, and achieved by dauntless resolution and unconquerable faith" یہ برمحل خراج عقیدت پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں ملٹن کی 'جنت گم گشتہ' کی اس تقریر پر جو ابلیس حضرت جبرائیل کی سپاہ سے شکست کھانے کے بعد اپنے جملہ شیاطین کو مخاطب کر کے کہتا ہے یاد آنے لگی۔

"What though fields be lost, all is not lost that unconquerable will"

کیا کریں' چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ شیشے کے نیچے ایک ٹکڑا محفوظ تھا جو رائٹ برادران کے جہاز Kitty Hawk کے Fabric mateiral سے لیا گیا تھا۔

"First flight centennial, fabric material of original 1903 Wright Flyer carried to suface of the moon on July 20, 1969"

"From kill Devil Hills Wright Kitty Hawk plane first powered controlled flight on Dec 17, 1903. The wood ws part of first left propeller and the fabric was from upper left wing"

میں چشم تصور میں سوچنے لگا ایک سو دو برس پہلے یہاں کتنا تاریخی لمحہ ہوگا جب انسان نے پہلی مرتبہ باقاعدہ طور پر اڑنا شروع کیا ہوگا۔ کیا سنسنی خیز لمحات ہوں گے۔ قدیم تصاویر اس کی منظر کشی کر رہی تھیں۔

ایک طرف یونیفارم میں تصاویر لگی تھیں۔ ایک تصویر سیاہ فام جنرل B.O. Davis کی تھی جو اپنے ہی بیٹے کرنل B.O. Davis جونیئر کو Distinguished Flying Cross دے رہے ہیں۔ کتنے خوش نصیب ہیں باپ اور بیٹا دونوں۔

شمشیر پدر خواہی بازوئے پدر زور آورد

ایک تصویر رائٹ برادرز کے والد Milton Wright کی تھی۔ بھلے مانس سے سادہ انسان، جنکے گھر ہر دو ہونہار سپوت پیدا ہوئے اور جہاز کی تخلیق اور پرواز کا اعزاز پایا۔ انکے کوائف میں درج تھا۔

Milton Wright, Bishop of Church of the United Brethren in Christ. Father of Wilbur and Orville. The Wright Brothers of Dayton ohio

ایک تصویر کے نیچے یہ عبارت تحریر تھی۔

"From the time we were little children my brother Orville and myself lived together, played together, worked togther and infact thought together....."

Wilbur Wright

ارباب میوزیم نے مزید تبصرہ اس طور کیا تھا۔

"Since childhood they had shared a common interest in mechanical devices, including small toy aeroplanes"

دوسری طرف ایک فوٹو Susan K Wright کی تھی یہ دونوں رائٹ برادرز کی والدہ تھیں۔ متانت چہرے پہ عیاں تھی۔ سوزی رائٹ 1889ء میں انتقال کر گئی تھیں۔ رائٹ

برادران نے سائیکل کے کاروبار سے زندگی کا آغاز کیا' مرمت سازی مشینوں سے آشنائی ذوق پرواز کو جلا بخشتی رہی۔ جنون رنگ بدلتا رہا۔ مشینوں کی مرمت اور فروخت سے کام شروع ہوا تو وہ سائیکل سازی تک پہنچ گئے۔

آلات کی نمائش میوزیم میں جاری تھی۔ جن آلات سے وہ کام کرتے تھے۔ شیشے کی شوکیسوں میں سجائے گئے تھے۔ سیاہ اور سفید تصاویر اس زندگی کی منظر کشی کر رہی تھیں۔ کہیں کہیں تفصیل سے عبارت میں مختلف ادوار کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی تھیں۔ ایک تصویر ان کی دکان کی تھی۔

ساتھ بڑے سے ہال نما کمرے میں Kitty Hawk کا تفصیلی ڈھانچہ پڑا تھا۔ ایک کونے میں رائٹ برادران اپنی تاریخی کاوش کو حقیقت کا رخ دینے میں مصروف تھے۔ اس ہوائی جہاز کی اولین شکل کو غور سے دیکھتے ہوئے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جا پہنچا۔

پچھلی دیوار پر تصاویر لگی تھیں۔ یہ تصاویر فضائیہ کے افسران اور ان ہوابازوں کی تھیں جو مختلف ادوار میں کارنامے سرانجام دیتے رہے۔ فضائیہ کی کمان کرنے والے افسران اور ان کے مسکراتے چہرے اپنے اعزاز کا واضح احساس لیے میرے سامنے تھے۔ یہ تاریخ کا ایک باب تھے۔ ایک تصویر اٹلانٹک عبور کرنے والے ہواباز کی تھی۔ مجھے ان حضرت کی تصویر دیکھنے کی خواہش تھی جس نے ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم گرائے تھے۔ اس کی تفصیل اور احوال تاریخ انسانی کا ہولناک باب ہے۔ فضائی جہاز نے یہ قیامت ڈھائی تھی اور ہنستے بستے شہروں کو خاک اور خون میں نہلا دیا تھا۔ مگر یہ تصاویر ذہن پر نقش تھیں ایک غبار کی صورت میں، جو فضا میں بلند ہو رہا ہو۔

ہم اب باہر نکل آئے تھے۔ سامنے ایک ہینگر بنا تھا جو فضائیہ کے مستقر کا لازمی جزو ہوتے ہیں۔ سخت تیز ہوا اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ کنکریٹ کا ایک فٹ پاتھ دور تک چلا گیا تھا۔ ایک وسیع علاقہ وہ تاریخی مقام تھا جہاں اولین پرواز نے تاریخ رقم کی تھی۔ ایک جانب ٹیلہ سا دوسری جانب میدان جس کے ایک طرف جھاڑیاں، جو ساحل سمندر کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

پتھر کے تین بلاک ایک جانب مختلف فاصلوں پر نظر آ رہے تھے میں نے ہاتھ پھیلائے تو کپڑوں میں ہوا بھر گئی۔ میں نے سوچا اگر یہاں دوڑ کر کوشش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ مشین کیا ہے انسان بھی اڑنے لگے۔ میرا ہیٹ البتہ ہوا میں اڑتا ہوا ایک جانب دور جا گرا۔ رائٹ برادرز نے اڑنے کے لیے درست جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ میں سوچنے لگا۔

پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

میں چلتا ہوا پہلے پتھر کے پاس جا پہنچا وہاں یہ تحریر تھا

End of First Flight

Time 12 Seconds

Distance 120 feet

December 17, 1903

Pilot Orville "

پہلی پرواز سامنے والی اونچی جگہ سے عین اس جگہ تک اڑ پائی تھی۔ یہ تاریخی نشان اپنے جلو میں بہت کچھ لیے ہوئے تھا۔ باقاعدہ پرواز کی اولین کوشش دور آگے جا کر دوسرے پتھر کے پاس جا رکا تو وہاں دوسری فلائٹ کی بابت یہ تحریر تھا۔

"End of Second Flight

Time about 12 Seconds

Distance about 175 feet

December 17,1903

Pilot Wilbur"

ابھی تیسرا پتھر ذرا آگے تھا۔ وہاں تیسری فلائٹ کے کوائف تحریر تھے جس کے مطابق

"End of Third Flight

Time about 15 Seconds

Distance about 200 feet

December 17,1903

Pilot Orville"

چوتھی فلائٹ کے مطابق

End of Fourth Flight

Time about 59 Seconds

Distance about 852 feet

December 17,1903

Pilot Wilbur"

رائٹ برادران کی کوششیں بار آور ثابت ہوئی تھیں۔ ایک دن میں چوتھی بار 852 فٹ تک پرواز کر کے Kitty Hawk نے مستقبل کی فضائی پرواز کی راہ ہموار کر دی تھی۔ میں گھوم کر آگے چل پڑا۔ بڑے ٹیلے کے سامنے لکڑی کا بنچ پڑا تھا۔ اسکے اوپر ایک پستہ قد درخت اسے اپنے سایہ عافیت میں لیے ہوئے تھا۔ اگر اور کوئی غم نہ ہو تو آدمی یہاں بیٹھ کر فکر فردا کر لے۔

"میں تن روگ اولے"

میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اصل monument کے سامنے کھڑا تھا۔ رائٹ برادران کے مجسمے اور ایک کنکریٹ کی دیواران کی یاد دلا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اتر کر میں سامنے آ گیا، ہوائی جہاز کے اڑنے کا منظر سامنے بنایا گیا تھا۔ جہاز اڑنے کو پر تول رہا تھا اور ایک فوٹو گرافر ان کی تصویر بنا رہا تھا۔ ایک صاحب اپنے 3 بچوں کے ہمراہ آ دھمکے۔ بچوں نے پھرتی دکھائی اور جہاز کے پروں پر چڑھ دوڑے اور پائلٹ کے سامنے ان سے لپٹ کر اپنے جذبات کا اظہار کرنے لگے۔ مدعا شاید یہ تھا کہ وہ کاک پٹ سے باہر آئیں اور بچے جہاز اڑا سکیں۔

باپ مہذب انداز میں انہیں کچھ کہنے میں مصروف تھا مگر بچے اپنے وقت کو اپنی مرضی سے گزارنے پر تلے نظر آئے۔ ایک جانب بڑے بڑے گنبد بنے تھے۔ یہ عجائب گھر کا اضافی حصہ تھے۔ میں گھوم کر داخلے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ ہر دروازے پر بورڈ لگا پایا براہ کرم دوسرا دروازہ استعمال کریں' آخر گوہر مقصود ہاتھ آ ہی گیا۔ میں نے جگہ ڈھونڈ نکالی۔ یہ ایک سنسان سا

ہال تھا۔ ایک سٹیج اور کرسیاں بوقت ضرورت استعمال کرنے کے لیے موجود۔ دوسرے سرے پر ایک خاتون اپنی دکان سجی سجائی لیے بیٹھی تھی۔ ہمیں دیکھ کر موسیقی لگادی۔ ہلکی ہلکی موسیقی سے ماحول کو گرمانے کی سعی کرنے لگی۔

مختلف تصاویر' کوائف اخباری تراشے' رائٹ برادران کی کامیابیوں کے تذکرے اور اس پرواز کی تصاویر جو مکمل طور پر Airborne رہی موجود تھیں۔ میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ یہ مواد رائٹ برادرز کی فرانس روانگی سے متعلق تھا۔

ہم میوزیم سے باہر نکل رہے تھے۔ سامنے ایک کونے سے سمندر کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ بپھری ہوئی موجیں نیلا سمندر، یہ اٹلانٹک ہے جو کسی زمانے میں ہمارے نصاب میں بحر اوقیانوس کے نام سے دھاک جما رہا تھا۔ میرے سامنے بحیرہ عرب کے نظارے آنے لگے۔ گوادر اور اوڑ مارہ کی Hammer Head Rocks جیونی کا لائٹ ٹاور، گوادر اور پسنی کے ساحل' داران اور جبل زریں کی خوبصورت Virgin Beaches خوبصورتی میں یکتا، سب نظارے فلم کی طرح گھومنے لگے۔

پشوکان اور سر بندر کے ماہی گیروں کے گاؤں پاکستانیوں کے منتظر ہیں۔ ہم دوپہر کے کھانے کے لیے رک گئے، اب کے ایک اور ریستوران کا رخ کیا۔ مچھلی کھانا ہی بہتر تھا۔ کافی نے مزہ دیا اور ہم پھر سفر کے لیے تیار تھے۔ Roanoke Island Bridge سمندر میں بنایا گیا۔ پانچ میل لمبا پل ہے۔ فن انجینئرنگ کا خوبصورت فن پارہ۔ اس طرح پل میرے لیے انوکھا تجربہ تھا۔ سیاح گاڑیوں میں اس علاقے کا رخ کر رہے تھے۔

اب ہماری منزل Bodie's Island میں بنا قدیم لائٹ ہاؤس تھی۔ یہ خوبصورت لائٹ ہاؤس دور سے نظر آ رہا تھا۔ اس تک پہنچنے کے لیے سنسان مگر خوبصورت سا جنگل دائیں بائیں موجود تھا۔ Forest Fire Monitors لمبے قد کی وجہ سے ممتاز تھے۔ ہم لائٹ ہاؤس کے سامنے موجود تھے۔ Basement کے سامنے نوٹس لگا تھا کہ لائٹ ہاؤس اب بند تھا۔ بوڑھی اماں سویٹر بننے میں مصروف تھیں۔ لائٹ ہاؤس سے متعلقہ Souveniers موجود تھے۔ کچھ وقت وہاں گزارنے کے بعد ہم واپسی کے لیے تیار تھے۔

ایک بورڈ پر تحریر تھا Outer Banks ' Ply Mouth انگریزی ناموں کی تکرار امریکہ میں نظر آتی ہے۔ انگلستان سے آنے والوں نے بوجوہ اپنے نام یہاں جہاں نو آباد میں بھی رکھ چھوڑے تھے۔ واپسی کا سفر جاری تھا۔ نہ جانے کیوں میں سفر میں آنکھ لگانے کا قائل نہیں۔ کیا معلوم کیا نظارہ نظر سے چوک جائے۔ کہیں یہ شوق آوارگی کا اعجاز تو نہیں۔

یہ Deeply کرسچین سٹیٹ ہے اور بائبل بیلٹ کا اہم حصہ سامنے کلیسا کے باہر بورڈ لگا تھا "The word of Thy Lord shall Prevail" تھوڑا آگے ایک بورڈ لگا تھا۔ The true word of God Church Psalms۔ شنید ہے اس علاقے میں یہودی آباد نہیں ہیں۔ سامنے ایک ریستوران کے باہر بورڈ لگا تھا۔ Ram Hotel مجھے فضل الٰہی مارٹ یاد آ گئی۔ نہ جانے کیوں میں ریلوے گاڑی کا سوچنے لگا۔ Amtrack کے علاوہ یہاں Nor Folk Southern نامی گاڑی بھی چلتی ہے۔ مال گاڑیاں اس کے علاوہ ہیں۔ سفر کٹ رہا تھا۔ وسیع کھیت تا حد نظر اپنی وسعتوں کے ساتھ پھیلے ہو ئے تھے۔ یہ امریکہ ہے، پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

اب ہم Raleigh کے نزدیک Spring Home Bailey Place کے قریب تھے۔ ایک پرانی پک اپ جسے امریکی ٹرک ہی کہتے ہیں کے پیچھے چند لوگ بیٹھے تھے نا معلوم کس الجھن کا شکار تھے میں نے انکے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگایا۔

ملک خدا تنگ نیست

ہم ہارون بھائی کے گھر پہنچ چکے تھے۔ Raleigh کی پر رونق بستی میں نیا گھر دیسی مرغن کھانوں کی مہک لئے ہمارا منتظر تھا۔ سامنے ٹی وی پر بسنت کے نظارے تھے۔ پیارے لاہور میں بسنت کے رنگ پھیلے تھے جو امریکہ میں Lahore the City of Kite Festival کی سرخیوں کے ساتھ اگلے روز اخبارات کی زینت بنتا تھا۔

گھر کے دالان میں خوبصورت گملے اور پھول عجب بہار دکھا رہے تھے۔ میں عجلت میں تھا۔ میری فلائٹ میری منتظر تھی اور اگلے روز کے اسباق اور تدریس کے مراحل میرے منتظر تھے۔ شیخ Bob Behn کے روبرو زانوئے تلمذ طے ہونے تھے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اجازت چاہی اور میری منزل ائیر پورٹ تھی۔ رانا صاحب خاموشی سے گاڑی چلا رہے تھے۔ایک بھرپور ویک اینڈ اختتام پذیر ہو رہا تھا۔میرا سفر ابھی جاری تھا۔ میں گاڑی سے اترا۔میرا دل تشکر کے جذبات سے سرشار تھا۔رانا صاحب خوش رہیں آباد رہیں۔ میں رخصت ہو کر سکیورٹی کلیئرنس کا منتظر تھا۔عملہ بھی بے دلی سے کام میں مصروف تھا۔مسافر کم تھے۔

میں نے کوارٹرز کے سکے ہیٹ میں ڈال دیئے۔سکینگ مشین میں الجھ کر سکے باہر گر پڑے' ساتھ کھڑی خاتون شرمندگی سے انہیں چننے لگی' کوئی بات نہیں جو سکے رہ گئے' رہ گئے۔

آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

میں سامنے کاؤنٹر پر جا پہنچا اور بورڈنگ کارڈ حاصل کیا۔ پرواز میں مسافر بہت کم ہیں خاتون نے کہا۔میرا جواب Oh really تھا۔

سامنے کسی اور پرواز کے مسافر بیٹھے تھے۔ تھکے تھکے سے نامعلوم کیا کرتے رہے ہیں جو سارے مضمحل نظر آ رہے ہیں۔ میں سوچنے لگا۔ یہ بہت بڑا ائیر پورٹ تھا۔ باہر سے اسکی وسعت کا نظارہ نہیں ہو رہا تھا۔میرے ساتھ والی نشست پر ایک جوڑا آ کر بیٹھ گیا۔سامنے ایک لمبوترا جہاز بلڈنگ کی طرف چڑھا آ رہا تھا۔کیا خبر یہ ہمارا جہاز ہو۔میں سوچنے لگا۔

Come baby come, come to mother

You are somewhere in America

یہ تیز طراز لڑکا بولا گرل فرینڈ مسکرانے لگی۔ یہ میرے ساتھ جا رہے تھے۔ دروازہ کھلا جہاز کے کپتان صاحب برآمد ہوئے۔مسافروں کے کوائف اکٹھے کیے۔تمام مسافر حاضر ہیں کیا حکم ہے میرے آقا، میں کپتان اور فضائی میزبان کے مابین ہونے والی گفتگو کا ترجمہ سوچ رہا تھا۔

آج تقریباً اسی وقت Base Ball کا ایک انتہائی دلچسپ مقابلہ بھی ہو رہا ہو گا۔ میں سوچنے لگا۔ انتظار کی گھڑیاں طویل نہ ہوئیں۔ مسافر اچانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابھی فلائٹ تو اناؤنس نہیں ہوئی پھر یہ عجلت اور بیقراری کیسی۔ کاؤنٹر والی خاتون مسکرائی اور بولی کہ کپتان کا خیال ہے مسافر پورے ہیں تو چلتے ہیں۔ایک گھنٹہ قبل ہی کیا حرج ہے۔ مجھے بھلا کیا

اعتراض ہوسکتا تھا۔

جہاز میں داخل ہوا تو عجیب وغریب سی مخلوق سے پالا پڑا ایک مسخرا نازک اندام فضائی میزبانی کے فرائض سرانجام دینے پر مامور تھا۔سیٹ کی فکر نہ کریں جہاں جی کرے تشریف رکھیں، بولا۔

میں نے عقب میں سیٹ سنبھالی' میرا دیکھا دیکھی ایک دو مسافر اور بھی وہیں آ گئے۔ ذات شریف لپک کر آئے۔اگر آپ لوگ چاہیں تو میں آپ لوگوں کی نشستیں اپ گریڈ کر دوں۔ سب ہنسنے لگے'اس جہاز میں اپ گریڈ کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

ویسے مسافروں کا جہاز میں منتشر ہو کر بیٹھنا ضروری تھا تا کہ وزن برقرار رہے۔بالکل تانگے کی طرح سواریوں کو توازن میں رکھنا ضروری تھا۔

کپتان نے کہا میں دوران سفر آپ کو تازہ ترین سکور سے باخبر رکھوں گا۔جہاز کو اڑے تھوڑی دیر ہو چکی تھی۔فضائی میزبان میرے قریب آیا۔ I like your sense of humour میں نے کہا۔واقعی اس نے پلٹ کر جواب دیا۔تھوڑی دیر بعد وہ Snacks کے دو پیکٹ اور دو ٹن جوس لیے میرے پاس آیا Sir these are for you بولا۔میں نے شکریہ ادا کیا۔ جہاز محو پرواز تھا۔ فاصلے سمٹ رہے تھے۔ نیچے سفید قمقمے روشن تھے۔ یہ روشنیوں کی غمازی کر رہے تھے۔روشنی پھیلا کر روشن امریکہ میں قمقموں کی مانند بہار دکھا رہے تھے۔اگر آپ اسے اس لڑکے کا فضائی احوال نہ سمجھیں جس نے فضائی سفر کے دوران کبڈی میچ کا آنکھوں دیکھا حال لکھ دیا تھا تو یہ امر واقعی تھا کہ پولیس کی بتی والی گاڑیاں ادھر ادھر بھاگتی ہوئی فضائی سفر کے دوران زمین پر نظر آ رہی تھیں۔

ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکا لڑکی لیپ ٹاپ پر فلم لگائے مست ہو رہے تھے۔ہمارے ہاں تو فضائی سفر کے دوران ان چیزوں کا استعمال جہاز کے مواصلاتی نظام میں بگاڑ پیدا کرنے کا موجب بن سکتا ہے اسی لیے ان کا استعمال فضائی نسوانی میزبان جہاز اڑنے سے قبل ہی ڈانٹ ڈپٹ کر ممنوع قرار دے دیتی ہیں۔

کپتان اب جہاز کے کاک پٹ سے میچ کے اختتامی سکور کا اعلان کر رہا تھا۔ہم بوسٹن

کے نزدیک ہی ہوں گے۔ میں سوچ رہا تھا۔ اسی دوران اعلان ہو رہا تھا ہم Logam Field پر لینڈ کرنیوالے ہیں۔ اور قبل از وقت آمد پر کپتان ایئر کنٹرول کو اعتماد میں لے رہا تھا۔ ہم جہاز سے نکل کر ایئر پورٹ پہنچ گئے۔

اب شٹل سروس کا انتظار تھا' زیر زمین سب وے پر ریڈ لائن تک پہنچنے کیلئے ایک اور ٹرین پکڑنا تھی۔ آپ کہاں سے ہیں میرے ساتھ بیٹھا مسافر پوچھ رہا تھا۔ میں پاکستانی ہوں، میرا جواب تھا۔ کوئٹہ کبھی گئے ہیں اب میں سنبھل کر بیٹھ گیا، جی ہاں میں کوئٹہ میں رہا ہوں، آپ کوئٹہ کو کیسے جانتے ہیں میں نے اس امریکی سے پوچھا۔ مسکرایا پھر بولا میں افغانستان اور قندھار میں قریب دس برس رہا ہوں، ایک این جی او میں کام کرتا تھا۔ میں نے ذرا دھیان سے ذات شریف کا جائزہ لیا۔ ایسے لوگوں کو میں جاسوس ہی سمجھ سکتا ہوں۔

ہارورڈ اسکوائر برفانی ہواؤں کی زد میں تھا۔ گاڑی میں سیاہ انگور کے رس کی خصوصیات درج تھیں۔ Surprise your Cardiolo gist یہ خون کو Oxidise کرتا ہے۔ لکھا تھا۔ کرتا ہوگا، میں ہارورڈ میڈیکل اسکول میں نہیں جے ایف کے اسکول آف گورنمنٹ میں جا رہا ہوں۔ اپارٹمنٹ تک پہنچتے پہنچتے قلفی جمنے لگی۔

صبح سویرے ناشتے کی میز پر حسب معمول گفتگو ہو رہی تھی ہمارے ساتھ ایک اور کورس کے شرکاء شریک تھے' زندگی سے بھرپور شب کی کارگزاری مزے لے لے کر سنا رہے تھے۔ نہ چغلی نہ غیبت' زندگی کے رویوں کی بات ہے۔

ایک ادھیڑ عمر خاتون ایک نوزائیدہ بچے کو بہلا رہی تھی اور بچے کی ماں کلاس میں پڑھائی میں مصروف ہوگی۔ امریکی نانی اماں کا یہ کردار مجھے بہت بھایا۔ ماں ماں ہی ہوتی ہے

رات کو کھانے پر پاکستانی کمیونٹی ایک استقبالیہ پر مدعو تھی۔ سوسائٹی کی صدر نے تقریر کی، قونصل جنرل Barry Hoffman بھی تالیاں بجا کر شادمانی کا اظہار کر رہے تھے۔ پاکستانی مرد و خواتین دیکھ کر بھلا لگا۔ اچانک کسی نے میرا بازو پکڑا اور ایک سمت چلنے کو کہا۔ یہ سردار سلیم صاحب تھے کمشنر انکم ٹیکس' مجھے کہنے لگے۔ ذہنی طور پر تیار ہو جایئے ہم لوگوں کی طرف سے آپ اظہار خیالات کریں گے۔ چند لمحوں کے نوٹس پر۔

مجھے ذرا تردد ہوا۔ بھئی سینئر افسران موجود ہیں کیا سوچیں گے بلکہ برا منائیں گے۔ میں نے تاویل کی۔ گھبرایئے مت سب سے بات ہو چکی سب متفق ہیں کہ یہ کام آپ کو کرنا ہوگا۔

عبدالرؤف چوہدری صاحب نے بھی اشارہ سے اس کا عندیہ دیا میں نے افکار پریشاں جمع کیے۔ صورتحال پر قابو پانا میرا پیشہ ہے۔ اچانک خاتون نے ذرا بگاڑ کر میرا نام لیا کہ وہ پاکستانی افسران کی جانب سے خیالات کا اظہار کریں گے۔

میں نے گفتگو کا آغاز کیا' خیر مقدمی کلمات کے بعد اپنے شرکاء کورس کا تعارف' کورس کی غرض و غایت بیان کی' پھر جملہ پاکستانیوں کی توصیف جو اپنا قیمتی وقت نکال کر اس شام ہمارے درمیان موجود تھے۔ ہارورڈ کا ذکر تو خیر تھا ہی۔

میں نے امریکہ اور پاکستان کے دیرینہ تعلقات کا تذکرہ کیا جو 1950 کی دہائی سے ہیں۔ آئزن ہاور کے دور سے اب تک دہشتگردی کی جنگ میں رفاقت پھر حکومتی پالیسیاں جناب صدر اور جناب وزیراعظم کے اقدامات آخر میں پاکستانی بھائیوں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کی دعوت۔ میری تقریر خاصے لوگوں کو شاید اتنی بری نہ لگی ہوگی۔

ہم کھانے کے بعد واپس جا رہے تھے۔ اقتدار نسیم کوہ قافی میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ آپ نے خوب تقریر کی، لگتا ہے آپ فارن سروس کے افسر ہیں بلکہ یوں کہیے سفیر ہیں۔ ان کی بات پسند تو آئی مگر ساتھ ہی میں گھبرایا بھی' خدا جانے آج روئے سخن اس خاکسار کی طرف کیوں۔

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

میں رات کو باہر نکل پڑا' بے مقصد گھومتے گھامتے میں سولجرز فیلڈ پارک کے رستوران تک جا پہنچا' چند ایک جوس لیے اور کاغذی لفافوں میں ڈال کر واپس چل پڑا۔ بے فکرے طالب علم خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ یہ علاقہ جنگ آزادی کا مرکز رہا ہوگا۔ ساتھ سڑک پر بھاگتی گاڑیاں خوب بہار دکھا رہی تھیں۔ میں نے کمرے میں آ کر ٹی وی سے دل بہلانے کی ٹھانی۔ امریکی جوس ذائقے میں مختلف تھے۔ فلوریڈا کا اورنج جوس تو بہت عمدہ ہے، ان سے شناسائی سنگاپور میں قیام کے دوران ہوئی تھی۔

کل شام سے کھانا باہر کھانے کی خواہش دل میں پیدا ہو رہی تھی۔ میں نے بوسٹن کا نقشہ سامنے پھیلا لیا۔ اگلے روز میں چرچ سٹریٹ پر جا پہنچا یہاں Red Onion نامی ریستوران کونے میں موجود تھا۔ چرچ سٹریٹ ہارورڈ اسکوائر کے سامنے ہی ہے، زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور۔

ایک مسکراتی ہوئی خاتون نے میرا استقبال کیا' میں نے گردونواح کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک جانب لوگ مے نوشی میں مصروف تھے، لمبے لمبے جام غٹا غٹ حلق میں اتر رہے تھے۔ ایک جانب کھانے کا خام مال مختلف حلیوں میں موجود تھا۔ میں نے پہلے تو جائزہ لیا پھر مچھلی اور جھینگے ایک پلیٹ میں ڈالے' معتدل مصالحہ جات کا انتخاب، چند ایک ساس، پھر ان سب کو جمع کر کے آگے چل پڑا، ایک بڑے توے پر انڈیل کر ایک خانسامے نے پکانے کا عمل شروع کیا۔ میں ایک معقول جگہ کا انتخاب کر چکا تھا۔ وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ مشروبات میں جوس۔

چلبلی حسینہ جو آرڈر لے رہی تھی کو یہ بچگانہ سی حرکت ہرگز نہ بھائی کہ یہ کیا آرڈر ہوا۔ عجیب منظر تھا' Mexican اور نہ جانے کیا کیا کھانے کھائے جا رہے تھے' موسیقی بھی سوئے دلوں کو جگا رہی تھی۔ امریکی معاشرے کا ایک اور باب وا ہو رہا تھا۔ میں نے رنگین روشنیوں موسیقی' اور جواں دل لوگوں کو زندگی سے حظ اٹھانے کا مشاہدہ جاری رکھا۔ یہ بالکل فلمی سا منظر لگ رہا تھا۔ ایک دو کردار تو Butch Cassidy and the Sun Dance Kid کا مقامی ایڈیشن لگ رہے تھے۔ اتنی سردی میں جب درجہ حرارت نقطہء انجماد سے مسلسل نیچے ہی رہنے کا خوگر ہو تو کچھ تو تقریب بہر ملاقات چاہیے۔

ہر ہفتے ایک ہفتہ وار جریدہ کا حصول ہارورڈ یونیورسٹی کی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں سے باخبر رہنے کا معتبر ذریعہ تھا۔ میں نے ورق گردانی شروع کی کہ Work, work and no play والی بات نہ ہو۔ اولین صفحات نوجوان خواتین وحضرات کے مشاغل کی تفصیل لیے ہوئے تھے۔ یہ لوگ Match Making کے خواہش مند تھے۔ میڈیا کا سہارا بھلا کیوں نہ لیتے۔

سرگرمیوں میں کچھ ایسی بھی تھیں جن سے جملہ قارئین کے بشمول ہمارے اخلاق

پراگندہ ہو سکتے تھے۔ کچھ ایسی سوسائیٹیوں کا ذکر تھا جو ہماری اقدار سے میل نہیں کھاتی ہیں، مگر کیا کریں امریکہ آزاد معاشرہ ہے فرد واحد اپنی آزادی سے زندگی بسر کرتا ہے، ایسی ہی ایک سوسائٹی کے روح رواں ہمارے ایک پاکستانی بھائی بھی نکلے۔

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

دور حاضر کی بظاہر مصروفیات اور شاید سطحی نوعیت کی مصروفیات کا کیا ذکر کہ انسان کو اردگرد کی خبر ہی نہ رہے۔ انسان کو زمین کے کشادہ راستوں پر پھیلنے کا اور خدا کا فضل تلاش کرنے کا بھی کہا گیا۔ زمین کی سیر کرو۔ مگر شاید ہم میں سے اکثر غم روزگار کیا۔ شاید غم حیات میں اس قدر گم ہیں کہ ہمیں اپنی خبر بھی نہیں ہوتی۔ پیسہ کمانے کی لگن اور دوڑ دھوپ' بنیادی آسائشیں' ان کی طلب نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔

کتنے لوگوں کو احساس ہوگا کہ زندگی جینے کے لائق ہے۔ مجھے زمانہ طالب علمی کی وہ بحث یاد آئی جب استاد محترم نے کہا تھا کہ کتنے لوگ ہیں جو جی رہے ہیں اور کتنے ہیں جو زندگی بھرپور طریقہ سے گزار رہے ہیں اور اس میں خط اٹھانے کے قائل ہیں۔

انفرادی رویے ہی مجموعی اور قومی رویے ترتیب دیتے ہیں۔ ہم تو گھر سے نکل کر شاید مسکراتے بھی نہیں۔ ہماری گردنیں اکڑ چکی ہیں مگر کیوں۔ زندگی تو قدرت کا انمول اور حسین ترین تحفہ ہے۔ بھرپور زندہ رہنا اور تقدس حیات کی پاسداری کرنا ہی انسانی وصف ہے۔ حکماء اس پر متفق ہوں گے۔

میں اب کمرہ میں تنہا تھا اور سوچوں میں گم۔ جی کر رہا تھا کہ زندگی کی بیلنس شیٹ مرتب ہو کہ میں نے کیا پایا اور کیا کھویا۔ کیا کرنے کا موقع ہے۔ مہلت حیات مہیا ہو تو۔

کچھ کر لو نوجوانو چڑھتی جوانیاں ہیں

مجھے Nathaniel Howthorns کی وہ تخلیق یاد آ رہی تھی جس میں ایک لڑکی کو ایک دن کی مہلت عطا ہوتی ہے اور وہ پس مرگ دنیا میں فقط ایک دن زندہ رہنے کی مہلت سے بہرہ ور ہوتی ہے۔

دنیا میں دوبارہ آ کر اسے زندگی کی قدر کا درست اندازہ ہوتا ہے۔ اس کو رنگین دنیا' سبزہ

اور چہکتی بلبل سب حیران کر دیتی ہیں۔ See the colours of life میں خود کلامی میں اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

خالد کے ایک دوست بوسٹن کے نواح میں ہوتے ہیں۔ خان صاحب ایک عرصہ سے وہیں مقیم ہیں۔ ان کے اپنے سٹور ہیں۔ بیگم صاحبہ مقامی معیاری اسکول میں درس و تدریس کا شغل فرماتی ہیں۔ اس طرح کے مشاغل بشمول NGO بانی تو وطن میں بھی ہوتی ہے۔ صاحب حیثیت بیگمات کافی پارٹیوں سے بیزار ہوں تو یا Cookery courses اختیار کرتی ہیں یا پھر غرباء مساکین کی فلاح کے لیے "Charity" سے محظوظ ہوتی ہیں۔

خالد کے گھر کے قریب ایک جھیل نما تالاب ہے۔ موسم کی سختی جسے راس نہ آئی تھی۔ ایک بے رنگ سی تہہ نے اس کا عیب برہنگی ڈھانپ لیا تھا۔ برف کی تہہ نے ایک انجانا سا رنگ اختیار کیا تھا۔ مجھے گاؤں سے آیا سادہ لوح سمجھ کر خالد فلسفہ بھگھارنے لگا۔ اس پر بچے سکیٹنگ کرتے ہیں۔ بھئی ان بچوں کو سمجھا دینا کہ یہ پانی کی جھیل ہے اس میں خودرو پودے بھی ہوں گے یہ ہلکی تہہ کہیں کمزور بھی ہوگی ،ایسا نہ ہو کہ پانی کی تہ میں پہنچ جائیں۔ خالد کا چہرہ دیکھنے کے لائق تھا۔ اس نے پتلے فریم والی عینک ناک پر جمائی جو قدرے پھسلن کی وجہ سے نیچے سرک آئی تھی۔

ہم شہر سے نکل کر ایکسپریس وے پر چل نکلے۔ خالد کی شادی کی دھوم تھی، انکی منگیتر پاکستان سے آنا چاہتی تھیں۔ ابھی ویزے کے حصول میں کوشاں تھیں۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

معلوم ہے سینٹر جان کیری Maden کے علاقے کے سینیٹر ہیں۔ جی ہاں موصوف نے امریکی صدر کا انتخاب لڑا تھا۔ میں نے معلومات عامہ کے اس سوال کا درست جواب دینے پر خالد سے داد چاہی۔

مگر اس کے سپاٹ چہرے پر تاثرات سرے سے غائب تھے۔ میں نے ویزے مے کے حصول میں مدد کے لیے لکھا تو سینیٹر جان کیری نے جواب میں لکھا کہ انہوں نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کو اس بابت تحریر کر دیا ہے۔

عوامی نمائندے عوام کی خواہشات اور امنگوں کا خوب خیال رکھتے ہیں۔ خالد اب فارم

میں تھا۔ اس وقت بحث کے خطرناک نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو Andover کے سفر کو متاثر کر سکتا ہے۔ میں نے نتائج اخذ کرنے کا عمل شروع کیا۔ Andover اپنے تعلیمی اداروں کی وجہ سے خصوصی شہرت رکھتا ہے۔ شاید صدر بش بھی ان اسکولوں میں زیر تعلیم رہے ہیں یہ بات نہ جانے کیوں مجھے غیر مصدقہ سی لگی۔

غیر مصدقہ اطلاعات پر غور کرنے سے پرہیز ہی بہتر ہے۔ سامنے سکول کی پیلی بسیں نظر آ رہی تھیں۔ ڈرائیور نے اپنے دروازے کے ساتھ سرخ رنگ کا Stop کا بورڈ لگا رکھا تھا۔ اس اشارے پر رکنا لازمی ہے۔

بچوں کو سڑک پار کروانے والا عملہ بھی مخصوص لباس اور بورڈ کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اس بورڈ کی تعمیل میں رکنا لازمی امر ہے اور احترام انسانیت اور بچوں سے پیار کا تقاضا بھی۔ مجھے اپنے ہاں بچوں کا سکول وین اور پک اپ اور رکشا کے ساتھ لٹکنا یاد آیا تو احساس ندامت ذرا گہرا ہو گیا۔

ہم سڑک سے مڑ کے بغلی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ دور خان صاحب کا گھر نظر آ رہا تھا۔ کشادہ سڑک کے کنارے خوبصورت سا گھر جسکا اندرونی حصہ ایک Protected Waste Land کے ساتھ جا لگتا تھا۔ برف گھر کے لان کے سبزے کو چھپا رہی تھی۔

یہ روایتی امریکی گھر دیکھ کر عجیب سی مسرت کا احساس ہوا اور اپنائیت کا بھی۔ یوں کہیے کہ پاکستان کا رنگ نظر آ رہا تھا۔ گھنٹی بجانے پر خان صاحب دروازہ کھولے مُسکرا رہے تھے۔ آپ سے غائبانہ تعارف تو ہو چکا۔ خان صاحب مجھ سے مخاطب تھے۔ جی میں بھی آپ سے ملنے کے لیے مشتاق تھا۔ میں نے جواب دیا۔

سلیقہ اور قرینہ دیکھ کر صاحب مکان اور خاتون خانہ کے ذوق کی داد نہ دینا نامناسب ہو گا۔ میں سوچ رہا تھا۔ ہم اب گھر کے ڈرائنگ روم میں دبیز صوفوں پر بیٹھے گپیں ہانکنے لگے۔ یکا یک ٹیلی فون کی مانوس سی گھنٹی نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ عرصے بعد خالص پشتو، وہ بھی امریکہ میں سن کر بھلا لگا۔ خان صاحب فرزند ارجمند سے محو کلام تھے۔ پشتو سے تھوڑی شد بد ہے۔ مجھے عصمت اللہ کاکڑ کا مسکراتا چہرہ یاد آنے لگا جو پشتو کی قلیل مقدار سے میرے فہم و

ادراک کو منور فرماتے اور 'خ' اور 'ش' کے فرق کو درست کرانے کی کوشش کرتے۔ پشاور میں 'خ' اور ادھر کوئٹہ میں 'ش' چلتا ہے "میں تو جنت میں بھی پشتو بولتا ہوا داخل ہو جاؤں گا"۔ میجر شہریار محسود یاد آئے۔ مجھے آپ کی پشتو سن کر مزہ آیا۔ میرے اس اظہار خیال پر خان صاحب بولے، اگر بچوں کو اپنی زبان نہ سکھائی تو وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

صبح کا وقت تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ صبح کاذب اور صادق کی تفریق امریکہ میں، اور وہ بھی موسم سرما میں، جنوری فروری میں جب درجہ حرارت منفی اٹھارہ سے منفی بائیس تک رہنے لگا ہو ممکن نہیں' بہتر ہوگا کہ دونوں کمبل جوڑ کر خواب خرگوش کو منطقی انجام تک پہنچنے دوں میں بستر میں لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا۔ پاکستان میں تو اذان سحر اپنے روایتی جلال کے ساتھ علی الصبح دعوت عمل دیتی ہے، مگر یہاں کچھ بھی ایسا نہ تھا۔

ابھی تو میرے پڑوسی بھی جو صبح سویرے اٹھنے کا اہتمام کرتے تھے شاید محو استراحت تھے۔ یکا یک جناب علامہ کا قول زریں یاد آیا۔

نہیں ہنگامۂ پیکار کے لائق وہ جواں
جو ہوا نالۂ مرغان سحر سے مدہوش

نفس نے کہا نیند مرغوب ہے۔ موسم کی سختی سے بچنا قرین مصلحت ہے جان بچانا اول فریضہء ہے۔ نمونیا' کھانسی اور گلے کی خراش کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ ابھی تو Bob بھی بستر میں لوٹ لگا رہا ہوگا۔ عالم وحشت میں پھر خیال آیا ابھی تو نیند نے لذت دی ہے۔ مگر میں کردار کا غازی بننے کا سوچنے لگا اور آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ یہ بھی سرد صبح تھی اونی ٹوپی سے ماتھا ڈھانپے میں دریائے چارلس کے عین وسط میں کھڑا تھا۔ دریا برف سے اٹا پڑا تھا۔ اسکے کنارے کئی ایک دل والے سکیٹنگ کر چکے تھے۔ لمبی لائنیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں۔ سرخ اینٹوں والی عمارتیں کہیں کہیں فیروزی، کہیں اور رنگ میں' گنبد اور صلیب نظر آ رہی تھیں۔ دائیں ہاتھ والے کلاک پر سات بجا چاہتے تھے۔ یہ گھنٹہ گھر بھی ڈھیٹ تھا، مجال ہے کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اس میں کوئی خلل پیدا ہوا ہو۔ میں نے احتیاط کے ساتھ سڑک پار کی۔ ورزش کے

شوقین مرد وزن بھاگتے چلے آرہے تھے۔ یہ آداب سحر خیزی وہاں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔

ساتھ والی عمارتیں تدریسی اور اقامتی نوعیت کی تھیں۔ کہیں کہیں مکینوں کی حرکات و سکنات پردے کے سرکنے کی وجہ سے نظر آرہی تھیں۔ چائے کافی کا اہتمام ہورہا تھا۔

برف ہٹانے والی گاڑیاں مستعدی میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ ہر وقت مسلسل مصروف رہتی ہیں۔ گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا تھا۔ میرے آگے بھی کوئی صاحب رواں دواں تھے۔ یہ واجد رانا تھے۔ جیسے ہی ہم جے ایف کے فورم پہنچے کہنے لگے، میں نے آج آپ پر سبقت لے لی ہے اور آپ سے پہلے کلاس میں موجود ہوں۔

ناشتے میں انتخاب فرد واحد کا اختیاری فعل تھا۔ ایک دو صاحبان تو کھانے کی اور وہ بھی موسم کی سختی میں افادیت سے کلی طور پر آگاہ تھے اور چند ایک جزوی طور پر۔ آملیٹ میں پنیر اور آلو اپنے ذوق کی بات ہے۔

فیکلٹی کے انگریز ممبر Muffin اور کافی کا ناشتہ کررہے تھے۔ اس ویک اینڈ پر کیا نیو یارک کا ارادہ ہے۔ اسرار رؤف صاحب میرے سے مخاطب تھے۔ جی ہاں، میں نے جواب دیا تو وہ مسکرا دیئے۔ میں تو Albany جارہا ہوں انہوں نے مزید کہا۔

ہمارے ساتھی معلوم نہیں چھٹی کے دنوں میں کیا کرتے تھے۔ خسرو اور خالد پرویز ارباب صاحب کے ساتھ' دریائے چارلس کے منبع تک ہو آئے تھے۔ ارباب شاہ رخ فن فوٹو گرافی پر دسترس کا مظاہرہ مسلسل دکھاتے تھے۔ ادھر ادھر فلیش اور بس فوٹو مکمل۔ معلوم نہیں کتنے لوگ عالم بے خبری میں شکار ہوئے۔ انفرادی حقوق کی پامالی کا بعین ثبوت یہ کہ میری ایک فوٹو میں جب میں اپنے بیگ کو بند کررہا ہوں جمعہ کے لنچ بکس کے ساتھ انہوں نے بطور ثبوت محفوظ کر چھوڑا ہے۔ وہ تو خیریت رہی کہ سب لوگ اس طرف متوجہ نہ تھے۔

جے ایف کے کی ایک میز پر ایک دلچسپ شخصیت نظر آئی اپنی وضع قطع، نسوانی چہرہ اور چٹیا کے ساتھ۔ شکل سے ریڈ انڈین لگتے تھے میں نے بہت صبر کیا نہ رہا گیا تو اٹھ کر موصوف کے پاس چلا گیا۔ سلام دعا کے بعد پتا چلا کہ وہ کینیڈا سے آئے ہیں اور ہیں اسی قبیل کے' ایک تنظیم جو جانوروں کے حقوق کی علمبردار ہے کے نقیب تھے۔ مجھ سے جانوروں کے حقوق کے حوالے سے

میرے خیالات جاننا چاہتے تھے۔تو بس پھر کیا بے چارے خاموش سنتے رہے۔ جانوروں کا ہی کیا ذکر خدا کی زمین پر ہر جاندار کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ یہ میرا فلسفہ ہے کوئی متفق نہ ہو تو میری بلا سے۔ حضرت خوش ہوئے۔ گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ e-mail کا تبادلہ ہوا۔ ایک فوٹو میں وہ ہمارے ساتھ جلوہ گر ہیں تا کہ سند رہے۔

دوپہر کا کھانا Taubman بلڈنگ میں تھا۔ یقین مانیے یہ کھانے بھی ہماری جان کو آ رہے تھے۔ عجیب ذائقہ اور حلیہ اپنے کھانے ایسے وقت بہت یاد آتے تھے۔ آج کھانوں میں ورائٹی تھی چینی اور ایک دو قسم کے اور طعام ذائقہ بدلنے کو موجود تھے۔ ایک جوس جو مخصوص امریکی Cran Berries سے نسبت رکھتا تھا ایسا تھا کہ کھانسی کے گلابی شربت کی تلخی بے وقت یاد آ جاتی تھی۔

کھانے کی میز پر آب رنگین بھی جلوہ گر تھا۔ معلوم نہیں لوگوں کا ردعمل بار پر کیا ہوگا۔ Cathay مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ آپ خاطر جمع رکھیں، میں نے جواب دیا۔ کولڈ ڈرنکس اور جوس ہر کوئی اپنی پسند کا انتخاب کر سکتا ہے۔ Cameron نے سفید شراب گلاس میں انڈیل لی' خفیف بلبلے جام میں ابھر رہے تھے۔ Storm in the Tea Cup میں سوچ رہا تھا۔

ساتھ کی میز پر بیٹھے حسین ثاقب جو فلسفی لگتے تھے آج ذرا بدلے بدلے Einstein لگ رہے تھے۔ لگتے تو بھائی میاں ہی ہیں، میں نے ذہن پر زور ڈالا۔ مگر کچھ بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔ یہ اقبال کے شاہین تھے جو عین وقت پر آئے تھے۔ معلوم ہوا ابھی وقفہ طعام میں سامنے حجام کی دکان سے حجامت بنوا کر آ رہے ہیں۔ امریکی حجام نے دام ہتھیانے کی حد تک ہاتھ کی صفائی دکھائی تھی۔

جے ایف کے فورم میں خوب رونق تھی۔ میزوں اور کرسیوں کی نئی ترتیب قابل دیدنی تھی۔ میزوں پر سفید میز پوش بچھائے جا رہے تھے۔ ان پر قرینے سے برتن سجائے جا رہے تھے۔ ان کے بعد آلات طعام یعنی چھری کانٹے سجانے کا مرحلہ باقی تھا۔ یہ اہتمام کس قیامت کی پیش بندی ہے، میں نے کسی سے پوچھا۔ ڈنر پر سان فرانسسکو کے میئر آ رہے ہیں۔ بعد از طعام خصوصی خطاب جناب میئر کا ہوگا۔ موضوع سخن سنکر مجھے گھن آ گئی یعنی ہم جنس طبقات کے حقوق

اوران کے لیے کیے گئے اقدامات۔

رات کھانے کے بعد جب سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے دیکھا تو ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا اور میسز گرج برس کر اظہار خیالات کر رہے تھے۔ یہ عجیب منطق ہے، میں خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر عقب سے باہر نکل آیا۔

دریائے چارلس کے پل پر دائیں بائیں سرمستی میں سرشار جوڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ موبائل فون زیر استعمال۔ چند ایک نوجوان ابھی رابطے میں مصروف تھے۔ ابھی کل کے لیے پڑھائی کرنا باقی تھا۔ ارجنٹائن میں اقتصادی اصلاحات عجیب موضوع تھا۔

پر طبیعت ادھر نہیں آتی

Malcom Sparrow F.J.K School of Government کی فیکلٹی کے ممبر ہیں اور برطانوی نژاد ہیں' اب کچھ عرصہ سے ہارورڈ میں درس وتدریس سے شغف فرماتے ہیں۔ ان کی انگریزی اللہ رکھے امریکی اثرات بد سے مبرا ہے اور وہ درست برطانوی طرز تکلم اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لب ولہجہ دیکھ کر آدمی Canterbury کیا Dover White Rocks تک پہنچ جاتا ہے۔ پتلے دبلے سر کے بالوں سے آزاد۔

درد کی دوا پائی: دردلا دوا پایا

کسی زمانے میں پولیس میں ملازمت کرتے تھے، پھر سب تیاگ کر بن باس لے لیا۔ دوران گفتگو بات کو گھما کر اکثر اپنے مشاہدات تک لے جاتے۔ ان کا فرمان تھا اگر میرا لب ولہجہ مقامی نہ دکھائی دے تو گھبرایئے مت۔ ایک روز دوران لیکچر ارشاد ہوا۔

"Harvard Pays us so badly"

معلوم نہیں کسی نے اس کا نوٹ لیا یا نہیں میں نے بطور خاص محسوس کیا۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ ایک آدھی مرتبہ ہمیں بھی شرف تکلم بخشا۔ مجھے تو کسی نو آبادیاتی یاد کو تازہ کرنے کی خواہش خوابیدہ اس جذبے کی محرک نظر آئی۔ میں نے بھی موقع غنیمت جانا اور برٹش انڈین پولیس کے حوالے سے گفتگو کی۔

فیکلٹی میں آکاش دیپ ہندوستان سے ہیں اور عاصم خواجہ پاکستان سے عاصم کو SAT

کے امتحان میں سو فیصد نمبر لینے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ اعزاز کی بات ہے وطن عزیز کا نام روشن کرنا مجھے بڑا بھلا لگا۔ سردی میں گھومنا بیماری کو دعوت دینے کے مترادف ہے مگر کمرے میں بیٹھ رہنا کیا مردانگی ہے۔ آتے جاتے ہی کئی شناسا بن گئے۔ مسکراہٹوں کا تبادلہ بھی ہونے لگا۔

چند ایک کی بغل میں بچوں کے جھولے تھے۔ Push Chairs میں لیٹے ننھے منے پھول سے بچے بڑے بھلے لگتے۔ جو وقت بے وقت منہ بسورنے لگتے ہیں۔ یہ انسانیت کا مستقبل ہیں اور سب کا مشترکہ سرمایہ۔

سامنے کسی ہیٹ یا گرم ٹوپی کے بجائے سوتی پگڑی دکھائی دی حیرت ہوئی یہ خالصہ جی تھے۔ دیکھ کر طبیعت بحال ہوگئی۔ فصاحت اور بلاغت پنجاب کا رنگ نمایاں۔ یہ سندھو شمشیر سنگھ خالصہ تھے۔ موصوف میڈیکل سکول میں تھے اور ماتھا ٹیکنے یا بھوجن کرنے کی چنتا میں تھے۔

"آپاں بجنس سکول وچ آں"

میرے سے پوچھا جا رہا تھا۔ موصوف سنگرور کے نزدیک کسی مقام سے امریکہ منتقل ہوئے تھے۔ میرے تعارف پر مسکرانے لگے۔ کہنے لگے لوگ یہاں میرے سے پوچھنے لگے کہ پگڑی کی افادیت کیا ہے، تو میں نے پوچھا کونسی افادیت بتاؤں۔ مذہبی یا میڈیکل طور پر۔ میں نے بھی طبی فوائد جاننے کی خواہش کا اظہار کیا تو فرمانے لگے دیہات میں "ڈانگ سوٹا" تو ہو ہی جاتا ہے، سب جانتے ہیں جوڑا اور پگڑی سر کی سب سے عمدہ حفاظت کرتے ہیں۔ سردار جی نے گفتگو میں رنگ بھر دیا تھا۔

بوسٹن کا موسم رنگ بدل رہا تھا۔ میں یہاں کے لوگوں پر بدلتے موسم کے اثرات کا جائزہ لینے لگا۔ بوسٹن کے لوگ بڑے دل والے ہیں یا یوں کہیے کہ کھری ہڈی کے لوگ ہیں۔ سنا ہے 1773ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بوسٹن میں فروخت کے لیے 3 بحری جہاز چائے کی پتی سے لدے ہوئے بھیجے تھے۔ مگر وہ پتی فروخت ہونے کے بجائے سمندر میں پھینک دی گئی۔ نو آبادیاتی آقاؤں کے کتنے عزائم سمندر میں اس چائے کی پتی کے ساتھ ہی غرق ہو گئے ہوں گے۔

یہ بھی امر واقع ہے کہ دو نومبر 1620ء کو May Flower نامی جہاز اولین

زائرین اور آبادکاروں کو لیکر پرنس ٹاؤن پر لنگر انداز ہوا تھا۔ انگلستان اور ہالینڈ سے آنے والے یہ 105 لوگ بہتر مستقبل کی تلاش میں جہان نو دریافت امریکہ پہنچے تھے۔ ان میں سے 2 پرنس ٹاؤن میں رہے جبکہ باقی ادھر ادھر تتر بتر ہو گئے۔

یہ ولندیزی اور انگریز لوگ مذہبی جنونی پن سے راہ فرار حاصل کر کے یہاں آباد ہوئے تھے۔ سنا ہے بھلے وقتوں میں لوگ یہاں آنے والوں کو پھلنے پھولنے کی دعا دیتے ہوئے کہتے تھے۔

"May your Tribe grow"

یہ آبادکار پھلتے پھولتے رہے اور اپنے عقائد کا پرچار بھی کرتے رہے۔ اس سے ملتے جلتے کارنامے ان لوگوں کے ہمارے ہاں بھی تھے۔ ہمیں بھی یہ تہذیب سکھانے آئے تھے۔ جسے بزعم خود "White Man's burden" کہہ کر وہ اپنے آپ کو بہلاتے رہے۔ تجارتی حقوق حاصل کرتے کرتے مالک بن بیٹھے۔ اسے کہتے ہیں آگ مانگنے آنا اور پھر گھر کی مالکن بن بیٹھنا۔

تاریخ کی ستم ظریفیاں ملاحظہ فرمایئے' انگریز' ولندیزی اور پرتگال جملہ یورپین اقوام راس امید سے ہوئے سونے کی چڑیا غیر منقسم ہندوستان پر چڑھ دوڑیں۔

گوادر میں Hammer Head Rock پر واقع پرتگالی مورچہ اسی دور کی یادگار ہے۔ پتھر کی دیواریں اب بھی یورپی طالع آزماؤں کی چیرہ دستی کی داستان سناتی ہیں مگر ہم تو اپنے حال میں مست ہیں۔ ہمارے پاس وقت کہاں۔ ان غیر ملکیوں کو للکارنے والے جری اور بہادر امل اور جیئن نامی بلوچ حریت پسند بھی تھے۔ جو پسنی کے علاقے کلمت کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے حربی معرکوں میں پرتگالیوں کے دانت کھٹے کئے۔ مقامی شاعری آج بھی ان Unsung Heroes کی داستان شجاعت سناتی ہے۔

Massachusetts کی اس سیٹ کو جے ایف کینڈی سے نسبت ہے۔ لہذا اس تعلق کا دائمی اظہار بوسٹن میں جے ایف کینڈی سے موسوم میوزیم موجود کی شکل میں موجود ہے۔

شام کو ہمارا پروگرام تھا کہ میوزیم جائیں گے۔ وہیں ایک عشائیہ بھی ہمارا منتظر تھا۔ موسم

حسب عادت ایسا تھا کہ کچھ نہ کہا جا سکتا تھا۔ باہر نکلتے ہی احساس ہوا کہ بارش کسی وقت بھی جلوہ دکھا سکتی ہے۔ لمبی لمبی Peter Pan کی تحریر کے ساتھ منتظر تھی۔ پہلی سیٹیں چھوڑ دینے میں ہی عافیت تھی۔ ویسے بھی فرنٹ سیٹ بوقت ضرورت خالی کرائی جا سکتی تھی۔ ان پر Ben اور Cathay نے بیٹھنا تھا۔ درمیان میں ایک سیٹ میں گھس کر بیٹھنا پڑا۔ گرم کپڑوں کی بہتات تنگ نشستوں میں اچھا بھلا آدمی بھی گھس بیٹھیا سا بن جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں سب لوگ آ گئے۔ اور بس رینگتے ہوئے چل پڑی۔

بوندیں بس کے سامنے سکرین پر محتاط انداز سے پڑ رہی تھیں صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں والا منظر تھا۔ پچھلی نشست پر بیٹھے ہر دو حضرات ایک صاحب کی جو فی الوقت پاکستان میں مقیم تھے کے اعمال حسنہ پر سیر حاصل تبصرہ فرما رہے تھے۔ کیا خبر عین اس وقت صاحب موصوف مسلسل چھینکنے میں مصروف ہوں۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

تھوڑی دیر بعد ہم اندھیری سمت میں چل پڑے ایک بڑی سے غیر مانوس عمارت کے سامنے جا کر ہم بس سے اترنے لگے۔ بوندیں تواتر کے ساتھ پڑ رہی تھیں۔ عجلت میں قدم اٹھاتے کہ پھسل نہ جائیں ہم عمارت میں داخل ہو گئے۔

میوزیم عمدہ طرز تعمیر کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم ایک ہال میں موجود تھے۔ جو سینما ہال ہوتے ہوئے بھی Lecture تھیٹر بھلا محسوس ہو رہا تھا میں پچھلی نشستوں پر عین وسط میں مورچہ بند ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک مختصر سی تقریر تھی جس میں ہمارا اس عجائب گھر سے تعارف کرایا گیا۔ تعمیر کی غایت بیان ہوئی۔ ایک فلم جو صدر کی زندگی سے متعلق تھی ہمیں دکھائی جانی تھی۔ آنجہانی جے ایف کینڈی مختلف وجوہات کی بناء پر امریکی عوام میں بے حد مقبول تھے۔ کچھ تو یہاں تک کہتے ہیں وہ خواتین میں زیادہ مقبول تھے اور ان کے بطور صدر انتخاب میں خواتین ووٹرز نے فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ فلم شروع ہوئی جے ایف کینڈی کے خاندان کے پس منظر اور ابتدائی زندگی فلم کا موضوع تھے۔ یہ اولین حصہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کی عسکری خدمات بحری فوج میں

شمولیت جنگ میں کارنامے اور پھر واپسی کے مناظر دکھائے جارہے تھے۔

ان کا بطور سینیٹر انتخاب اور پھر صدارتی انتخاب کا مرحلہ ان کی زندگی کے حقیقی منظر پر دہ سکرین پر جلدی سے گزر رہے تھے۔

اب جے ایف کینڈی وائٹ ہاؤس میں موجود تھے۔قومی اہمیت کے اہم فیصلے اور ان کے نتائج جو عمومی امریکی تاریخ پر مرتب ہونے والے تھے۔دیکھنے والوں کے سامنے تھے۔

ایک منظر میں ننھا بیٹا صدر کی میز کے ساتھ موجود تھا۔یہ منظر دیکھ کر میں جذباتی سا ہو گیا۔بچپن میں بھی سکرین پر جذباتی مناظر دیکھ کر بالخصوص زیادتی اور آنسو نہ جانے کیوں مجھے افسردہ سا کر دیتے تھے اور یہ افسردگی گھنٹوں میرے ساتھ رہتی۔

اب کینڈی کے قتل اور آخری رسومات دکھائی جارہی تھیں۔میرا دل بھر آیا دوسروں کا معلوم نہیں کیا ردعمل تھا۔فلم ختم ہو چکی تھی۔چند صاحبان روسٹرم پر کھڑے ہو کر ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے فوٹو بنوا رہے تھے تاکہ سند رہے۔

اب ہم عجائب گھر کے اس حصہ میں تھے جہاں جے ایف کینڈی اور انکی اہلیہ جیکولین کینڈی کے زیر استعمال مختلف اشیاء اور دیگر نوادرات رکھے گئے تھے۔

ایک شوکیس میں جیکولین کی Prayer Book تھی۔بچپن کی تصاویر جن سے انکے ماضی کا پتہ چلتا تھا رکھی گئی تھیں کسے معلوم تھا کہ مستقبل میں وہ امریکہ کی خاتون اول بنیں گی۔ دونوں کی جوڑی خوب سجتی تھی۔لگتا ہے کسی کی نظر لگ گئی۔یہ تبصرہ خواتین کا تھا۔جو پردہ سماعت سے زبردستی ٹکرا رہا تھا۔

ایک جانب شاہ ظاہر شاہ اور مصری صدر جمال عبدالناصر کی جانب سے دیئے گئے تحائف تھے۔ساتھ ہی پاکستانی صدر ایوب خان کی طرف سے دیئے گئے تحائف اور ظروف شیشے میں محفوظ تھے۔

ایک کونے میں صدارتی خطاب سے متعلق آلات۔ہیٹ اور ٹی وی کے وہ آلات محفوظ تھے جو ساٹھ کی دہائی کے ہونے کی وجہ سے پرانے لگ رہے تھے۔یہ منظر دیکھنے کیلئے گھنٹوں مصروف رہا جا سکتا تھا مگر کیا کیجئے کھانا ٹھنڈا ہونے کا احتمال تھا۔

باہر نکلے تو آسمان سے باتیں کرتا ہوا شیشے کی دیواروں اور چھت والا ہال ہمارا منتظر تھا۔ چند میزیں عمر رسیدہ ویٹرس اور عملہ وہاں موجود تھا۔ سوڈا واٹر یا دیگر محلول ہائے بشمول شربت ارغوانی بھی بہلانے کے لیے موجود تھے۔

Water water every water, not a drop to drink

سامنے سمندر اور ساحل کے کنارے تھے۔ جہازوں کا ایک سیل رواں تھا۔ بھلے اور خوشنما ہر طرح کے جہاز تھوڑی تھوڑی دیر بعد گرجتے برستے چھت پر سے گزرتے ہوئے رن وے پر اتر رہے تھے۔

یہ نظارے دیکھ کر تو میں بور ہونے لگا۔ سوپ میرے سامنے تھا۔ یہ Formal ڈنر تھا۔ میں سوچ رہا تھا۔ Bowtie لگانے کا موقع تھا مگر ہم لوگ یہ جانے اس کی پذیرائی کیوں نہیں کرتے۔ مجھے Tony اور فلمی اداکار Harrison Ford یاد آنے لگے۔ دونوں میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔ کھانے کی میز پر Irish blood کی بات ہونے لگی۔ صدر کینڈی بھی آئرش تھے سارہ بتانے لگی وہ بھی آئرش تھی۔

کھانے کے بعد اب واپسی کی باری تھی۔ گھوم کر بلڈنگ سے باہر نکلے تو تندی باد مخالف جملہ شاہینوں اور عقابوں کو نزلہ وزکام میں مبتلا کرنے کے لئے تیار تھی۔ میں اور گورایہ صاحب پھرتی سے بس میں سوار ہو گئے۔

یہ علاقہ New England کہلاتا ہے نیو انگلینڈ میں Hampshire, Massachussetts اور Maine کی States شامل ہیں۔ انگریزوں کی اولین فتوحات اسی علاقہ میں ہوئی تھیں اور انجام کار انگریز امریکی عوام کے جذبہ حریت کے ہاتھوں منقوح ہوئے اور Virginia میں جنگ ہار گئے تھے۔ نیو انگلینڈ میں کہاوت ہے۔ "If you don't like the weather, wait for five minutes and see the change۔" Harvard' Yale اور Stanford اور برکلے امریکہ کی صف اول کی یونیورسٹیاں ہیں۔ ان کا دنیا میں اپنا ایک مقام اور مرتبہ ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس کے ساتھ نو مختلف اسکول ہیں جن کے ساتھ اس کا

الحاق ہے ان میں بزنس سکول' میڈیکل اسکول' لاء اسکول اور جے ایف کے سکول آف گورنمنٹ سرفہرست ہیں۔ جے ایف کے اسکول آف گورنمنٹ کا قیام دوسرے اسکولوں کے مقابلے میں ابھی ماضی جدید میں ہوا ہے۔ مقامی ہسپتال کی ایک تعداد ہارورڈ سکول آف گورنمنٹ کے ساتھ منسلک ہے ان کا انتظام ہارورڈ یونیورسٹی کے زیر اثر ہے۔

میڈیکل اسکول کے منتظم ہارورڈ یونیورسٹی کے پریذیڈنٹ سے زیادہ تنخواہ اور مراعات حاصل کرتے ہیں۔ جنگ آزادی میں ہارورڈ یونیورسٹی کے کئی طلباء نے داستان حریت اپنے لہو سے رقم کی۔ یونیورسٹی کے ہاں میں جنگ میں کام آنے والے طلباء کے نام اور کوائف دیواروں پر رقم ہیں۔

یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ صدر بش کے والد بھی امریکہ کے صدر تھے اور ان کا دادا بھی سینیٹر رہے ہیں۔ امریکی صدر بش ہارورڈ بزنس اسکول اور Yale میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ Yale اپنی Law studies کے حوالے سے شہرت رکھتا ہے اور ہارورڈ کا دیرینہ رقیب بھی۔ صدر بش Andover سکول میں بھی زیر تعلیم رہے ہیں۔

رات کھانے پر پروفیسر Joseph P.Kalt کا لیکچر بھی تھا۔ پروفیسر جوزف کالٹ ہارورڈ کی معروف علمی شخصیت ہیں۔ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ بنیادی طور پر انڈین ہیں۔ میں کافی دنوں سے جستجو میں تھا کہ کسی انڈین امریکن سے گفتگو ہو۔ پروفیسر دبلے پتلے خوش اخلاق پروفیسر نکلے۔ Standford سے بی اے کرنے کے بعد انہوں نے پی ایچ ڈی یونیورسٹی آف کیلیفورنیا سے کی۔ وہ جے ایف کے اسکول آف گورنمنٹ میں فورڈ فاؤنڈیشن پروفیسر آف انٹرنیشنل پولیٹیکل اکانومی ہیں۔ ہارورڈ میں وہ Native American Programme سے منسلک ہیں اور American Indian Development کے کرتا دھرتا ہیں۔ Indian اکانومی اور تعلیم اور دیگر امور کے ماہر اور دانشور ہیں۔ وہ رائل کمیشن آف Ab original Peoples اور President's Commission on Aviation Safety کے کمشنر رہ چکے ہیں۔ پروفیسر جوزف چند ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ کھانے کے بعد ان کی گفتگو دلچسپی سے خالی نہ تھی۔ میں ان کی قریبی نشست

سنبھالے ہوئے تھا۔ ان کی حرکات وسکنات گفتگو اور خود اعتمادی کا بغور جائزہ لینے لگا۔ امریکن اساتذہ اور ان کا موازنہ کرنے لگا۔ میں نے پروفیسر جوزف کو راست گو اور دردمند پایا۔ اپنی قوم کی اقدار ماضی اور خطرات سب کا ادراک ان کو تھا۔

دوران لیکچر انہوں نے Connecticut کے اس Casino owner کا تذکرہ کیا جس نے فلم 'Dancing with Wolves' میں دکھائے گئے۔ Indians کے خلاف دعوی کر دیا تھا۔ یہ Casino owner انڈین ہیں۔ انڈین کمیونٹی کا معاملہ ایسا ہے کہ کچھ تو ترقی یافتہ ہیں کچھ ہنوز حالت نیند میں ہیں نہ جانے کب غفلت سے بیدار ہوں۔

Mississipi کے Crow Indians خوب ترقی یافتہ ہیں اور CDs بنانے میں معروف ہیں۔ ایک طرف Apache Indians fighting Us تھے جنہوں نے صرف 17 ڈالرز کے عوض اپنا رقبہ لیز پر دے دیا۔

پروفیسر جوزف خیالات کی رو میں بہے جا رہے تھے۔ ایک ہاتھ سے مکا دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مار کر بولے انسانی رویہ ایسا ہونا چاہیے 'Just do it' جیسا Nikeishoes کا نعرہ ہے۔

اب پروفیسر تھوڑے دکھی ہو گئے کہ دیکھئے وہ انڈین جن کے پاس دنیا کے چوتھے بڑے ذخائر کوئلہ کی کانوں کے ہیں ان میں بے روزگاری کا تناسب 87% فیصد ہے۔

انڈین کمیونٹی کے اپنے معاملات ہیں 13000 نفوس کی پارلیمنٹ 7000 لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف 99 ووٹ سے کسی کو Outvote کیا جا سکتا ہے۔ یہ پارلیمنٹ ہر تین ماہ بعد پہلی تاریخ کو اجلاس منعقد کرتی ہے اور سال میں چار اجلاس منعقد کرتی ہے۔

یہ تاریخی کمیونٹی فلموں کے ذریعے Romanticise چکی ہے اور امریکی آئین کے اندر رہتے ہوئے بھی یہ 310 چھوٹی Committees میں منقسم ہے امریکی آئین ان قبائل کو دوسری ریاستوں کے مساوی تسلیم کرتا ہے جیسے State of Massachusetts امریکی آئین کے تحت یہ معاہدے بطور Community تسلیم کئے جاتے ہیں۔

1924ء کے بعد سے انڈین امریکن آئین کی رو سے امریکی شہری ہیں اور ان کے حقوق تسلیم شدہ ہیں۔ ایک انڈین چیف ہارورڈ کے پروفیسر کے طور پر ہمارے روبرو محو گفتگو تھے۔ مگر ان انڈین لوگوں کے معاملات غور طلب ہیں کچھ انڈین تو Millions of Acres کے مالک ہیں اور کچھ چند ایکڑ کے ملک ہیں ان کے مسائل بدستور ہیں۔ جس میں سرفہرست Lack of full power of self Government ہے۔ زمین اور کلیساء unevenly distributed ہیں۔ نسلی تعصب بھی بدستور ہے۔ "Maltreatment of Red Indians has been case of historical discrimination' پروفیسر جوزف دکھی ہو گئے تھے۔ مگر یہ بات خوش آئند تھی کہ Life expectancy' 20 فیصد بڑھ گئی ہے' خودکشی کے واقعات کم ہو گئے ہیں۔ مقامی انڈین لوگ ماڈرن امریکن بن رہے ہیں مگر اپنے انڈین نام برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ آبائی مذہب' رسومات قصہ پارینہ بن چکا ہے اور وہ اب باقاعدہ مسیحیت کے پیروکار ہیں۔

پروفیسر مذکور پر سوالات کی بوچھاڑ متوقع تھی۔ مگر وہ مسکراتے ہوئے سوال و جواب میں مصروف تھے۔ چند ایک سوالات کو وہ خوبصورتی سے ٹال گئے تھے۔

میرے ذہن میں فلم چلنے لگی' گھوڑوں پر سوار' پروں والے تاج پہنے سرخ رنگت تیر انداز منہ سے آوازیں نکالتے ہوئے۔ دشمن پر دھاوے بولتے ہوئے ریڈ انڈین اور پھر سرکنڈوں کے پیچھے سے سنسناتی ہوئی گولیاں' خون' گرتے ہوئے جسم' خاک اور خون کا کھیل اور پھر وہی جوازل سے ہوتا آیا ہے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ہارورڈ اسکوائر کے عقب میں ہارورڈ یارڈ ہے۔ سڑک کنارے ایک خوبصورت پرانی وضع کا ایک گھر ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جارج واشنگٹن اپنی معرکہ آرائی کے دوران کیمبرج میں قیام کے دوران اس گھر میں مقیم رہے۔ یہ اب تاریخ کا حصہ ہے اس کے سامنے کتابوں کی دکانیں ہیں۔ کتابوں کی عدم دستیابی اور حصول بذات خود ایک موضوع ہے جو تفصیلی تجزیے کا متقاضی ہے۔

اس سٹور میں کچھ وقت گزارا۔ امریکی کتب کا اپنا ایک مزاج ہے۔ جو فی الوقت ہمارے مزاج سے میل نہیں کھا رہا تھا۔ اتنی مہنگی کتب خریدنے سے پہلے باقاعدہ Feasibility کا تقاضا کرتی ہیں۔ اگر خرید بھی لیں تو وطن لے جانے کے لئے اسباب میں گنجائش فراہم کرنا بھی ایک مسئلہ۔

بھلے وقتوں میں ایام صغیر سنی میں ان کتب پر قیمت پاؤنڈوں میں تحریر ہوتی تھی۔ پاؤنڈ بھی 11 روپے کا تھا۔ اب تو کتب بینی ہی رائج الوقت مشاغل کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔ نقالی اور غیر معیاری اور غیر قانونی اشاعت قانون پر عمل درآمد کا مطالبہ کرتی ہے۔

ہارورڈ اسٹیشن پر ٹکٹ گھر کی بغل میں ایک ریڑھی بان پرانی کتابیں فروخت کرنے کا دھندا کرتا ہے۔ دو کتابیں خریدیں تیسری مفت۔ ہر نوع کی کتاب جو مل جائے موجود۔ میں چند ایک کتابوں کو دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ یہ کیا رویے جنم لے رہے ہیں۔ علم اس کا حصول تعلیم و تدریس پڑھنا پڑھانا انسان بنانا کیا اتنا ارزاں ہے۔ دوران سفر یورپ کی طرح امریکہ میں بھی لوگ موٹی کتابیں پڑھتے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ رسائل جرائد ہفت نامے اخبارات تو ہمارے ہاں بھی ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں۔

آج بھی جمعہ کی وجہ سے ہم جلدی فارغ ہو گئے تھے۔ ورکنگ لنچ بھی عجیب شے ہے۔ آج بھی مجھے انتخاب کرنا تھا ٹرکی یا ڈک' ٹونا فش یا سبزی کے برگر میں سے یہ Veg برگر نہایت بدذائقہ نکلا نہ مزا' نہ رنگ نہ بو' سلاد کے پتے اس میں زبردستی ٹھونسے ہوئے۔ یہ گوشت کے برگر بہتر ہیں میں کسی دانشمند کی رائے زبردستی سن رہا تھا۔

سکارف لپیٹ کر میں سفر کے لئے تیار تھا۔ اسرار روئف چلنے کو تیار تھے۔ نارنجی رنگ کے جوتے ان کے لباس پر عجب بہار دکھا رہے تھے۔ یہ برف پر سے پھسلن سے بچانے والے جوتے تھے۔ گاڑی میں ہجوم تھا۔ میں سب سے اگلے ڈبے میں سوار ہو گیا۔ ایک سیٹ خالی تھی مگر میں کھڑا رہا۔ گاڑی ہارورڈ اسکوائر اور M.I.T. کے سٹیشن کے درمیان خوب چوں چوں کرتی ہے معلوم نہیں اسکی چولیں ڈھیلی تھیں یا زیر زمین موڑ ہی ٹیڑھے تھے۔ سامنے اندھیری پٹڑی شیشے سے نظر آ رہی تھی۔

ڈاؤن ٹاؤن سے دوسری گاڑی پکڑی۔ آج رش کچھ زیادہ تھا۔ سامان اٹھا کر بھاگتے ہوئے گرے۔ ہاؤنڈ کے اڈے تک پہنچنا ضروری تھا وگرنہ بس نکل جاتی۔ آج تو قطار بھی لمبی تھی۔ چند مسافر خوب دیر لگا رہے تھے۔ شاید چاند پر جانے کی معلومات لینا چاہ رہے تھے۔

میری باری آ چکی تھی۔ ٹکٹ لینے سے قبل آپ کو شناخت بھی کروانا پڑتی ہے۔ میرا پاسپورٹ اس شناخت کے لئے کافی تھا۔ نام بتایئے' زرد بالوں والی حسینہ پوچھنے لگی۔ میرا نام تو وطن میں بھی اکثر لوگ نہ درست سنتے ہیں نہ پکارتے ہیں نہ لکھتے ہیں کبھی تو مجھے حسن بنا چھوڑتے ہیں کبھی احسان یہ تو امریکہ تھا۔ معاف کیجئے میں آپ کا نام ٹکٹ پر کیسے لکھوں خاتون نے کہا۔

میں نے آخری حربے کے طور پر ہجے بتائے۔ اب جو ٹکٹ برآمد ہوا اس پر میرا نام Rogers Hassan تحریر تھا میں نے بحث بے کار سمجھی اور جا سوار ہوا بس میں جو چلنے کو تیار تھی۔ گھٹے ہوئے جسم والے سیاہ رنگ کے ڈرائیور نے بس کا چکر لگایا مسافروں پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ معلوم نہیں اسے کس کی تلاش تھی۔ بے نیازی سے واپس ہوا اور جاتے ہی حکم دیا سگریٹ اور مے نوشی ممنوع ہے۔ چیختے ہوئے موبائل فون ہوں تو ہمراہیوں کی جان عذاب میں نہ ڈالئے۔

میرے ساتھ ایک طالبہ بیٹھی تھی۔ ہارورڈ میں زیر تعلیم۔ نوٹس نکال کر پڑھنے لگیں۔ میں ان کی تقلید پر مائل نہ تھا۔ میں کھڑکی سے باہر لگے بورڈ پڑھ رہا تھا۔ Settle in Massachusetts کیا آسان نسخہ ہے میں سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد خاتون تدریسی مواد سے اکتا سی گئیں اب جو جھک کر فرش پر کچھ تلاش کرنا شروع کیا تو پلاسٹک کی بوتل نکالی' دو گھونٹ پیئے پھر ڈھکن بند کر کے بوتل بیگ میں رکھی اور سوچنے لگیں۔

اب مشق فرمانے کیلئے موبائل فون برآمد ہوا۔ خاتون نے نمبر ملانے شروع کئے۔ کوئی نمبر پسند نہ آ رہا تھا اب گفتگو کی اور حضرت ڈرائیور کی ہدایات کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ شامت اعمال تو Sandy کی آئی یہ صاحب فون سے مستفید ہونے والے تھے۔ Arizona کے موسم سے لیکر میوزک تک ہر بات ہو رہی تھی۔ میں نظم وضبط کا بہترین مظاہرہ کر رہا تھا۔

بس نیویارک میں داخل ہو چکی تھی۔ یہ Harlem کا علاقہ تھا جو ایک زمانہ میں

مشہور تھا۔ جرائم اور دیگر سرگرمیاں اس کی وجہ شہرت تھیں۔ لوگ وہاں سے گزرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے کہ کہیں دھر نہ لئے جائیں۔ مگر اب حالات بدل گئے ہیں کوچ اسٹیشن سے نکلنے کے بعد میری منزل Pennsylvania اسٹیشن تھی۔

سڑکوں پر رونق' لوگوں کا ہجوم۔ زندگی جوان تھی۔ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ دور سے نظر آرہی تھی۔ اسکول کے اسباق میں ایک اسکا سبق بھی تھا کہ یہ دنیا کی بلند ترین عمارت تھی۔ 42nd سٹریٹ کا سبق مجھے یاد تھا اور اس پر لکھا جانے والا مضمون بھی۔

انہی اطراف میں Twin Towers بھی تھے۔ جن کی تباہی 11 ستمبر کا عنوان ہے اور ایک طرف 34th اور 32nd سٹریٹ ہیں۔ یہاں خریداری کے مراکز شان دکھا رہے تھے۔ ایک طرف براڈ وے ہے جہاں شاید اشیاء سستی ملتی ہوں۔ Time Square نیویارک کا ایک مشہور حوالہ ہے۔ یہودیوں کی بہتات ہے نیویارک کو کچھ لوگ جیویارک بھی کہتے ہیں۔

اس علاقے کے رستوران مشہور ہیں مختلف ممالک کی نمائندگی نظر آرہی تھی۔ Thai food' اٹالین فوڈ' چائنیز فوڈ اور کیا کیا۔ ایک سائن بورڈ پر لکھا تھا۔

"No pork on my Fork'

Hamburgers مرغوب امریکی غذا ہے۔ آپ کو اسکے مراکز جا بجا نظر آجائیں گے۔ میں بھی ایک پر رونق رستوران میں جانے کے لئے غور کر رہا تھا۔ کافی غور کے بعد آزمودہ رستوران ہی کام آیا یہ Wimpy کا Bean Burger تھا ساتھ کافی۔

چہل قدمی میں ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آئے کہ آدمی کھانا بھول کر صبر شکر سے کام لے نہ معلوم کیا کچھ پک رہا تھا۔

مجھے اب اسٹیشن پر پہنچنے کی جلدی تھی۔ یہ وہی Pennsylvania اسٹیشن ہے جسکا برفباری سے بھرپور تذکرہ آپ سن چکے۔ Long Island نیویارک کا اہم حصہ ہے اس کی نسبت سے Long Island Rail Road ہے جو عرف عام میں LIRR کہلاتی ہے۔ مجھے اب Valley stream جانا تھا۔ سیڑھیوں سے گھوم کر میں نچلی منزل میں پہنچ

گیا۔ رستوران' دکانیں اور لوگوں کی دلچسپی کے کئی ایک مراکز ایک طویل راھد اری کے دونوں طرف تھے۔

استقبالیہ سے Valley stream جانے والی گاڑی کا وقت پتہ کیا تو معلوم ہوا 15/20 منٹ میں Huntington جانے والی گاڑی پلیٹ فارم پر تیار ہے۔ اب دوسری قطار میں کھڑے ہو کر ٹکٹ لینی تھی اور قطار میں 2 ست رو مسافر موجود تھے مجھول اور جامد خدا خدا کر کے باری آئی ٹکٹ لیا۔ رقم واپس گنی تو 11 ڈالر کم' ہت تیرے کی۔ میں نے خاتون سے پوچھا تو اس نے رقم واپس دے دی۔

میں اگر عجلت میں نکل جاتا تو یہ رقم تو خاتون نے اڑا لی تھی۔ پس ثابت ہوا مالی معاملات میں خبر داری برقرار رہے۔ اب میں مذکورہ پلیٹ فارم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ بھاگ دوڑ کے بعد پہنچ ہی گیا۔ جلدی سے ڈبے میں سوار ہوا تو لگا عوام ایکسپرس اور LIRR میں کوئی فرق نہیں۔ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ ایک کونے میں جگہ نکل آئی۔

ساتھ کی نشست پر ایک کورین بیٹھا تھا۔ عجیب آدم بیزار لگتا تھا اپنا ویک اینڈ خراب کرنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ چند لمحوں میں اعلان ہوا کہ اس گاڑی کے دروازے اور دیگر حوائج عند الطلب الیکٹرانک نظام کے تابع ہیں اور کھلتے ہیں۔

گاڑی بھاگنے لگی۔ سوائے روشنی کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہم Woodside کے اسٹیشن پر تھے۔ اگلے اسٹیشن پر مجھے گاڑی بدلنا تھی میں نے گاڑی بدلنے کے لئے اس گاڑی سے اتر آیا۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کو بتایا جا رہا تھا کہ وہ گاڑی بدل لیں۔

یہ گاڑی خالی تھی اور چند لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ حالانکہ پہلے والی گاڑی میں اتنے لوگ تھے مگر سب خاموش۔ لگتا تھا کہ وہ عالم ارواح کا کوئی منظر تھا۔ چند لمحوں کے بعد یہ گاڑی بھی چل پڑی۔ میں Valley stream کے اسٹیشن پر اتر آیا اور ٹیلی فون کی راہ لی۔ کوارٹرز نکلنے کے باوجود بھی فون سے مطلوبہ نمبر نہ ملا میں نے مکے مارے تو فون نے رقم واپس اگل دی۔

میں سیڑھیوں پر سے اتر کر نیچے اتر آیا۔ سخت ہوا۔ مجھے چھینکیں آنے لگیں۔ آپ کو تو زکام ہو رہا ہے۔ میرے نزدیک کھڑے نوجوان نے کہا۔ جی شکریہ میں اصل میں انتظار کر رہا تھا

ان کا جنہوں نے مجھے لینے آنا تھا میں نے جواب دیا۔تو آپ فون کرلیں۔کوشش کی مگر وہ ادھر فون شاید ٹھیک نہیں اوہو تو پھر کیا یہ فون حاضر ہے کہتے ہوئے موبائل فون مجھے دے دیا۔میں نے فون کیا جواب ملا ہم دس منٹ میں پہنچ رہے ہیں۔میں نے فون بند کر کے واپس کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا تو جواب ملا کوئی بات نہیں مگر یہ موبائل فون جسے امریکہ میں سیل فون زیادہ کہتے ہیں ہے بڑے کام کی چیز۔

اسٹیشن کے باہر کھڑے ہونے کے لئے کوئی جگہ نہیں۔پرانی وضع کی پیلی ٹیکسیاں جن پر Valley Stream اور بلانے کے لئے بڑے بڑے ٹیلی فون نمبر لکھے تھے کھڑی تھیں۔

ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

مجھے ابھی چند منٹ اور انتظار کرنا تھا۔اتنے میں ایک مرسیڈیز بڑی شان سے آ کر رکی۔ چلئے میں نے سامان گود میں رکھا اور گاڑی میں گھس گیا۔آپ کو زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا یہ فانیہ ارسلان تھیں۔جی نہیں ارسلان صاحب ذرا مصروف تھے کوئی بات نہیں میں نے جواب دیا۔

چند منٹ بعد ہم ان کے گھر موجود تھے گھر کے سامنے ایک گھر کے باہر ماشاء اللہ لکھا تھا۔یہ صاحب حلال گوشت کا کام کرتے ہیں میزبان بتا رہے تھے۔ارسلان صاحب بھی کھانے کی میز پر موجود تھے۔

کھانے کے بعد میں ایک چھوٹے سے بیڈروم میں موجود تھا ایک کونے میں فلمی کیسٹوں کی بھرمار تھی۔لگتا ہے ان کو موسیقی سے دلچسپی ہے۔اس سردی میں مجھے پاکستان یاد آنے لگا جس کی آغوش محبت کی حدت اور تپش سے میرا وجود آشنا ہے۔

صبح لیٹ اٹھا اور ناشتے کے بعد میں ایک کونے پر نیم دراز کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ایک پرانا درخت سڑک کنارے موجود تھا۔ایک شاخ سے ایک پلاسٹک کی بوتل لٹک رہی تھی جس میں پرندوں کے لئے دانہ موجود تھا۔چڑیاں اور دیگر پرندے بوتل کے پیندے سے جڑی پلیٹ میں گرتے ہوئے دانے اور خوراک کھانے کے لئے پھر پھڑاتے پروں کے ساتھ چونچ میں دانے چگنے کی مشق کر رہے تھے۔یہ Aerial Feast عجیب تھی۔

یہ صاحب خانہ کا شغل ہے۔ان کے اپنی اولاد نہیں ہے۔تھوڑی دیر بعد میں گھر سے نکل

پڑا اسکا نمبر اور فون نمبر بطور احتیاط ساتھ لے لئے۔ ساتھ ہی Key Foods سٹور تھا۔ میری منزل وہ Green Acres شاپنگ مال تھی جہاں Jc Penny 'Masseys Old Navy, Sears وغیرہ کے سٹورز تھے۔

Masseys کے spelling وہاں Macy تھے۔ میں حروف تہجی کے جھگڑے میں پڑ کر اپنا وقت گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ عمدہ ملبوسات جوتے کیا نہیں۔ بہت عمدہ اب میں وہاں سے نکل کر Hagan Das آئس کریم کھانے پہنچ گیا۔ آئس کریم کھاتے ہوئے ایک نکڑ پر Caps نظر آئیں وہاں Hat بھی تھے۔ اچانک ایک جوڑا میرے پاس آ کر رکا اور بولا معاف کیجئے آپ نے جو ٹوپی پہن رکھی ہے وہ کیا یہاں سے خریدی ہے اور یہ کہتے ہوئے سامنے اشارہ کیا جی نہیں یہ تو سکاٹش کیپ ہے اور میں نے انگلستان سے خریدی تھی۔

"Looks pretty good"

خاتون میاں کی تائید میں بولیں۔ اب۔ میاں اس سیلز گرل کے پیچھے پڑ گئے کہ ہم ایسی ہی ٹوپی خریدنا چاہتے ہیں۔ وہ بھاگی میرے پاس آئی اور سوال دھرانے لگی میں نے اس جوان سے کہا اگر تم کو میری Cap پسند ہے تو میں اسے تمہیں فروخت کرنے کو تیار ہوں۔ بولو منظور ہے میں نے کہا۔ نکالو سو ڈالر۔ سب ہنسنے لگے۔ اسکو مذاق پسند نہیں آیا بولا آپ کو اچھی لگتی ہے۔ ایک دو ہاتھ ملک شیک سے ہو جائیں باقی سب کچھ کھانے تو کیا دیکھنے کی بھی تاب نہیں میں نے سوچا۔

باہر بے وقت برفباری پھر شروع ہو گئی تھی۔ ابھی میزبانوں کے آنے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا میں نے ٹہلنا شروع کر دیا۔ سامنے کھڑا اسکیورٹی گارڈ مسکرانے لگا۔

اگلے روز بوسٹن واپسی تھی۔ آج میں وقت پر چلنا چاہتا تھا۔ ناشتے سے فراغت کے بعد گفتگو ہونے لگی۔ 11 ستمبر کے حوالے سے بات جو چلی تو وقت کا احساس نہ ہوا۔ مجھے جمیکا سے انڈر گراؤنڈ گاڑی پکڑنا تھی۔ جمیکا تک کا فاصلہ گاڑی میں طے ہوا۔ سڑک کنارے معبد یہودی Synogogue اور چرچ' واقع تھے زیادہ سیاہ فام نظر آ رہے تھے۔

جمیکا سے میں گاڑی سے اتر پڑا یہ 179 ST اسٹیشن تھا۔ جیسے ہی میں سیڑھیوں

سے نیچے اترا تو یوں لگا کہ وہاں کسی بندے بشر کا وجود نہیں۔ ٹکٹ مشین بند پڑی تھی۔ ٹکٹ فروخت کرنے کے لئے کوئی موجود نہیں تھا۔ سامنے آہنی رکاوٹیں اور سلاخیں' پلیٹ فارم تک پہنچنے کا راستہ اس ٹکٹ سے کھلتا تھا جو ہنوز میں نے خریدنا تھا مگر وہ موجود نہیں تھا۔

اس شش و پنج میں میں نے دیکھا کہ چند ایک مسافر آئے اور گزر گئے۔ اتنے میں دو ماں بیٹیاں آئیں' بیٹی نے کارڈ مشین میں سے گزارا اور خود گزر کر کارڈ ماں کو واپس پکڑا دیا۔ والدہ نے کارڈ پکڑا اور یہی کام کر کے راستہ بنا کر گزر گئیں۔

یہ قانون شکنی دن دیہاڑے اور امریکہ میں' میں پریشان تھا۔ اتنے میں ایک سیاہ فام میرے پاس آیا اور کہنے لگا آج کوئی ٹکٹ فروش نہیں ملے گا۔ دو ڈالر مجھے دو اور میرے کارڈ سے گزر جائیں میں غلط اور غیر قانونی کام نہیں کرتا میں نے کہا۔ وہ بولا میری مان لو یہاں ٹکٹ نہیں ملے گا۔ چلو دو ڈالر بھی رہنے دو' میرا وقت قیمتی ہے۔ میں نے جواب نہ دیا وہ چلا گیا۔ اب تنہائی تھی اور میں۔

اتنے میں ایک اور صاحب آ دھمکے وہی آفر دو ڈالر میں راستہ پار اور سب وے میں بیٹھ جائیں۔ وہ بھی ایسا ڈھیٹ کہ جم گیا۔ دل و دماغ کی لڑائی میں عقدہ حل ہونے والا نہیں تھا۔ عجیب پریشانی کا عالم تھا۔ وقت تھا کہ ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔

معاملہ طے تھا میں اس قانون شکن عمل کے لئے اپنے اصول قربان کیوں کروں۔ مجھے اپنے مہذب شہری اور پاکستانی ہونے کا ادراک ہے۔ میں سامان سمیٹ کر باہر آ گیا اور متبادل اقدامات پر غور کرنے لگا۔ نمبر ون بس نمبر دو ٹیکسی۔ ٹیکسی کا کرایہ یہاں 179 st اسٹیشن سے 42nd ST تک ہوائی جہاز کے کرایہ سے زیادہ ہو گا۔ پھر کیا۔ سامنے کھڑی خواتین سے پوچھا تو پتہ چلا کہ فلاں نمبر بس وہاں لے جائے گی۔

اس بات سے مطمئن گھومتا ہوا سامنے قطار کے پاس جا کھڑا ہوا۔ میری مطلوبہ بس کے آنے میں دیر تھی۔ چند خواتین Grocery سے متعلق باتیں کر رہی تھیں ایک دیسی خاتون اس کا ترجمہ کر رہی تھیں میں نے جو Grocery کی تو۔۔۔۔ زبان اور گرائمر کے ساتھ اس نا گفتہ سلوک کی وجوہات تو شاید مورخ بیان کرے گا۔ میرا دل جلانے کو یہ ہی کافی تھی۔ اگر میں

متحمن ہوتا تو ذات شریف کے پانچ نمبر کاٹ لیتا۔

سامنے کھڑی بس کے پیچھے لکھا تھا یہ بس بہت جلدی لیفٹ سائیڈ پر موڑ کاٹتی ہے اس سے محتاط رہیں۔ یہ تو بڑی بے راہرو نکلی بچو بھائی میں سوچنے لگا۔

اچانک ایک بس ساتھ ہی آ نکلی اس کا سانس بھی معلوم نہیں کیوں پھول رہا تھا۔ میں جلدی سے سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ بیٹھا ایک چینی جاپانی Yellow نسل کا نوجوان بیٹھا تھا۔ اس نے بیگ سے فن تن سازی سے متعلق کتاب نکالی اور بازو کے مسل اور پٹھے بنانے کے گُر یاد کرنے لگا۔

اللہ تعالی کی قدرت ہے ہر رنگ اور مزاج کے انسان کائنات کا حسن بڑھا رہے ہیں۔ مجھے اپنے سامان کا مسلسل دھیان رکھنا پڑ رہا تھا پرانی وضع اور نسل کا یہ کیمرہ جو میری دست قدرت میں تھا بہت بھاری تھا۔

لگتا ہے خالد نے خوب سنبھال رکھا تھا۔ اسکو استعمال کرنے سے پہلے باقاعدہ تحقیق درکار تھی بلکہ چند ایک سیانے لوگوں سے مشورہ کرنا بھی ضرورت تھی کہ کار قضا چل پڑے تو اس کو روکا کیسے جائے۔ اس کو چھپانا ویسے بھی قرین مصلحت اور تقاضا فطرت تھا کہ لوگ آپ کے بارے میں منفی رائے قائم نہ کریں۔

بس انجانے راستوں پر چل رہی تھی۔ کبھی نہ معلوم وجوہات کی بناء پر رک جاتی۔ ہم اپنے صبر کو آزما رہے تھے۔ آخر کار اسکا مقام آخر آ گیا۔ Port Authority سامنے تھی۔ اسکے زیر انتظام ہی بس کا چلنا تھا۔

ہجوم کافی تھا۔ میں نے ریٹرن ٹکٹ سنبھال رکھا تھا۔ ابھی مجھے معلومات کے لئے دوبارہ ایک آدم بیزار خاتون سے پوچھنا تھا۔ وہ نہایت درشت گو اور بدمزاج خاتون تھی۔ اگر یہ عملہ اور خوش اخلاقی کا عالم ہے تو بس سروس درست گرے ہاؤنڈ کہلاتی ہے۔ بوسٹن کی بس گیٹ نمبر 88 سے ملے گی۔ آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ میں زیریں منزل پر جا نکلا دروازوں کی تلاش، علم کا حصول کتنا ضروری ہے اور انگریزی تو اشد ضروری ہے۔ خدا بھلا کرے جناب سر سید احمد خان کا۔ آج بہت یاد آئے۔

دروازہ نمبر 88 کے سامنے دو ٹیڑھی قطاریں تھیں جناب شیخ کا قدم یہاں اور وہاں دونوں جگہ کیونکہ میرے آگے دو دل جلے کھڑے تھے۔ دن دیہاڑے عالم مدہوشی میں۔ واہ بھئی خوب ہے۔

آخر ہم بھی گیٹ تک پہنچ گئے۔ مسٹر Rogers کمبخت ڈرائیور ٹکٹ پر لکھا غلط نام پڑھ رہا تھا۔

یہ نئی بس تھی باہر Peter Pan لکھا تھا سرخ سفید ڈرائیور غیر ضروری مزاح ابل رہا تھا۔ اگلی سیٹوں پر بیٹھے لوگوں سے الجھ رہا تھا۔ میں نے جیکٹ سمیٹ کر Overhead کمپارٹمنٹ میں رکھ دی اور غور کرنے لگا کہ دن دیہاڑے سفر رات کے تھکا دینے والے سفر سے بہتر ہے۔ بس چل پڑی۔

میرے برابر میں بیٹھی حسینہ نے فون کا استعمال شروع کیا۔ معلوم نہیں کس کا علاج ہو رہا تھا۔ صورتحال سنگین تھی اللہ پناہ۔ ہم Major Deegan روڈ پر جا رہے تھے۔ خاتون اب زیر لب جذبات کا اظہار کر رہی تھیں۔ جناب ممدوح فون کے دوسرے سرے پر نہ معلوم کہاں تھے میں سوچ رہا تھا۔

یہ جوانی کے ولولے اے دل دو گھڑی کے ابال ہوتے ہیں
ہائے وہ مار ڈھیلے ہاتھوں کی کس مزے کے ملال ہوتے ہیں

خاتون بے جا تبسم پر میری جانب دیکھنے لگیں۔ ہمیں کیا ہمیں کون سا اس کا ڈر ہے۔ میں نے سوچا۔

بس Stamford اور پھر Stur Bridge جائے گی۔ میں باہر کے نظارے کرنے لگا۔ چھوٹی کشتیاں اور لانچ ان پر وقت گزارنا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ میں اپنے ماضی کے جھروکوں سے دیکھنے لگا۔ گوادر کے نیلے پانی 'نیوی کی کشتی MSA کے بحری بیڑے اور پھر محکمہ ماہی گیری یا پروری جو سمجھ لیں جسکا بطور معتمد انتظام سنبھالنے کا اعزاز مجھے حاصل رہا ہے۔ بڑے حوصلے کا کام ہے۔ کتنے لوگوں کو Sea Sickness جاتی ہے۔ سر چکرانا جی متلانا تو عام علامات ہیں۔

سمندر میں درست سمت سفر کرنا اور بھی ضروری ہے۔ High اور Low Hide کے اوقات سب اپنی جگہ ضروری ہیں۔ امریکہ میں ویک اینڈ پر ان کشتیوں پر وقت گزارنا مچھلیاں پکڑنا اور اعلیٰ ھذا القیاس۔

میں گھڑی پر وقت دیکھ رہا تھا۔ "منزل مادورنیست "بس سڑک سے گھوم کر ایک چھوٹی سڑک پر ہولی۔ میرے ساتھ بیٹھی خاتون اٹھی اور سیدھی جا ڈرائیور کے سر پر سوار ہوتی مجھے یہاں اترنا ہے۔ وہ بولیں۔ میں صرف اسٹاپ پر گاڑی روکوں گا' ڈرائیور نے صاف جواب دے دیا۔ کیوں بھئی اور لوگ تو اتار دیتے ہیں وہ بولیں۔ اتارتے ہوں گے' مجھے کیا' I am so real جو سوچتا ہوں وہی بولتا ہوں۔

ڈرائیور کے جواب یا فلسفہ بگھارنے پر موصوفہ غصے میں واپس لوٹ آئیں اور دیسی خواتین کی طرح پھنکارنے لگیں۔ خواتین تو ایک جیسی غصیل ہوتی ہیں میں سوچنے لگا۔

ہمیں کیا جو چاہیں کریں۔ میں سوچنے لگا' حکماء ایسے موقع پر کیا خوب Devil may care attitude کا استعمال کرتے ہیں۔ اب بس River side Peter Pan stop for Trailways پر رک گئی۔ آدھی بس تو خالی ہو گئی۔ اس جگہ سے Greenline کی گاڑی اپنا سفر شروع کرتی تھی۔ مگر میں اپنے اسٹاپ کے انتظار میں تھا جو آخری اسٹاپ تھا۔ ابھی پندرہ بیس منٹ کا سفر باقی تھا۔

میرے سامنے ہدایت نامہ جملہ طالب علم صاحبان مجاریہ کینڈی سکول آف گورنمنٹ موجود تھا جس کی رو سے

" All members of the community are entitled to respect. All inidividuals are expected, in their dealings with every other individual at the school, to demonstrate respect for each person's worth dignity and capacity to contribute.

The faculty, staff and fellow participants you work with

here at the Kennedy School of Government are professionals and your relationship with them should be strictly professional.

Staff and faculty often socialize with particpants in the context of Program activities. This kind of friendly interaction should not be interpreted as an invitation a signal of availability for a more personal relationship.

All Members of the Kennedy School Community are entitled to work in an environment that is free from threat, harrassment, abuse or discrimination. Disrespectful behaviour, sexual harrassent or social / ethnic slurs will not be tolerated.

It is a common American practice that in an academic setting where people are learning together and from each other, participants adress each other and our faculty and staff by their first or given names; this is not inended to be disrespectful or discorteous.

روزنامچہ ہدایات کا یہ باب امریکی سوچ اور رویوں کا غماز ہے۔ مہذب روایات اور انسانی رویوں کے خدوخال اقوام کے افعال پر مثبت یا منفی دونوں اثر ڈال سکتے ہیں۔ یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ تعلیمی ادارے کسی طرز عمل کا تقاضا کرتے ہیں۔

کاٹئے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح

بوسٹن امریکہ کا اہم تجارتی اور کاروباری مرکز ہے۔ امریکہ کے مختلف حصے مختلف سرگرمیوں کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ شارلیٹ نارتھ کیرولینا کا ایک شہر ہے جو حجم اور سرگرمیوں میں جو بھی ہو بینکاری کا اہم مرکز ہے۔ بوسٹن کی تاریخی اہمیت اور روایات اپنی جگہ ہیں۔ اگر بوسٹن دیکھنا ہو تو چند مقامات کے بغیر گزارہ نہیں۔

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بوسٹن کامن امریکہ کے قدیم پارک ہائے میں سے ایک ہے۔ نوآبادیاتی دور کی ایک یادگار۔ کبھی یہاں پر مویشی چرتے پھرتے ہوں گے۔ پھر انگریز قابض سپاہ کے بھاری بوٹ اس کی نزاکت پامال کرتے رہے اور سرعام پھانسی دینا جو غاصبوں کی روایات میں سے سفاک ترین عمل ہے یہ منظر بھی چشم فلک نے یہاں دیکھے۔

بوسٹن کامن بوسٹن اور اسکے نواح میں جملہ پارک ہائے کا " Emerald Necklace " ہے انگریزی سپاہ یہاں سے ہی Lexington اور Concord میں باغیوں کی شورش کو کچلنے کے لئے گئی اور یہ پارک ان کے تسلط سے آزاد ہوا۔ بوسٹن تک رسائی چنداں مشکل نہیں اور اس کی شہرت اس طور بھی ہے کہ آپ اسے گھوم پھر کر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح یہ امریکہ کا ایک Walking City بھی ہے جہاں تاریخی Walking tour نے جنم لیا۔ یہاں Free Trail Foundation بھی ہے جو Colonial Revolutionary Boston کا ایک رخ ہے اس Trail کے ذریعے سیاح 16 تاریخی مقامات دو یا تین گھنٹے میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ Guided Tours تو دنیا میں اور جگہوں پر بھی ہوتے ہیں۔

لندن کے ایسے ٹورز تو مشہور ہیں جو Jack the Ripper کے مناظر دکھا سکتے ہیں۔ ایڈنبرا میں ایسے ہی ٹورز میں ایک کردار خنجر لئے تاریک موڑ سے آدھمکتا ہے۔

مگر یہ ٹریل' جداگانہ اہمیت کی حامل ہے۔ عمارات کی ساخت تاریخ کے سفر اور ترقی کے مناظر دکھاتی ہے۔ آپ اڑھائی صدی قدیم تاریخ بغیر تردد کے دیکھ سکتے ہیں۔ آرام دہ جوتوں اور حوصلے کا فقدان آپ کا خوب سیاحت ہرگز شرمندہ تعبیر نہ ہونے دے گا۔

ریڈ لائن سب وے پارک سٹریٹ اسٹیشن یہاں پہنچنے کا گر ہے۔ تہذیبی ترقی دیکھنے کے لئے بھی بہت کچھ ہے۔ نیا اور پرانا طرز تعمیر تاریخی سفر کی کہانی سنا رہا ہے۔

اگر آپ ایسی چیزوں میں دلچسپی رکھتے ہیں تو گھنٹوں دلچسپی کا سامان ہے۔ یہ ٹورز گائیڈ کی سہولت کے ساتھ بھی مہیا ہیں جو مختلف کہانیاں اس آمیزش سے بیان کرتے ہیں کہ آدمی Self guided ٹور کا سوچے۔ اگر طبع نازک پر دیگر سیاحوں کے ساتھ چلنا گراں گزرے تو Trolley سروس بھی مہیا ہوتی ہے۔ آپ دام نکالیں اور ٹورز جاری رکھیں جہاں چاہے اتر جائیں مخصوص مقامات پر اور دوسری بار ٹرالی کا استعمال پھر کرلیں۔ Guided tours میں سے کہانی کی آمیزش اگر نکال دی جائے اور اپنی صلاحیتوں کا اعتبار کیا جائے اور فیصلہ جات خود کئے جائیں تو میرے خیال میں یہ بہترین ہے۔

Trolley tour میں تو خیالات کے سرکش گھوڑے نہ معلوم اطراف کا سفر کرتے رہتے ہیں اور بعض اوقات بات سمجھ میں نہیں آتی۔ Faneuil Hall بوسٹن کا ایک اور تاریخی مرکز جہاں Samuel Adams جیسے آزادی کے متوالوں نے جذبہ حریت کو ہوا دی۔ یہ 1742 Market place ء سے استعمال ہو رہی تھی اور Peter Faneuil نامی صاحب حیثیت نے اسے تعمیر کروایا تھا۔ Charles Bulfinch نے 1806 ء میں اس میں توسیع کروائی۔ عوامی اجتماعات اس کی وجہ شہرت ہے۔ آج بھی اسکا پہلا فلور Market Place ہے جبکہ دوسرا Meeting Hall کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ زندہ دلان بوسٹن آج بھی اس ہال کو استعمال کرتے ہیں۔ اور بحث مباحثے اسکی شان بڑھاتے ہیں۔ چوتھے ہال کو تاریخی آرٹلری کمپنی استعمال کرتی ہے جس کی اپنی تاریخی اہمیت ہے۔

یہ ایک سرد شام تھی۔ سہیل بھائی کی مہربانی سے میں tour کے بغیر وہاں موجود تھا۔ Bulfinch کے نام سے مجھے Bulfinches علم الاصنام یاد آنے لگے جو Greek Mythology پر عمدہ کتاب ہے۔

قومیں کیسی کیسی مشکلات میں کندن بن کر نکلتی ہیں میرے سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ اپنی قومی بے حسی پر نہ جانے کیوں شرمندہ سا ہونے لگا۔ Isabella Stewart

Gardner میوزیم 1903-1900ء میں تعمیر ہوا تھا اور اپنی ایک صدی مکمل کر چکا ہے۔ Mrs Gardner کی آرٹ کے فن پارے اور باغ اسکی وجہ شہرت بنے۔ آرٹ میوزیم دیکھنے کے لئے حوصلے اور ظرف کی ضرورت ہے۔ ہر کس و ناکس شاید اس سے اس طور نہ مستفید ہو سکے جس طرح اسکا حق ہے یہاں داخلے کی فیس مقرر ہے۔

جے ایف کینڈی میوزیم امریکہ کے 35ویں صدر کی یادگار کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اسکے علاوہ Museum of Fine Arts اور میوزیم آف سائنس بوسٹن میں قابل قدر اضافہ ہے۔

New England کا ماہی خانہ دلچسپی کا سامان لئے ہوئے ہے جس میں جنگلی حیات کچھ شارک اور نہ جانے کیا کیا گھونگے سیپیاں وہاں موجود ہیں۔ قدرے بچگانہ سا مشغلہ لگا۔ ان مقامات کی موجودگی نے بوسٹن کو کسی اور امریکی شہر کے مقابلے میں شرمندہ نہیں ہونے دیا۔ جس جگہ بھی چلے جائیں لوگ گھومتے نظر آئیں گے۔ ہر کسی کی دلچسپی کسی نہ کسی جگہ موجود ہے۔

Jessicastern فیکلٹی ممبر ہیں اور دہشت گردی اور اسباب اور اس کے ممکنہ انسداد سے متعلق ایک روز لیکچر دے کر گئیں۔ موصوفہ یہودی ہیں اور Killing in the name of Allah نامی کتاب کی مصنفہ ہیں۔ اپنی تحریر اور تحقیق کے دوران وہ پاکستان آ چکی ہیں۔ کئی لوگوں سے ملاقات اور انٹرویو کا تذکرہ ان کی کتاب میں موجود ہے۔ اپنی گھنگھریالی لٹوں اور چشموں سمیت بڑے وثوق سے بات کرتی رہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ فرقہ وارانہ تشدد اور اسکی موجودگی معاشرے کے لئے دردسر سے کم نہیں۔

ایک لیکچر کے بعد چند اصحاب شاید ان کے خیالات سے متاثر ہوئے ہوں گے کہ دوبارہ ایک اور نشست کی فرمائش کر ڈالی۔ ایک دوپہر اختتامی لیکچر کے دوران وہ دوبارہ آ موجود ہوئیں اور پہلے والی تحقیق کے حوالے سے گفتگو آگے بڑھانے لگیں۔ اب وہ چند اسلامی مفکرین اور ان کے خیالات کا تجزیہ کرنے لگیں۔

ان کا تحقیقی مواد سطحی نوعیت کا ثابت ہوا۔ اور وہ خودکش حملوں کے حوالے سے لوگوں کو

مورد الزام ٹھہرانے لگیں جو کشتہ ستم ہیں۔

فلسطین میں خودکش حملہ آور اسرائیل کا امن خراب کر رہے ہیں۔ اسرائیل سے کسی بھی یہودی عقائد کے پیروکار کی دلچسپی فطری ہے لہذا اسکا ادراک کسی دلیل کا محتاج نہیں مگر حالات کا درست تناظر میں تجزیہ نہ کرنا اور تعصب کی عینک ناک پر مسلسل جمائے رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔

ابھی لیکچر ختم ہوا ہی تھا اور وقفہ سوالات شروع ہوا تو میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور پہلا سوال کیا۔ میں نے موصوفہ کے لیکچر کی موزونیت کے حوالے سے بات شروع کی کہ آپ کو پہلے یہ سوچنا ہوگا کہ اسلام کا پیغام حقانیت کیا ہے۔ اسلام کا تو مطلب ہی امن اور سلامتی ہے۔ الہامی مذاہب کا دیکھ لیجئے حضرت مسیح کی تکذیب کئی لوگوں نے کی اور کیا ایسا تو نہیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بھی رسالت کو کچھ لوگ سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اسلام کو دیکھئے قران حکیم میں ایک بے گناہ کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔

مسلمان تو انبیاء اور الہامی کتب کی حقانیت پر ایمان رکھتے ہیں ہم حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت داؤد سب پر ایمان رکھتے ہیں اسلام تو مہر تصدیق ثبت کرتا ہے ۔رہی بات جہاد کی اور اسکی من مانی تشریح کی تو آپ اپنے ہاں کے Crusade کا مفہوم بیان کریں۔ کوئی تہذیبی ٹکراؤ نہیں ہم مہذب لوگ ہیں دنیا کی کل آبادی کا ایک حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ قرآن کا فرمان ہے یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کون تھے وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی وہ تو سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے۔ اے اہل کتاب آؤ اور ہارے ساتھ شامل ہو جاؤ ان قدروں میں جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں یعنی ایک اللہ اور۔۔۔۔۔

خودکش حملے تشویشناک ہیں آپ کو اسرائیل کی فکر ہے تو مجھے فلسطین اور کشمیر کے بے گناہ اور نہتے مظلوموں کی۔ ہر صبح جب میں بیدار ہوتا ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر آجاتا ہے جہاں ایک فلسطینی باپ اپنے معصوم بیٹے کے ساتھ فوٹو میں موجود ہے۔ اسرائیلی فائرنگ سے بچنے کے لئے ایک دیوار کا سہارا لے رہا ہے۔ پھر اسرائیلی فائرنگ سے معصوم بچہ باپ کی گود میں دم توڑ رہا ہے۔

میری آواز نہ جانے کیوں میرے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی ہر مصلحت سے آزاد

مجھے ہے حکم اذاں لا الہٰ الا اللہ

پڑھے لکھے مہذب لوگ دلیل سے اور کھلے دل سے بات کرتے ہیں دوسروں کی دل آزاری کا سبب نہیں بنتے۔ لیکچر کے بعد چند ایک اصحاب نے کہا آپ نے سب کے جذبات کی ترجمانی کی۔

دیوار پر نوٹس بورڈ پر Cathay نے آنے والی ایک ڈنر پارٹی کا نوٹس آویزاں ہی کیا تھا کہ میں وہاں سے گزرا۔ اس پارٹی میں جو ایک قدیم Pub نما رستوران میں ہو رہی تھی کا ذکر تھا۔ یہ ساحل پر بندرگاہ کا ایک قدیم حصہ تھا۔ صدی پرانی تہذیب اور اس سے وابستہ یادوں کا ایک محور۔ نوٹس پر لکھا تھا کہ آپ Lobster مچھلی یا مٹن کسی ایک کا انتخاب کریں گے۔ میں نے Lobster کا انتخاب کیا۔ پھر چند روز بعد ایک مزید سرد شام کو ہم سولجرز فیلڈ پارک سے بس میں سوار ہو رہے تھے۔

بس شہر کے پر رونق حصوں سے ہوتی ہوئی منزل پر پہنچ گئی۔ چوبی زینہ سے گزرتے ہوئے ہم ریستوران میں داخل ہو رہے تھے۔ بالائی منظر نامہ پر ایک طرف سمندر کے ساحل کی جھلک تھی اور دوسری طرف چوبی تختوں سے مزین دیوار کی۔ دھیمی روشنی اور خوش وضع لوگوں کا ہجوم میرے ساتھ چند ایک خوش مزاج افسران موجود تھے۔ رؤف چوہدری اسرار رؤف خالد پرویز اور خسرو۔ پھر کیا تھا۔

خسرو کے قہقہے بلند آواز میں گونج رہے تھے۔ لطائف کی آمد تھی کہ جاری تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک Lobster سے آراستہ پلیٹ میرے سامنے تھی۔ اسکے کریہہ المنظر حصے پکانے کے دوران ہی کاٹ دیئے جاتے ہیں۔

اچانک Cathay آموجود ہوئی۔ Karen Murphy ساتھ کی نشست پر بیٹھی اپنی آئرش فیملی کی تاریخ نہ جانے کیوں سنانے پر مصر تھی۔ اداس آنکھوں والی Karen پر مجھے اس وقت ترس آ گیا۔ Cathay یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ آیا میں Lobster سے اکیلا ہی نبٹ لوں گا یہ کسی کی مدد کی ضرورت ہوگی۔

"Watch before butter flows along your sleeves"

عورت کا یہ روپ پاکیزہ ہے۔ خاتون نے ایک Cracker کا آرڈر دیا۔ تھوڑی دیر بعد بٹلر ایک آہنی Cracker لئے آموجود ہوا۔ یہ Nut Cracker اور روایتی سروتے سے ملتا ہے جس سے چھالیہ کترتے ہیں۔ مجھے اپنے مرزا بیگ آشفتہ اور خانصاحب مطلوب الحسن خان سپرنٹنڈنٹ پولیس (پنشنر) یاد آنے لگے۔

Lobster کی بیرونی سطح Cracker کے آہنی شکنجے میں کس دی گئی۔ آگے ہاتھ دکھانا میرا کام تھا جو میں نے بخوبی دکھایا۔ اندرونی گودا مچھلی سے ملتا جلتا ہے۔ یہ delicacy ہے کھانے میں تھوڑی دیر توقف کرنا پڑتا ہے پہلے مشقت اور گودے کو نکالنا۔

میری طرح نذرت اور چند ایک اور روشن خیال لوگوں نے بھی Lobster کھانے پر اظہار آمادگی کیا تھا اس لئے کہ سمندر کا شکار مسلمان کے لئے حلال ہے۔ ارباب شاہ رخ نے میری فوٹو کھینچنے میں دیر نہ کی تا کہ بعد میں مجھے تادیر بلیک میل کیا جا سکے۔

امریکی کھانا چند کورسز کی مار ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں کے کھانوں کی طرح نہیں قطار اندر قطار یہاں تک کے کھانا کھانے والے کھا کھا کر بے حال ہو جائیں۔

اب لطیفوں کا دور چل نکلا۔ میری کارکردگی اچھی تھی میں نے تین لطیفے سنائے۔ خسرو کے قہقے دوسروں پر سبقت لے گئے۔ سب لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

ہم دوبارہ گاڑی میں آموجود ہوئے۔ ابھی بھی لطیفے آرہے تھے۔ بس دوبارہ ہمیں ہماری منزل کی طرف لے جا رہی تھی۔ اب پڑھائی پر آمادہ ہونے کے لئے تھوڑی محنت درکار تھی۔ امریکہ کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا مجموعہ کہنا عین حقیقت کا ادراک ہے چھوٹے چھوٹے ممالک بھی علاقائی عصبیتوں اور تعصب سے نجات پانے میں اپنی توانائیاں صرف کرتے رہتے ہیں۔ اندرونی خلفشار اور اس کے نتائج تاریخ انسانی نے محفوظ کر رکھے ہیں۔

امریکہ مختلف مذاہب اور رنگ و نسل کے لوگوں سے آباد ہے۔ یہ Land of opportunity ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے لوگ یہاں آ کر آباد ہوتے

رہے ہیں۔اور امریکی تہذیب کا حصہ بنتے رہے ہیں۔گو ان کے انفرادی خدوخال بھی برقرار رہے ہیں جیسے China Town مگر وہ امریکی رنگ میں ہی رنگے گئے ہیں۔امریکہ ان کا وطن ہے اور وہ اس پر خوش ہیں۔اگر آج امریکہ میں دس آدمیوں سے کسی محفل میں گفتگو کی جائے تو شاید ان میں سے کسی ایک کے دادا بھی امریکہ میں نہ پیدا ہوئے ہوں۔فطری طور پر بھی وہاں رہنے والوں کو اپنی ذمہ داری کا بخوبی احساس ہونا چاہیے۔

امریکی ریاستیں اپنی جداگانہ حثیت کو برقرار رکھے ہوئے قومی دھارے میں ضم ہیں اور امریکی ہونے پر مطمئن بھی ہیں اور فخر بھی کرتی ہیں۔میں سوچوں میں گم تھا۔ہم نے ہر شے کو رواج دیا کاش ہم نے پاکستانیت کو بھی فروغ دیا ہوتا۔اس خوبصورت ملک سے محبت ہر شے پر مقدم ہے اور ہمارے لئے باعث افتخار بھی۔

خاروطن سنبل وریحان خوشتہ۔

امریکہ کی مختلف ریاستوں کو عرف عام میں Nicknames بھی دیئے گئے ہیں جو اس طور ہیں۔

| | |
|---|---|
| Alabama state | Yellow hammer state, heart of Dixie Camellia state. |
| Alaska | The last Frontiner. |
| Arizona | Grand Canyonstate, copper state. |
| Arkansas | The Natural state, land of opportunity, the Razor back state. |
| California | Golden State |
| Colorado | Centennial state, Colorful Colorado. |
| Connecticut | Constitution State. Nutmeg State. |

| | |
|---|---|
| Delaware | First State, Diamond State, Blue Hen State. |
| Floridia | Sunshine State. |
| Georgia | Peach State. Empire of the State. Goober State. |
| Hawaii | Aloha State. Pineapple State. |
| Idaho | Gem State. Spud State. |
| Illinois | Prairie State. Land of Lincoin. |
| Indiana | Hoosier State. |
| Iowa | Hawkeye State. |
| Kansas | Sunflower State. Salt of the Earth. |
| Kentucky | Blue Grass State. |
| Louisiana | Pelican State. Sugar State. |
| Maine | Pine Tree State. |
| Mary Land | Old Line State. Free State. |
| Massachusetts | Bay State. Old Colony State |
| Michigan | Great Lakes States. Wolverine State. |
| Minnestoa | North Star State. Gopher State. Land of 10,000 Lakes. Bread and Butter State. |
| Mississipi | Magnolia State. |
| Missouri | Show Me State. |
| Montana | Treasure State. Big Skey State. |
| Nebraska | Cornhusker State. |

| | |
|---|---|
| Nevada | Silver State. Battle Born State. Sagebrush State. |
| New Hampshire | Granite State. |
| New Jersy | Garden State. |
| New Maxico | Land of Enchantment. |
| New York | Empire State. |
| North Carolina | Tar Heel State. Old North State. |
| North Dakota | Peace Garden State. Fickertail State. Roughrider State. |
| Ohio | Buckeye State. Modern Mother of Presidents. |
| Oklahoma | Sooner State. |
| Oregon | Beaver State. |
| Pennsylvania | Key Stone State. Quaker State. |
| Rhode Island | Ocean State. Little Rhody. |
| South Carolina | Palmetto State. |
| South Dakota | Coyote State. Mount Rushmore State. |
| Tennessee | Volunteer State. Big Bend State. |
| Taxas | Lone Star State. |
| Utah | Beehive State. |
| Vermont | Green Mountain State. |
| Virginia | Old Dominion. |
| Washington | Evergreen State. Chinook State. |

| | |
|---|---|
| West Virginia | Mountain State. |
| Wisconsin | Badger State. |
| Wyoming | Equality State, Cowboy State. |

انور گورایہ صاحب کمشنر انکم ٹیکس ہیں مخلص اور عمدہ شخصیت کے حامل اور غیر تحلیل شدہ کمشنری سے یاد آیا۔

اس انجمن میں ہم بھی اک رات جل چکے ہیں
تم شمع بن رہے ہو اور ہم پگھل چکے ہیں

گورایہ صاحب شعر سن کر مسکرائے۔ دبلے پتلے سحر خیز اور گھومنے پھرنے کے دلدادہ میں نے تو ان کو کولمبس جدید قرار دے دیا۔ Bob نے سب کو ہارورڈ کے کیمپس کا چکر لگوایا۔ سہ پہر غارت کرنے سے بہتر تھا کہ ہجوم کے بغیر خود کیمپس کا Self Guided ٹور بہتر رہے گا۔ گورایہ صاحب نے میرے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا۔ بس پھر کیا چل نکلے ہم کیمبرج کے ٹور پر۔ ہارورڈ یونیورسٹی کا ٹور بڑا اہم تھا۔ ہم ہارورڈ اسکوائر سے ہارورڈ یارڈ والی سڑک پر چل پڑے۔ دائیں جانب مختلف سٹورز ہیں درسی اور نصابی کتب اور دیگر اشیاء نظر آتی ہیں یہ کیمبرج کا علاقہ ہے۔

کیمبرج خواہ انگلستان کا ہو یا امریکہ کا اپنی تعلیمی اہمیت کے لحاظ سے یکتا ہے۔ بائیں ہاتھ مڑتے ہی مختلف عمارات کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ تاریخی نوعیت کی عمارات صدیوں سے اپنی تعلیمی اہمیت منواتی چلی آ رہی ہیں۔ ایک جانب ہارورڈ فیکلٹی ممبرز کلب ہے۔

کیمبرج کے اسی علاقہ میں آگے ہارورڈ کے پریذیڈنٹ کی اقامت گاہ ہے۔ شام کے وقت بھی یہاں کافی گہما گہمی ہوتی ہے۔ نوجوان طالب علم ایک گروہ کی صورت میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مگر سلیقہ اور شائستگی دور سے نظر آتی ہے۔

ایک طرف کلیساء کی طرح کی عمارت نظر آ رہی تھی میں اور انور دونوں خاموشی سے صدر دروازہ عبور کر کے اندر داخل ہو گئے۔ گرجا گھر کے روائتی تقدس کے ساتھ پرانے طرز تعمیر کا نمونہ لمبی اور بڑی کھڑکیاں جن میں رنگین تکونے اور مخروطی شیشے کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔

لکڑی سے بنے ہوئے درودیوار۔ یہ جنگ آزادی میں کام آنے والوں کی یادگار کے طور پر تعمیر کردہ عمارت تھی۔ دیواروں پر مختلف نام تحریر تھے اور نام کے ساتھ کام آنے والے طالب علموں کے مختصر احوال درج تھے۔ فلاں فلاں جو فلاں اسکول ہارورڈ میں فلاں سال میں زیر تعلیم تھا اور کیسے جنگ آزادی میں لڑتے ہوئے جان دے دی۔

مختصر وقت میں سبکے کوائف سے آگاہی حاصل کرنا ممکن نہ تھی۔ ہم ساری دیواروں کے ساتھ گھومتے ہوئے کچھ دیر ان آزادی کے متوالوں کے تذکرے کرتے رہے اور قلوب گرماتے رہے وہ کیا جذبہ تھا جس نے میڈیکل اور Law سکول کے طالب علموں کو آزادی کی تڑپ سے آشنا کیا تھا۔ تاریخ گواہی دیتی ہے۔ جہاں بھی اقوام نے استبداد کے خلاف جذبہ حریت سے سرشار ہو کر غلامی کو اتار پھینکنے کی سعی کی نوجوان بالخصوص طالب عالم کام آئے۔

میرا ذہن تحریک پاکستان کے تذکرے سے منور ہو رہا تھا نوجوان طالب علموں نے پاکستان کی آزادی کے لئے کیسی تڑپ کا مظاہرہ کیا تھا۔

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو

میں خاموش ہال کی صدر دیوار کے سامنے کھڑا تھا۔ کاش میں چند دیئے یا شمعیں روشن کر سکتا ان سپوتوں کی یاد میں۔ ہمارے اسلاف اور ان نوجوانوں نے ایک ہی مشترکہ غاصب کے خلاف جدوجہد کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم ہارورڈ کیمپس کے دوسری طرف موجود تھے۔ ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ بائیں ہاتھ ایک بہت پرانی عمارت تھی ہم گھوم کر اس میں داخل ہو گئے۔ سیڑھیاں چڑھ کر اندر داخل ہوئے تو لکڑی کے زینے نظر آئے۔ یہ شعبہء تاریخ تھا۔ ایک طرف سے آوازیں آ رہی تھیں تاریخ کا سبق با آواز بلند جاری تھا۔

عمارت کے جائزے کے بعد ہم سامنے لائبریری کی طرف ہو لئے۔ یہ تاریخی عمارت ہارورڈ طلباء کے لئے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لائبریری کو Titanic جہاز سے نسبت ہے۔ ایک طرف بورڈ لگا تھا۔

" Harry Elkins Widener
A graduate of this Univeristy
Born January 3, 1885
Died at Sea
April 15, 1912
Upon the Foundering
of the Steam ship
Titanic....."

دیوار کے دوسری طرف یہ عبارت تحریر تھی۔

This Library erected
in loving memory ofHarry Elkins Widener by his mother
Eleanor Elkins Widener dedicated
June 24, 1915
Christopher Gare Library existed

لائبریری کی عمارت میں داخل ہوں تو وسیع عمارت اپنے پہلو میں علم وادب کے خزانے لئے ہوئے نظر آتی ہے۔ ہونہار طالب علموں کی ایک تعداد لائبریری میں موجود تھی جبکہ کچھ باہر ہی دیگر مصروفیات سے دل بہلا رہے تھے۔

Titanic کی غرقابی سے متعلقہ فلم کے حصے ذہن میں آنے لگے۔ میں سوچوں میں گم کمشنر ژوب کے گھر میں موجود تھا جہاں تین گھنٹے طویل فلم Titanic دیکھنے کے بعد طبیعت مضمحل ہو گئی تھی۔ جانے کن حالات میں جہاز غرق ہوا اور زیر آب Iceberg نے کیسے کیسے لوگ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے۔ کیسی ماں تھی جس نے اس لائبریری کو بنا کر Harry Elkins کو زندہ جاوید کر دیا۔ رونا دھونا تو جملہ ہلاک شدگان کے لئے ہوا ہی ہوگا۔ انسانی جذبات اپنی جگہ مقدم ہیں۔ چونکہ Harry کو تیرنا نہیں آتا تھا اگر آتا ہوتا تو تیر کر جان بچالیتا

۔اسی لئے اس کی ماں نے اس لائبریری سے مستفید ہونے والوں کے لئے فن تیراکی سے آگاہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ یہ انور گورایہ صاحب کا استدلال تھا اور اس حد تک تحقیق کا سہرا واقعی انہی کے سر ہے۔

ماہر انکم ٹیکس افسر جو چھپی ہوئی بلکہ یوں کہیئے ڈوبی ہوئی دولت بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں یہ کیا ہے ان کے سامنے' گورایہ صاحب عینک کے پیچھے سے مسکرانے لگے۔

اب ہم John Harvard کے مجسمہ کے سامنے کھڑے تھے۔ دھات کا بنا شاید کانسی کا یہ پیتل کا مجسمہ' کسی کا بھی ہو مگر تھا ضرور۔ کسی عنصر ارضی سے تخلیق شدہ اور وہ بھی ماہر فن کار کے فن کا شاہکار۔ ایک پلیٹ فارم پر صاحب موصوف ہاتھ میں قلم اور کچھ اور پکڑے چہرے کے ساتھ فرد کش ہیں۔ جسے کے نیچے تحریر تھا۔

Academia Harvard Lane Sigillom 1838

Bob کا کہنا تھا کہ جان ہارورڈ کے اصلی مجسمہ یا فوٹو سے کسی کو آگاہی نہیں یہ خیالی خاکہ ہے۔ اس مادر علمی کا بنیادی خالق جان ہارورڈ ہی ہے۔ علم وادب کے درخشاں ستارے کو خراج عقیدت پیش کرنا ضروری تھا۔

جان ہارورڈ کے نو لیکے جوتے شاید اسی وقت یہ ہی فیشن ہو۔ دونوں ایک رنگ کے نہیں۔ ایک جوتا تو سفید ہو رہا تھا۔ گھبرایئے مت۔ ہارورڈ آنے والے طالب علم جان ہارورڈ کے اس جوتے کو صاف کرتے ہیں۔ روایت ہے جان ہارورڈ کے جوتے کو چمکانے سے امتحان میں سکور اچھا آتا ہے۔ میں نے بھی جوتے کو چمکانے کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔

ہمارا خراج عقیدت ختم ہوا ہی تھا کہ دو لڑکیاں آوارد ہوئیں اور تصویر کشی میں مصروف ہو گئیں۔ سامنے ایک اور تاریخی مگر پرانی عمارت تھی اس کے باہر بھی عبارت تحریر تھی۔ جنگ آزادی کے دوران سپاہ اس عمارت میں مقیم رہی تھی۔ یہ عمارت ابھی بھی درست حالت میں تھی اور یونیورسٹی کے زیر استعمال بھی تھی۔

ہم سامنے سے باہر نکل آئے۔ یہ صدر دروازہ تھا۔ اس صدر دروازے کے دونوں طرف تحریر تھا کہ ہارورڈ یونیورسٹی کسی طرح قائم ہوئی تھی۔ گیٹ کے لیفٹ ہینڈ پر یہ عبارت تحریر

ہے۔

By the General Covrt of Massachvsetts Bay
28 October 1636 agreed to give 400 Pound towards a schoale or Colledge whear of 200 Pound to bee paid the next year and 200 Pound when the work is finished and the next covrt to appoint wheare and NT Bvilding 15 November 1637. The colledge is ordered to bee at Newe Towns 2 May 1638. It is ordered that Newetowne shall hence formed bee called cambridge 13 March 1638-9 it is ordered that the colledge agreed upon formerly to be bvilt at cambridge shall bee called Harvard Colledge.

Right side گیٹ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

After God had carried vs safe to New England and wee had bvilded ovr houses provided necessaries for ovr livelihood Reared Convenient places for Gods worship and settled the Civil Covernment one of the next things we longed for and looked after was to advacne learning and perpetvate it to preosperity. Dreading to leave an illitevate Ministry to the churches when our present Minister shall lie on the dust.

New England First Fruits

یہ عبارت اس فاتح انگریز قوم کی ہے جس نے صدیوں پہلے امریکہ فتح کر کے آباد

کاری شروع کی اور تعلیم اور تدریس کی اہمیت کا احساس کیا۔اس عبارت کو دیکھنے یا پڑھنے والے ازخود اندازہ کر سکتے ہیں کہ علم اور اسکا حصول کس قدر ضروری خیال کیا جارہا تھا۔اس جذبے نے آ کے چل کر امریکہ کو آباد کیا۔

میں ہارورڈ اس مین گیٹ کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔میرے پاس تقابل کے لئے کچھ خاص مواد نہ بچا تھا۔

سامنے سڑک کے درمیان ایک اور مجسمہ موجود ہے جو Sumnor یا Pardoner کا ہے۔اس قسم کے کردار Chaucer کی Centerbury tales کی روح رواں ہیں اور آج کے جدید امریکہ میں انکی اہمیت کچھ خاص نہ ہوگی۔

سڑک کے دوسرے طرف قدیم چرچ واقع ہے جس کے سامنے تحریر ہے۔

The First Parish in Cambridge

The first church unitarian.

Uneersalist 1633/1636.

Thomas JS Mikelson Parish

Minister Jorg Agate, Minister

of Religion Education

Ralph N Helverson, Minister Emeritas

This fifth meeting Home Built in 1833

چرچ کے بغل میں قدیم قبریں ہیں۔ان اہل قبور کے سکون کو غارت کرنے کیلئے چرچ روڈ اور سامنے سڑک کی بھرپور ٹریفک کافی ہے۔

ہم واپس ہو لئے۔قبرستان میں انگلستان والا حال نہیں کہ صاحب قبر کے جملہ احوال بمعہ رشتہ دار اور لواحقین کے ساتھ تحریر ہوں۔

اب ہم واپس چل پڑے جیسے ہی ہم گلی کا موڑ مڑنے لگے۔سامنے سے آنے والی بس اچانک رک گئی۔ڈرائیور نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آپ گزر جائے پیدل چلنے والوں کے حقوق

سب پر مقدم ہیں۔

سامنے گرجا گھر تھا۔ جس کے عقب میں پادری کی رہائش گاہ تھی ۔ دیوار پر Confessions کرنے کے اوقات تحریر تھے۔ مقررہ اوقات میں جملہ گنہگار اپنے اعتراف جرم کر سکتے ہیں۔

میں کونے میں کھڑا ان تاریخی عمارات کو دیکھنے لگا اور ان سے منسوب ماضی بھی کریدنے کی جستجو میرے ذہن میں کھلبلی مچانے لگی۔ مگر وقت تھا کہ ہاتھ سے نکلے جا رہا تھا۔

ہم سولجرز فیلڈ پارک کی جانب مڑنے لگے۔ ساتھ کے ہاسٹل کے Mess کی رونق کھڑکیوں سے باہر جھلک دکھا رہی تھی۔ کیمبرج کا روایتی اسلوب برقرار ہے۔ اس یونیورسٹی ٹاؤن کی جداگانہ ثقافتی اور تاریخی حثیت کو برقرار رکھنے کے لئے شعوری کوشش کی جاتی رہی ہے۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ کچھ عرصہ پہلے تک ہارورڈ اسکوائر میں صرف گنتی کے pub تھے۔ میکڈونلڈز اور اس طرح کے دوسرے ریستوران وغیرہ کے کھلنے کی اجازت نہ تھی کہ یہ امریکن کلچر اور کیمبرج کے مخصوص تاریخی ورثے سے میل نہ کھاتے تھے۔

مگر اب سپر سٹورز وغیرہ ہارورڈ اسکوائر کے نزدیک کھل گئے ہیں۔ ایک پلازہ تو عفریت کی طرح منہ کھولے کینڈی سکول کی ایک دیوار کے سامنے نظر آ رہا ہے۔ میں حیران تھا کہ کیمبرج کے بلڈنگ کنٹرول نے اس کی تعمیر کی اجازت کیونکر دے دی۔

Cambridge نام کا ایک ریستوران چرچ سٹریٹ پر بھی ہے۔ اسکے PIZZAS عمدہ ہیں۔ میں نے ایک سہانی شام اس کی نذر کرنے کی ٹھانی۔ پیشگی نشست محفوظ کروائے بغیر وہاں یقینی طور پر انتظار کی زحمت گوارہ کرنی پڑتی۔ میں بھی بن بلائے مہمان کی طرح جا دھمکا۔ یہ عمدہ ریستوران تھا اور گاہکوں سے بھرا ہوا تھا۔

مجھے ایک کونے میں انتظار کرنا پڑا۔ میں نے ریستوران کا جائزہ لینا شروع کیا۔ زندگی کی حرارت سے بھرپور امریکی مصروف طعام تھے۔ زیادہ یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ ایک طرف چند بزرگ وہاں براجمان تھے اور مسلسل ثابت قدمی سے کھانے پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔

چند نوجوان بے فکری سے گفتگو میں مصروف تھے۔ایک صاحب بیک وقت دو خواتین سے مصروف گفتگو تھے اور وہ تھیں کہ Menu Card سے مہنگے مہنگے کھانے آرڈر کر رہی تھیں۔

میرے ساتھ ایک خاتون آ کھڑی ہوئیں۔ابھی انہیں کھانے کا انتظار کرنا تھا مگر میرا نمبر ان سے پہلے تھا۔آیئے آپ کی میز خالی ہو گئی ہے۔استقبالیہ سے ایک خاتون نے مجھے مخاطب کیا۔میں نے کونے میں نشست سنبھال لی۔

یہ کھانا کم اور امتحان زیادہ تھا۔کس کھانے کا انتخاب کیا جائے۔میں نے دو تین بار مینو کارڈ کے بغور مطالعہء کے بعد Vegetable Pizza کا انتخاب کیا' ساتھ اورنج جوس سوڈے کے محلول کے ساتھ۔اس سے زیادہ احتیاط کیا ہو سکتی ہے۔ 15/20 منٹ کے مزید انتظار کے بعد ایک لم ڈھینگ سا بے وضع امریکی Pizza میری نظروں کے سامنے تھا۔ اسکی ظاہری شکل وصورت سے تو اس امر کا تعین بالکل ناممکن تھا کہ اس کو کسی طور پر اطالوی حسب و نسب سے علاقہ ہوگا۔شاید یہ جغرافیائی ماحول سے متاثر ہو چکا تھا۔بڑا بگڑا ہوا نکلا۔

Pizza میں ابلے آلو کے قتلے اور زیتون اور دھنیہ وغیرہ جس کے اہل مغرب نے درجنوں نام رکھ چھوڑے ہیں موجود تھے۔اگر آپ مزید خون خرابے کے خواہاں ہوں تو بھلے اس پر ٹماٹر کے کیچپ کا چھڑکاؤ کریں یا سرسوں کا محلول جسے فرنگ بزور شمشیر mustard کا لقب دیتے ہیں مل لیں۔بہتر ہوگا کہ رنگ برنگ عرقیات اس پر نہ ڈالیں۔

اس PIZZA کو چکھا تو یہ ہمارے آلو والے نان کا امریکی ایڈیشن لگنے لگا۔ہت تیرے کی پکڑے گئے۔اب آلات طعام سے اس PIZZA کو ضربات عمیق پہنچانا مجبوری تھی۔وگرنہ تو دیسی طریقہ اچھا ہے۔اسکو رول کر کے کھائیں یا چپاتی والا سلوک کریں۔رہی کسر اورنج اور سوڈے نے نکال دی۔

یہ کھانا کھا کر تو رقیب بھی بے مزہ ہو گیا ہوگا۔یہ بھی ایک تجربہ تھا۔برا نہیں بلکہ اس پر انشائیہ تحریر ہو سکتا ہے۔

On the Art of Eating Veg Pizza

کیا فرماتے ہیں علماء بیچ اس مسئلہ کے۔

کھانے کے دوران توجہ اپنے اور کوٹ کی طرف رہی کہ کوئی اچکا مستی و سرور سے سرشار اسے کھونٹی سے اتار اپنے ہمراہ نہ لے جائے۔ سرد ہوا کے تھپیڑے ابھی باہر ہمارے منتظر تھے۔ میلہ ٹھیلہ کے شوقین ایسے ہی تو نہیں پنجاب کے گیتوں میں آ دھمکے۔

Graham Allisson Belfer Centre for Science and Internation Affairs at Harvard University's Kennedy School of Government.

سے متعلق ہیں اور صاحب موصوف ہمہ گیر شہرت کے مالک ہیں۔

"Nuclear Terrorism: The ultimate preventable Catastrophe"

نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ موصوف کا خیال ہے۔

" If North Korea has, infact, assembled an arsenal of six or eight nuclear weapon, so what? well, for one thing, North Korea's forced entry into the nuclear club is likely to trigger a "Cascade" of nucler proliferation- as the U.N. High level Panel on threats, challenges and change termed it- in North East Asia. To be sure, in the weeks ahead, Japan and South Korea will publically reaffirm their non-nuclear status but privately, officials there are almost certainly discussing their options.

My firm prediction is that on the current course, before the end of the decade, we will see a nuclear Japan and a nuclear South Korea and when Japan creates its own independent nuclear deterrent, China will unquestionably respond in what promises to be a

return of the U.S. Soviet arms race.

Moreover, that is not the worst we have to fear from a nuclear North Korea. North Korea is an economic basket case that desparately sells whatever it has to whoever will pay. Among national security specialists, it is known as "Missiles R us" having sold missiles in the last decade to Iraq, Iran, Libya and Yemen....."

ان کی گفتگو دوپہر کے کھانے پر Taubman بلڈنگ میں وقت مقررہ پر ہونی تھی۔ ان کی کتاب اور سوچ کے حوالے سے مختلف خیالات کا ذہن میں آنا فطری عمل تھا۔ Graham Allisson کا لیکچر شروع تھا۔ بھاری بھرکم شخصیت کے مالک گراہم کو دیکھ کر گراہم بیل کی یاد تازہ ہو گئی۔ گراہم بیل نے تو ٹیلی فون ایجاد کیا تھا جبکہ گراہم ایلیسن 440 وولٹ خطرے کی گھنٹی بجا کر ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔

یونیورسٹی اساتذہ کے عمومی رویہ سے متضاد شخصیت ایک سخت گیر اور ترش رو شخص کا ہیولہ دن دیہاڑے نہ جانے کن کو لتاڑنے کی جستجو میں مصروف تھا۔ اپنی کتاب کا حوالہ دینے لگے پھر یکا یک یورپ میں مروج ایک فکرے پر توجہ دینے لگے جسکا مفہوم تھا۔ ایک ہی ٹب میں ہاتھی کے ساتھ نہانا۔ موصوف کے خیال میں دو ممالک کی دوستی اس مفروضے کے مطابق ہے۔ یعنی طاقتور تو ہاتھی بن گیا اور کمزور اس ہاتھی کے ساتھ نہانے کے ٹب میں موجود ایک غیر اہم اکائی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ بین الاقوامی تعلقات برابری اور دوستی کے لازوال رشتوں پر استوار کئے جاتے ہیں۔ نہ کہ دھونس اور دھاندلی پر۔

خارجہ تعلقات کے ماہر بھی اس اصول کو ہی دو خود مختار ریاستوں کے درمیان ہونے والے تعلقات کی بنیاد گردانتے ہیں۔ مگر صاحب موصوف کا فلسفہ اور تھا اور قابل غور بھی۔ گفتگو کے بعد کچھ اصحاب زیر نظر محرکات پر گفتگو کرنے لگے۔ جبکہ کچھ کے خیال کے مطابق یہ وقت کا زیاں تھا۔

میرا ذہن اور طرف چل نکلا۔ امریکہ کو کیسے کیسے دانشوروں سے نسبت رہی ہے T.S.

Ernest Heminghway T.S. Elliot اور Mark Twain 'Eliot کو سمجھنا طالب علمی میں آسان کام نہ تھا۔ان کے کلام کی تشریح نے چنداں معاملہ الجھا دیا تھا۔ Waste Land نامی نظم جنگ عظیم کے بعد کی دنیا کی عمومی حالت' شاعر نے کیسے موضوعات سمو دیئے تھے۔

پھر مجھے Love Song of J Alfred Prufrock یاد آنے لگی۔غم حیات کو کافی سے ماپنے کی جستجو میں خود ہی مسکرانے لگا۔تخلیہ میں یہ خوشی کیا' کم تھی کے مجھے اپنی ذات کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع مل رہا تھا۔

اب ہارورڈ میں ہمارے کورس کے اختتام کے دن قریب آ رہے تھے۔دل لگ گیا تھا' اب جانے کا سوچ کر میں کچھ افسردہ سا ہو گیا۔آخری ہفتہ شروع تھا۔اس کے اختتام پر ہماری Graduation کی تقریب تھی۔یہ ہارورڈ فیکلٹی کلب میں منعقد ہونا تھی۔سب لوگ بن سنور کر وہاں پہنچے۔یہ میرے لئے بڑا اہم موقع تھا۔ایک خواہش پایہ تکمیل کو پہنچ رہی تھی۔مجھے خوشی کے موقع پر ابو امی ٹوٹ کر یاد آئے۔دل نہ جانے کیوں اداس سا ہو گیا۔

پھر دل میں خیال آیا کہ یہ موقع تو ارض مقدس پاکستان کی خاک کے طفیل نصیب ہوا کہ اس گرانقدر کورس کا اہتمام پاکستان کی حکومت نے کیا۔وطن کی محبت اور دوری نے حوصلہ دیا کے پلٹ کر وہیں جا رہے ہیں۔سخت سردی اور سخت نصاب توقعات' خدائے بذرگ و برتر کے فضل سے ہم سرخرو رہے۔

کلب میں ہمارے استاتذہ بھی شامل تھے۔تصاویر بن رہی تھیں۔شرکاء یک گونہ مسرت سے سرشار تھے۔تھوڑی دیر بعد تقریب منعقد ہونا تھی۔

کھانے پر ہماری میز پر Peter بھی موجود تھے جو یونیورسٹی کے رجسٹرار قسم کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔دوران گفتگو ہالی وڈ کے اداکاروں کا تذکرہ چل نکلا۔مقامی فنکاروں میں کون سے اداکار سرفہرست ہیں۔میرے استفسار پر Peter نے جواب دیا کہ اس سوال کا جواب تو ان کی اہلیہ بہتر دے سکتی ہیں۔

تقریب شروع ہوئی۔تقاریر میں Bob Benn نے اس امر کا اظہار برملا کیا کہ

ہارورڈ فیکلٹی نے پاکستانی شرکاء کورس کو توقع سے بڑھ کر اچھا پایا۔ ہمارے جذبات کی نمائندگی ناصر کھوسہ صاحب کر رہے تھے۔ پھر تالیوں کے شور میں اسناد کی تقسیم اور تحائف کا تبادلہ رات بھیگ رہی تھی۔ تقریب کے آخر میں ہم واپسی کے لئے روانہ ہوئے یہ سولجرز فیلڈ پارک میں ہمارے قیام کی آخری رات تھی۔

ایک اداس رات ۔ دوسرے روز کی کلاس بقایا تھی اور پھر اسکے اختتام پر روانگی تھی۔ ناشتے پر ماریا سے ملاقات ہوگئی۔ یہ ہمارا آخری دن ہے ماریا افسردہ سی ہوگئی۔ گھر پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔ بڑا لمبا سفر ہے۔ ایک دنیا ہے درمیان یوں سمجھ لو کہ 17/18 گھنٹے کا سفر ہے اپنا خیال رکھنا وہ بولی یہ الوداعی ملاقات تھی۔

کلاس میں گفتگو جاری تھی۔ Bob Benn اور Cathay کیا سیکھا کیا کھویا کیا پایا کے بارے میں سوال جواب کر رہے تھے۔

Good bye, Good bye, for parting is

such sweet sorrow

یہ میں تھا' Bob فوراً چلایا

Hey are you the Shakespare's official spokesman

میں جے ایف کے اسکول آف گورنمنٹ کے سامنے کھڑا تھا اور نہ جانے کن سوچوں میں گم تھا کہ سڑک پر سرخ گاڑی پر سہیل اور چوہدری بشیر صاحب مجھے پکار رہے تھے۔

ہم سولجرز فیلڈ پارک میں موجود تھے۔ میرا سامان گاڑی میں منتقل ہو چکا تھا۔ چوہدری صاحب کا سوٹ اور جناح کیپ دیکھ کر 1960ء کی دہائی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ صدر پاکستان کے ذوق لباس کی تقلید میں شرفاء اور حکماء بشمول افسران یہی اسلوب اختیار کرتے تھے۔

اب ہم خالد کو ملنے جا رہے تھے۔ اسکی شادی میں مزید تاخیر متوقع تھی۔ بوسٹن کے مانوس در و دیوار سب کو دیکھ انسیت کا اظہار ہونے لگا۔

دو گھنٹے کے بعد میں نے اسٹیشن پہنچا تھا اور وہاں سے Amtrack پکڑنا تھی جس پر

میری نشست محفوظ تھی۔ یہ دو گھنٹے غنیمت تھے۔ چوہدری بشیر کمال کے آدمی ہیں۔ امریکہ میں جہاں بھائی بھائی کا نہیں ایسے پر خلوص کہ دل موہ لیں۔ ان کے خلوص نے ہمیں ان کا گردیدہ کر لیا۔ سامان کی فکر نہ کریں آپ کا سامان میں اور سہیل نیویارک پہنچا آئیں گے۔ آپ کو تو ہاسٹل کی بجائے ہمارے پاس رہنا چاہیے تھا۔ اب کب آئیں گے۔ یہ چوہدری بشیر صاحب تھے۔ باتوں باتوں میں سابق صدر بل کلنٹن کا ذکر چل نکلا تو اسکے خطوط کا تذکرہ کرنے لگے جو صدر موصوف نے ان کے خطوط کے جواب میں لکھے تھے۔ اب چلنے کا وقت ہو رہا تھا میں نے اجازت لی۔ سڑک پار کی اور اسٹیشن میں داخل ہو گیا۔

میں کاؤنٹر پر اپنے بورڈنگ کارڈ کا پتہ کرنے لگا۔ میرے دوست میرا بورڈنگ کارڈ نکالو میں نے کاؤنٹر کے دوسرے طرف کھڑے آدمی سے خطاب کیا Hey you want your Boarding Pass' وہ بولا' میں نے کوڈ بتایا۔ پاسپورٹ دکھایا گاڑی اور نمبر کا اطمینان کیا اور سامان اٹھا کر سامنے بنچ پر بیٹھ گیا۔ ابھی گاڑی کی آمد کا اعلان باقی تھا۔ میرے سامنے Celia Class کے مسافروں کے استقبال کے لئے دو آدمی مخصوص لباس پہنے کھڑے تھے' دروازے کے سامنے سرخ غالیچہ بچھا تھا۔ دونوں کی ٹوپیاں عجیب سی تھیں بالکل فرانسیسی پولیس جیسی اچھے بھلے یونیفارم کا حلیہ بگاڑ رہی تھیں۔

میرے دائیں بائیں عجیب سے کاہل لوگ بیٹھے تھے۔ Idaho is a spectacular country ایک آواز آئی۔ دوسری آواز نسوانی تھی لگتا تھا کسی کنوئیں سے کسی مینڈک کی خفیف آواز ہے۔ Good bye parting is harder جسے ہجر کا تیر کاری لگے میں اپنے خیالات میں گم تھا۔ Graham Allison نہ جانے کیوں یاد آنے لگے۔ موصوف نے فلسفہ میں فرسٹ کلاس آنرز' سیاسیات اور تاریخ میں ایم اے کیا تھا۔ پی ایچ ڈی اس پر اضافی قابلیت تھی موصوف امریکہ کے Commission on America's National Interests میں سینیٹرز Condoleezza Rice' Richard Armitage' John Mccain وغیرہ کے ساتھ رہ چکے تھے۔

طبیعت میں بے تابی بڑھنے لگی تو میں نے سامنے معلومات کی کھڑکی سے گاڑی کے

بارے میں معلومات حاصل کیں۔ واشنگٹن جانے والی Amtrack 2173 دیر میں آنے والی تھی۔ اس سے قبل ایک پسنجر ٹرین بھی جانے والی تھی۔

میں نے متعلقہ گیٹ کے سامنے سامان سمیت مورچہ لگانا بہتر سمجھا۔ اب گاڑی کا باقاعدہ اعلان ہونے والا تھا۔ Club Acelia Board میں نے پلیٹ فارم کا رخ کیا اور پھرتی سے گاڑی میں نشست پر بیٹھ کر سامان رکھنے کا اطمینان کیا۔ مسافر تھے کہ آمڈتے چلے آرہے تھے۔ تھوڑی دیر میں گاڑی بالکل بھر گئی۔

وقت مقررہ پر گاڑی چل پڑی۔ میں بوسٹن سے رخصت ہو رہا تھا۔

پھر تیرا وقت سفر یاد آیا

میں نے اپنے اطراف کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ دوسری طرف ایک ذات شریف Laptop پر فلم دیکھنے میں مصروف تھے۔ میرے ساتھ ایک خوش پوش نوجوان سوٹ میں ملبوس بیٹھا تھا۔ تھکاوٹ سے آں جناب کی آنکھیں بند تھیں۔ ایک مخروطی چہرے والا جسے بیضوی کہنا شاید حقائق سے بھرپور مطابقت رکھتا ہو کانوں میں بالیاں پہنے ہوئے تھا۔ اسکی نوکیلی داڑھی عجیب حلیہء بنا رہی تھی۔

ایک طرف ایک خاتون JB Scoops کی ہوم میڈ آئس کریم سے دل بہلا رہی تھیں۔ ایک نشست پر دو فلسفی بحث میں مصروف تھے۔ Monday is added to weekend as Presidednt's day دوسرے کا خیال تھا Movie Stars are treated as demigods میں دونوں کی ذہنی سطح کے بارے میں سوچنے لگا۔ اتنے میں گاڑی ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ یہ بغیر سٹاپ کے رکنا سمجھ نہ آیا۔ یہ Back Bay کا ریلوے اسٹیشن تھا۔

پلیٹ فارم کے ایک طرف سیاہ رنگ کے سٹیم انجن قدیم شکل میں ریلوے گاڑی کے ساتھ نظر آرہے تھے یہ Framingham 1930 اور Huntington 1926 کے ریلوے انجن تھے۔ سامنے ایک Bill Board تھا۔ ایک صاحب خاتون کو کھینچ رہے تھے ۔معلوم نہیں اس کا مفہوم کیا تھا اور یہ کیا گاہک متوجہ کرنے کا نسخہ ہے۔ ایک بورڈ میں ایک کورین

خاتون ٹیلی فون کرتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ اتنے میں کچھ مسافر گاڑی میں آ گھسے اور سیٹوں پر براجمان لوگوں کو نظر بد سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ Amtrack بالکل عوام ایکسپریس کا روپ دھار چکی تھی۔ اتنے میں خاتون گارڈ کی آواز گونجنے لگی۔ براہ کرم ذرا ساتھ ساتھ ہو جائیں اور دیگر مسافروں کو بھی اپنے ساتھ بیٹھنے دیں۔ This is a busy train

کچھ دیر بعد گاڑی کولمبس ایونیو پر پھر جا رکی۔ اب پھر گارڈ کی کرخت آواز گونجنے لگی جن لوگوں نے سیٹوں پر یا راستے میں سامان غلط طریقے سے رکھ چھوڑا ہے وہ اسکو اٹھالیں تا کہ نئے آنے والے مسافر بھی وہاں بیٹھ سکیں۔

جیسے کوئی کسر بقایا تھا۔ Route 128 University Park Station سے مزید مسافر آدھمکے اب گارڈ نے حکمت عملی تبدیل کر لی۔ آواز آنے لگی۔ It is a busy train be frank and friendly یہ امریکی اسٹائل تھا۔ ہم تنگی داماں کے سبب نو وارد مسافران سے نہ مل سکے اور باہم اختلاط کا یہ ذریں موقع ویک اینڈ کی سرمستی میں تبدیل ہوتے ہوئے رہ گیا۔

اب گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ نظارے الٹی سمت بھاگنے لگے۔ میرے ساتھ بیٹھے مسافر نے شاید آنکھ لگا لی تھی۔ آنکھیں کھول کر خلا میں گھورنے لگے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں صبح بزنس میٹنگ میں شرکت کے لئے بوسٹن آیا تھا۔ رش کی وجہ سے ہوائی جہاز کا ٹکٹ نہیں مل پایا۔ غنیمت ہے کہ گاڑی پر جگہ مل گئی۔ تعارف ہوا۔ گفتگو کاروباری امور سٹاک ایکسچینج اور پھر تہذیبی ٹکراؤ کی طرف آ نکلی۔

محمد اب آپ کو تو پتہ ہے روئے سخن میری طرف تھا۔ جی ہاں بہت اچھی طرح پتہ ہے اب آپ کو بھی تو پتہ ہونا چاہیے کہ مسلہ ہے کیا۔ پھر کیا تھا' موصوف سنتے رہے۔ چلئے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب ہم دونوں انسان بن کر سوچ رہے تھے اور دوست بن گئے تھے۔ ای میل کا تبادلہ ہوا۔ رابطہ رہے گا۔ نیویارک آئیں تو ضرور ملاقات کریں۔ موصوف کی ہمشیرہ اور بھائی دونوں

واشنگٹن میں رہتے ہیں۔ جی میری بھی کچھ عزیز داری ہے وہاں پر میں نے جواب دیا۔ Andrew Larby نے سامان اکٹھا کرنا شروع کیا کہ Pennsylvania اسٹیشن آیا ہی چاہتا تھا۔ ہم نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

نیو یارک میں آدھی گاڑی خالی ہو گئی۔ کچھ مزید مسافر آ داخل ہوئے۔ Penn Station مصروف ترین ریلوے اسٹیشن ہوگا۔ نہ معلوم کتنے پلیٹ فارم اور کتنی گاڑیاں ہوں گی جو معلوم نہیں کن کن منازل پر مسافروں ن کو لے جا رہی تھیں۔ مجھے وطن یاد آنے لگا جو رونق ہمارے پلیٹ فارم دکھاتے ہیں اور کہاں ہو گی۔ ٹھیلے۔ صراحیاں' پھل' پکوڑے' دھات والے واٹر کولر جن پر بھلے وقتوں میں سبز اور پیلے رنگ کے ساتھ۔ انکے سامنے نوٹس لگا ہوتا تھا کہ "واٹر کولر اور صراحیاں بھرنا منع ہے"

ہمارے ان ریلوے اسٹیشن ہائے کی ایک تاریخ ہے لوگ اسی اسٹیشن پر شام کو سیر کرنے جاتے تھے۔ مجھے درہ بولان میں واقع ایک غیر معروف اسٹیشن "وزان" یاد آنے لگا۔ میں ایام وحشت میں وہاں جا کر کچھ وقت گزارتا تھا۔ یہ کول پور سے ذرا پہلے آتا ہے درے میں Windy Corner نما سُرنگ کے ساتھ جہاں سارا سال ہوا۔ سیٹیاں بجاتی ہوئی گزرتی ہے۔

بڑی رومانوی سی جگہ ہے۔ کول پور' سڑک پر رادھا مل اور سری چند کی دکان ہے۔ میں بلوچستان میں پہلی عید مناتے ہوئے وہاں آ پہنچا تھا۔ سری چند کے بھائی سنجے نے مجھے کول پور اسٹیشن سے پانی لا کر پلایا تھا۔

سڑک کے اوپر دیوی کا مندر ہے۔ دیوی نے پر فضا جگہ کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ جس گاؤں میں مسلمان اور ہندو نہیں وہ نگر' نگر ہی نہیں یہ سری چند کا فرمودہ تھا بھلا سا نوجوان مخلص انسان بات کہاں جا نکلی۔ میں نے اپنی سیٹ پر دستی بیگ رکھ کر اسے دیسی حساب سے محفوظ کر دیا کہ جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ میں دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ سامنے سیڑھیاں تھیں۔ مسافر اس پر چڑھ کر بالائی منزل تک جا رہے تھے' ایک ستون پر تحریر تھا' یاد رہے امریکہ میں اس وقت ایڈز کے مریضوں کی تعداد اتنی ہے اور ہر اتنے امریکیوں میں اتنے اس موذی مرض کا شکار ہو چکے ہیں۔

آدمی کو ہلا کر رکھ دینے کے لئے یہ انکشاف کافی فکر انگیز تھا۔

میں گھومتا ہوا اپنی نشست کے قریب پہنچا تو سامنے کھڑا مسافر مسکرانے لگا۔ بور ہو گئے۔ آپ کہاں جا رہے ہیں' اس نے جواب میں کہا میں بالٹی مور جا رہا ہوں۔ میرا سفر واشنگٹن تک ہے۔ میں نے بات چلائی۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور پلیٹ فارم پر LIRR والی گاڑی کھڑی تھی' ابھی ایک طرف سے پرانی وضع کی نیو جرسی ٹرین آ نکلی۔ یہ سلور رنگ کی گاڑی تھی۔

اتنے میں گارڈ کی آواز گونجی ہم واشنگٹن چلنے کو تیار ہیں۔ میں نے پھر ایک بار اپنے اسباب کا اطمینان کیا اور کھڑکی کے باہر جھانکنے لگا' سیاہ رنگ رات ہر جگہ اپنی سیاہی اپنے انداز سے ہی پھیلا دیتی ہے' کیا مشرق اور کیا مغرب' رات کو وجہ سکون بنانے میں بلاشبہ بڑی حکمت ہے۔ اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ جو مغرب اور مشرق سب کا رب ہے۔

اتنے میں گاڑی عجیب سی آواز کے ساتھ رک گئی۔ سب مسافر ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں آنکھوں میں پوچھنے لگے کہ ماجرا کیا ہے۔ مگر وجہ کسی کو معلوم نہیں تھی۔ آواز پھر آئی۔ گاڑی کا Hose Pipe Leak ہو گیا ہے۔ گھبرایئے مت Penn Station کا Maintenance staff پہنچ رہا ہے۔ گاڑی کے باہر کچھ لوگ دائیں بائیں غیر مانوس سی کاروائی میں مصروف تھے۔ کافی انتظار ہو گیا۔ پھر اعلان ہوا گاڑی کی مرمت ہو چکی۔ اب ہم عازم سفر ہوتے ہیں۔ یہ کیا گاڑی بمشکل تھوڑا آگے ہی گئی ہو گی کہ پھر ایک آواز کے ساتھ رک گئی۔

خاموشی چھا گئی۔ مذکورہ Pipe دوبارہ Leak ہو گیا تھا۔ مرمت پھر شروع تھی یہ تو Amtrack کا سارا تاثر خراب کر رہی ہے میں سوچنے لگا۔ بھائی لوگ ہمارے جیسے ہی نکلے۔ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا انتظار بہت بھاری گزرنے لگا۔ آخر گاڑی کی مرمت ہو گئی' گارڈ نے مسافروں سے معذرت کی اور سفر دوبارہ شروع ہوا۔ یہ عملہ واشنگٹن تک گاڑی کے ساتھ جائے گا۔

اتنے میں گارڈ آ نکلا اور ٹکٹ دوبارہ چیک کرنے لگا۔ میں نے گاڑی کے باہر دیکھنا

شروع کیا' ہم نیو یارک کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔ چمکدار اور روشن سڑکیں۔ پل اور پانی ان کے کوائف معلوم نہیں کیا تھے' ہم بغلی ریاست نیو جرسی میں داخل ہو چکے تھے۔

نیو جرسی کا اہم شہر مجھے تو Trenton ہی لگا۔ یہ ریاست اپنی نیو جرسی گائے کی وجہ سے ہمارے ہاں پہنچانی جاتی ہے۔ مجھے اپنے بچپن میں یاد ہے گاؤں میں گھوڑی پال مربعے کے ساتھ ایک گائے بھی آموجود ہوئی تھی۔ لمبی اور سیدھی پشت والی گائے جسکا ماتھا بھی سیدھا تھا۔ طویلے میں گھوڑی کے ساتھ بندھی اداس نظروں والی گائے مجھے یاد آنے لگی۔ سنا ہے یہ گائے 32 لٹر تک دودھ دیتی ہے۔

واہ بھئی ولایتی گائے کا روپ نرالا ہے۔ معلوم نہیں امریکیوں نے بھی کبھی کہا ہے کہ نہیں۔

رب کا شکر ادا کر بھائی

جس نے ہماری گائے بنائی

ٹرین چھوٹے چھوٹے سٹیشن کمال بے نیازی سے پیچھے چھوڑتی چلی جا رہی تھی۔ میں ٹہلتے ٹہلتے ڈبے کے اختتام تک جا نکلا۔ وہاں گارڈ سے مڈھ بھیڑ ہوگئی ہے۔ آپ نے کوئی سبز اور سرخ جھنڈی نہیں اٹھا رکھی۔ آپ کی شخصیت کے ساتھ خوب سجنے لگی۔ وہ بغلول میلے دانتوں سمیت مسکرانے لگا۔ نہیں میں نے تو کبھی اپنے ہوش میں ایسی جھنڈیوں کا استعمال نہیں دیکھا' وہ بولا۔ اور وہ چھوٹی مہین سی سیٹی۔ ذرا بجا کر تو دکھاؤ جو بغل میں ہونی چاہیئے۔ وہ سنجیدگی سے ریلوے کا نظام اور گاڑی چلانے کا طریقہ بتانے لگا۔

یہ Hose Pipe کا کیا قصہ تھا میں نے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اصل میں یہ گاڑی مکمل طور پر Computerized ہے اس میں گر خلل واقع ہو جائے تو آسانی سے حل ہو نے کا نہیں۔ مگر ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں ہم نے بھی Maintenance staff کو ساتھ انجن میں بٹھا لیا ہے۔ انکا کیا ہے۔ اگلی گاڑی سے واپس نیو یارک پہنچ جائیں گے۔ کیا اس میں تخریب کاری یا بیرونی ہاتھ تو ملوث نہیں میں نے گارڈ کو گھیر لیا۔ صاحب موصوف عینکوں کے پیچھے سے مجھے گھورنے لگے پھر وثوق سے جواب دیا نہیں تو بالکل بھی نہیں۔

وہ اسامہ جو ہے سے جانتے ہو' وہ بھانپ گیا No No You mean in there بولا ایسا تو کچھ نہیں۔ گاڑی ہے' چلنے والی چیز میں نقص تو نکل ہی آتا ہے ناں۔

میں نے سوچا بہت ہوگئی۔ اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ مسافر دوسری طرف سے اگلے ڈبے سے کھانے پینے کی اشیاء لا رہے تھے۔ میں نے انگریزی چاکلیٹ اور مونگ پھلی سے شغف کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ابھی تو بھیا کے گھر کھانا بھی ضروری کھانا پڑے گا۔ گاڑی سرپٹ بھاگتے ہوئے پٹڑی تبدیل کر رہی تھی۔ میں نے گارڈ کی منطق پر غور شروع کیا کہ وہ سبز جھنڈی کے بجائے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے اور گاڑی چل پڑتی ہے۔ اگر ہمارے ہاں گارڈ کبھی ایسا کر دے تو اسکی شامت آ جائے اور انضباطی کاروائی شروع ہو جائے۔

New Arch نیوجرسی اسٹیشن اب گزر چکا تھا اور ہم Philadelphia ریاست کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے اس ریاست کے نام پر بننے والی Tom Hanks کی فلم یاد آنے لگی۔ نہ معلوم دونوں میں کیا قدر مشترک ہے۔ یہ بات غور طلب ہے۔

مسافر بھی سفر سے تھک چکے تھے۔ مجھے عربی کا وہ قول نہ جانے کیوں یاد آنے لگا کہ ہر سفر صعوبت ہے مصیبت ہے چاہے ایک میل ہی کا کیوں نہ ہو۔ پھر پردیس اور دیس کا موازنہ شروع ہوگیا۔ امریکہ کی بے پناہ وسعت کے نظارے میری آنکھوں کے سامنے تھے۔ یہ دنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوم ہے اس کے مادی وسائل اور زندگی کا معیار دوسروں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ انکا موازنہ کسی ترقی پذیر ملک سے کرنا نامناسب ہوگا۔ ایک اور محاورہ بے وقت یاد آنے لگا۔

کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔

یہ محاورہ بھی غیر اخلاقی اور غیر مہذب سا ہے۔ اس سے طبقاتی منافرت کی بو بھی آتی ہے۔ شاید اسی لئے مستعمل نہیں۔ امریکی قوم کے اخلاق بھی عمدہ ہیں۔ مجھے تو سب اچھا لگ رہا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی میں آنکھ لگانے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے کہ نیند کا کیا ہے پوری ہو ہی جائے گی مگر یہ نظارے تو پھر دیکھنے کو نہ معلوم کب ملیں گے۔

Philadelphia اسٹیشن پر گاڑیوں کے خالی ڈبے ایک طرف پلیٹ فارم کی رونق بڑھا رہے تھے۔ کچھ ڈبے تو نئے تھے اور کچھ نسبتاً پرانے۔ مگر ایسے پرانے بھی نہیں جیسے ہمارے ہاں ملکوال اور لالہ موسیٰ کے درمیان ریلوے ٹریک کی زیب وزینت بڑھا رہے ہیں۔

کچھ ڈبے ڈبل ڈیکر تھے یعنی دو منزلہ اوپر کی منزل کا نظارہ بہتر رہتا ہوگا۔ یہ ڈبے کن گاڑیوں کے لئے ہیں معلوم نہیں یورپ میں بھی ایسی گاڑیاں ہیں ان کے اوپر والی منزل اور چھت کے شیشے بڑے ہوتے ہیں جسے سیاح بہتر طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

گاڑی میں خاموشی تھی۔ اب ہم بالٹی مور پہنچ رہے تھے۔ بالٹی کا استعمال تو ہم بھی عمدہ کرتے ہیں۔ بھلا ہو بلدیہ والوں کا کہ پانی کم کم آتا ہے۔ اگر اوپر کی منزل پر غسل کا ارادہ ہو تو عین جب صابن آنکھوں میں چبن کا باعث بنتا ہے پانی ندارد ہو جاتا ہے۔ ویسے تو ایک وقت میں بالٹی گوشت بھی بنتا تھا۔ معلوم نہیں یہ بالٹی کیسی ہوتی ہو گی۔ جس میں گوشت بھی گلنے میں غنیمت جانے۔ بھلا ہو اس خفت سے جان چھوٹی کہ اب بالٹی میں گوشت نہیں پکتا۔ ویسے ہمارے پڑوس میں گورو کا لنگر جب کڑھا پرشاد اور ماں پرشاد تقسیم ہوتا ہے تو پستہ قد کی بالٹیاں خوب بہار دکھاتی ہیں آخر ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ پس ثابت ہوا مزید بالٹی یا بالٹی مور۔

یہ بالٹی مور تھا۔ ایک زمانے میں ایک انگریزی فلم بالٹی مور سے متعلقہ نام کے ساتھ دیکھی تھی جس میں جواء خانے اور نہ جانے کیا کیا نہیں تھا۔ یہ بالٹی مور کا خوبصورت اسٹیشن تھا۔ ہمارا رفیق سفر بھی ہاتھ ہلاتا اٹھا بہتر تمناؤں کی دعا کے ساتھ اتر گیا۔ آپ کا واشنگٹن زیادہ دور نہیں سامان سنبھال لیں۔ یہ الوداعی مسکراہٹ تھی۔ اجی ہمارا واشنگٹن کہاں یہ تو حضور کی کمال دلنوازی ہے میں بھی مسکرا دیا۔

ابھی سفر کے اختتامی لمحات تھے۔ سوائے روشنی اور برقی قمقموں کے کچھ معلوم نہیں کیا کچھ گاڑی کے دائیں بائیں گزر رہا تھا۔ اب گاڑی میں آواز گونجنے لگی۔ ہم واشنگٹن پہنچ چکے ہیں۔ ہمیں معذرت کے ساتھ اس بات کا احساس ہے کہ آپ قریب ایک گھنٹے کی تاخیر سے منزل پر پہنچے ہیں۔ اگر وہ Hose Pipe نہ Leak ہوتا تو یقین مانیے تاخیر نہ ہوتی۔ یہ اعلان سن کر میں حیران بھی ہوا مگر یہ امریکہ ہے۔ لوگ اسی بات پر Amtrack کے خلاف ہر

جانے کا دعویٰ بھی کر سکتے تھے۔ مگر کیسے ہم بھلا ایسے بے دید تھوڑے ہی ہیں میں سوچنے لگا۔ ہم تو اس قسم کی باتوں کا بھلا برا بھی نہیں مانتے شاید سوچتے بھی نہیں۔ صلح کل مسلک ہے ہمارا۔

واشنگٹن کا ریلوے اسٹیشن اپنی وسعت اور قدیم طرز تعمیر کی بدولت کچھ بڑا بڑا اور عجیب لگا۔ مسافر گاڑی سے اتر کر ایک سلیقے اور قرینے کے ساتھ باہر جا رہے تھے۔ میرے لئے سب کچھ نیا تھا اس لئے میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

یہ کوئے یار بھی تو ہے۔ نہ جانے کیوں میں عالم وحشت کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک لمبے سفر کے بعد میں نے بڑے سے ہال میں سامان زمین پر رکھ دیا۔ حلیہ درست کیا' مسکراہٹ چہرے پر لانے کی مشق جاری رکھی۔ ایک دروازے سے باہر نکل آیا۔

باہر مسافر قطار سے پیلی ٹیکسیوں میں سوار ہو رہے تھے۔ مگر میری مشق تلاش اور انتظار ہنوز باقی تھی میں قطار سے علیحدہ کھڑے ہونے کے لئے ذرا فاصلے پر جا پہنچا۔ باہر کا منظر بھی عجیب تھا رات گیارہ بجے بھی آمد و رفت جاری تھی اور ہجوم تھا۔ اچانک سامنے سے آواز سنائی دی ازکجامی آئیدایں آواز دوست۔ یہ مشتاق بھائی تھے میں نے فوراً سامان اٹھایا اور ان کی طرف لپکا۔ سامان گاڑی میں پھینکا اور لپک کر سوار ہو گیا اور سیٹ بیلٹ باندھ لی۔ مشتاق بھائی اور بچے سب ہی تو مجھے لینے آئے تے۔ یہاں گاڑی نہیں روکی جا سکتی تھی اس لئے ملنا ملانا گھر پہنچ کر۔

سفر کیسا گزرا' مشتاق بھائی مجھ سے مخاطب تھے۔ بہت اچھا مگر گاڑی کے مزاج تھوڑے راستے میں بگڑ گئے تھے۔ اس لئے تاخیر ہوئی تو یہ باعث تاخیر تھا' مشتاق کی رگ مزاح پھڑک رہی تھی۔ ہم Capital will کا درشن کیا طواف کرتے ہوئے روانہ تھے۔ سامنے دریا تھا اور الٹے ہاتھ Pentagon واشنگٹن کے اس جغرافیئے سے مابدولت واقف ہیں میں نے بات بڑھائی ۔ اب ہم مشتاق کے گھر جا رہے تھے۔ اسی سڑک پر سے ہم Fredericksburgh سے آئے تھے اور گئے تھے۔

How was your course مشتاق اپنے امریکی لہجے میں بالکل استادوں کی طرح مخاطب تھا' Pretty fine میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم مین روڈ سے ہٹ

کر بغل میں ایک نہ معلوم سڑک پر روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہم Spring Field میں تھے۔

ہم ایک خوبصورت گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ گاڑی سڑک کے کنارے رکی تو میں باہر نکل آیا۔ سبز لان خوب بہار دکھا رہا تھا۔ ساتھ والے گھر کے راستے کے ساتھ امریکی پرچم لہرا رہا تھا۔ مزید کھانا اور گپ شپ' یہ میرے بھائی کا گھر تھا لہذا میں نے اپنا حق سمجھتے ہوئے جملہ تکلفات سے مبرا ہو کر حکم چلانا شروع کیا۔

نہ جانے کس وقت آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں تو میں نے بستر کا رخ کیا۔ صبح اذان کے وقت مجھے جگا دیا گیا کہ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ عابد شب بیدار پہلے سے جاگے ہوئے تھے۔ میں بعد از نماز دوبارہ سو گیا اور واضح کر دیا کہ خبردار ہمیں نیند میں خلل اندازی مطلق پسند نہیں اور ناشتے کا اعلان ہم حسب منشاء کریں گے۔

مجھے احساس ہوا کافی دن سے طبیعت میں کچھ اضطراری کیفیت سی ہے۔ شاید دفتر سے دور ہیں اس لئے Out of practice ہو رہے ہیں وہ وفادار فائلیں جنکو جتنا دھتکاریں پھر گھوم پھر کر وہیں واپس آ جاتی ہیں اور ان پر برزبان انگلیۂ حاشیۂ آرائی کی جاتی ہے۔ قواعد و ضوابط رائے زنی اور آخر میں بقول مومن صاحب تحریر کیا جاتا ہے "حالات اور امور اس طور ہیں مگر منشائے عالی افضل تر ہے" اور بمراد مناسب احکام افسر مجاز حاکم کو پیش کی جاتی ہے۔

آنکھ کھلی تو روشنی پھیل چکی تھی میں نے لیٹے لیٹے پردہ سرکایا تو باہر کا منظر دل لبھانے لگا۔ خوشنما سبزہ اور درخت یہ Pinetrees لگتے تھے۔ گھر کا پچھواڑہ خوبصورت تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ بچوں نے مجھے گھیر لیا۔ ناشتے پر بھی میرے سے باتیں کرتے رہے۔ صالحہ سکارف اور حجاب کے بارے میں سکول کے تجربات سنا رہی تھی۔

میں تھوڑی دیر بعد گھر سے باہر نکل آیا۔ سورج نے طول وارض کو چمکا دیا تھا۔ دن کے اجالے میں اطراف کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک طرف سائیکلیں پڑی تھیں میں نے سائیکل اٹھائی اور فٹ پاتھ عبور کر کے سڑک پر سواری شروع کی' ڈھلوان پر پھسلتی بائیسکل مزے کی سواری تھی۔ میں نیچے تک چلا آیا آگے کراسنگ تھی۔ ایک طرف ایک خاتون ننھے کتے کے ساتھ

سیر کا شغل فرمانے میں مشغول تھیں۔

پالتو جانور اپنی علیحدہ حثیت رکھتے ہیں لہذا مالک ان کے آرام و آسائش کا خوب خیال رکھتے ہیں ان کو صبح ٹہلانا ایک ضرورت بھی ہے گھوم پھر کر میں واپس پلٹا۔ ان لان نما باغیچوں میں ہمارے بچے تو کرکٹ کھیلنے سے باز نہ آئیں مگر کیا کیجئے امریکہ میں لوگ کرکٹ کی پذیرائی نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی آپ کو اپنے گھر کے سامنے کرکٹ کھیلنے کی اجازت دے گا کہ جس کا چاہے سر پھوڑ دیں یا کھڑکی کا شیشہ توڑ ڈالیں۔ اب باہر چلنے کا پروگرام تھا۔ شہر میں گھومنے پر میں نے باہر جانے کو ترجیح دی۔ ہم سرخ گاڑی کے مرہون منت تھے۔ جس کو گیس کی ضرورت تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم گیس اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ایک دوسرے کو جاننے والے ھیلو ہائے کرنے لگے۔ یہ خاتون برابر میں رہتی ہیں۔ مشتاق بتا رہے تھے۔ ہم اب انجانے راستوں سے ہوتے ہوئے Shenendoah skyline کی طرف جا رہے تھے۔

راستوں سے مڑتے ہوئے ہم فطرت کے دامن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مشتاق صاحب اپنے تجربات سنا رہے تھے اور گاہے بگاہے ٹیلی فون پر پولیس والوں سے راستے کی آگاہی بھی حاصل رہے تھے وہاں کی پولیس امدادی ہے یہاں لوگ امدادی پولیس ہوتے ہیں۔

ایک سفر طے کر کے ہم مضافات کی خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں تھے۔ یہاں کے لوگ مذہبی نظر آتے ہیں۔ کلیساء اور دعائیہ کلمات گاہے بگاہے بورڈوں پر بھی لگے نظر آتے تھے اب ہم Toll Plaza قسم کی چیز کے سامنے تھے۔

خاتون نے ڈالر تھمانے کے بعد چند معلوماتی کتابچے تھما دیئے یہ علاقہ تا حد نظر درختوں سے آباد تھا۔ بل کھاتی سڑک پہاڑوں پر سانپ کی طرح بل کھاتی چڑھتی جا رہی تھی۔ ایک مقام پر پہنچ کر ہم رک گئے۔ سڑک کے ساتھ رکنے کی جگہ بنی تھی۔

گاڑی سے اتر کر وادی کا جائزہ لیا۔ دور دریا پہاڑوں کے دامن میں نظر آ رہا تھا۔ پہاڑوں کے دامن میں فارم اور گھر بھی اونچائی سے صاف نظر آ رہے تھے۔ نظارہ دلفریب تھا۔ سامنے بورڈ لگا تھا۔

Indian Old Fields within the bends of the Schenandoah

River below, the Indians kept fields burned off as Pastures for dear and biscon. These fields were "old" to the first white settlers who prized the fertile bottom lands. Today the old fields are sites of modern farms.

Gooney Manor Rock 2085 ft high

ہم دوبارہ گاڑی میں سوار آگے چل پڑے۔ایک جگہ پکنک سپاٹ کا بورڈ لگا تھا۔ یہ منظر بڑا خوب تھا میں ایک بنچ پر بیٹھ کر دور تک نظر آنے والی خوبصورت وادیوں کا نظارہ کرنے لگا یہ Dickney Ridge Picnic and camping grounds تھے۔سیاحوں کی سہولت کے لئے کافی سہولتیں موجود تھیں۔ واش روم جسے نہ جانے کیوں امریکہ میں Rest Room کہتے ہیں کا وہاں موجود ہونا یک گونہ قلبی اطمینان کا باعث تھا۔عصبیتوں کی بات چل نکلی' Red Neck عرف عام میں متعصب نسل پرست سفید فام لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ Racist کبھی بھی کسی جگہ بھی احترام کے لائق نہیں جانے جاتے۔

امریکی صدر جیفرسن نے کیا خوبصورت بات کی تھی کہ Bill of Rights کے حوالے سے رنگ اور نسل کی تفریق ختم کی تھی۔مگر عملاً شاید ختم نہ ہوئی ہو۔ مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نے بھی خواب دیکھا تھا کہ وہ وقت کب آئے گا جب سیاہ فام اور سفید فام بچے اکٹھے کھیل سکیں گے۔

Mississipi Burning نامی فلم میں بھی سیاہ فام لوگوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو فلم میں دکھایا گیا ہے۔نوع انسانی کی تاریخ کیسے ہی ایسے ناخوشگوار واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ابراہام لنکن کا غلامی کا خاتمہ اور جے ایف کینڈی کی Civil right Legislation ایسے میں کتنے خوش کن اقدامات نظر آتے ہیں۔ہم اب واپس آ رہے تھے۔ایک طرف سرنگ میں جانے کی سہولت اور ریل گاڑی موجود تھی۔مگر ابھی ہم واپس آ کر شام کو کچھ اور بھی دیکھنا چاہتے تھے۔کافی کی طلب Service Area میں لے گئی۔کافی بنانے کے لئے تردد مجھے

خود کرنا تھا۔ چھوٹے Sachet میں کافی اور دودھ' کافی کا مزا نہ آیا۔

اب ہم دوبارہ واپس روانہ تھے۔ بالٹی مور میں پانی پر ایک Show تا ہے مگر وہاں پہنچنے کے لئے 50 میل کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ جس کے لئے میں تیار نہ تھا۔ ہمیں Exit 53 سے 95 North پر جانا تھا۔

اب ہم ایک Pizza Store پر موجود تھے۔ جو ایک پاکستانی بھائی چلاتے ہیں۔ ان کے بے رنگ بے ذائقہ اور بے حس قسم کا Pizza کھانے کیلئے مجھ میں حوصلہ نہ تھا۔ سامنے بورڈ لگا تھا " Jesus is our Lord " ہمارے سامنے جانے والی کار کی پشت پر سٹیکر لگا تھا۔

Got Jesus ? at its back.

مادہ پرست اذہان بھی آخر لوٹ کر روحانیت ہی کا رخ کرتے ہیں انسان اندرونی طور پر کس طرح روحانی تجربات کی تلاش میں ہے۔ حضرت مسیح سے محبت کا یہ اظہار اس کی دلیل لگا۔ حضرت مسیح کی حقانیت پر غور کرنے لگا' ان کی روشن بشارتوں میں سے ایک جناب رسالت مآب ﷺ کا فاران کی پہاڑیوں پر سے ظہور پذیر بھی ہے۔ میں نے اپنے من کو ٹٹولا' میرے قلب و روح یک گونہ مسرت سے سرشار تھے میرے اندر سے آواز بلند ہو رہی تھی ہاتھ آسمان کی جانب بلند تھے۔

"میں راضی ہوا اللہ پاک کو اپنا رب' اسلام کو دین اور حضور کو نبی شافع مان کر میری آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

نہ جانے کہاں سے اطراف سے چند موٹر سائیکل سوار Harley Davidson چلاتے ہوئے نمودار ہوئے۔ امریکہ میں موٹر سائیکل سوار کم ہی نظر آئے۔ یہ بڑے بڑے موٹر سائیکل اپنی جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ مارکیٹ کے باہر دو ہٹے کٹے نوجوان سیاہ رنگت اور داڑھیوں میں نظر آئے ان کی Caps کے عقب سے جوڑا جھانک رہا تھا یہ ماڈرن سکھ تھے پگڑی سے بے نیاز۔ لگتا تھا ان پر امریکہ کا اثر ہو گیا ہے۔

شام کو ہم پھر واشنگٹن میں تھے۔ Smithsonian میوزیم بھی ایک عجوبہ سے کم

نہیں۔سائنس اور خلاء کے حوالے سے ایسی منظر کشی کی گئی ہے کہ آدمی گھنٹوں وہیں بیٹھا رہے اور حیران ہوتا رہے کہ آدمی کیا کچھ دیکھے اور کیا رہنے دے۔

میوزیم انسانی خواہشات کی بڑی درست عکاسی کرتا ہے۔ایک زمانہ سے انسان ترقی میں مصروف رہا اور کیسی کیسی ایجادات اور ترقی اپنی محنت سے کر کے دکھائی کہ دیکھنے والے غور کرتے رہیں۔اسی علاقے میں دیکھنے کے لئے بہت کچھ ہے۔میوزیم کے لئے ایک دن تو کچھ بھی نہیں۔مگر وقت ہی تو سب کچھ ہے۔

اب ہم IMAX تھیٹر کیطرف جا رہے تھے۔گاڑی کی پارکنگ اور وہ بھی واشنگٹن کے مصروف ترین علاقے میں ایک بڑا مسلہ ہے۔کچھ محنت کے بعد آخر گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ مل ہی گئی۔

اب اس تھیٹر میں داخلہ ٹکٹ کا حصول اور پھر وہی سکیورٹی کلیرنس مگر قسمت اچھی تھی کہ جلد ہی فارغ ہو گئے۔عمارت کے نیچے ایک ریستوران ہے۔سیڑھیوں کے جھمیلے الگ' آخر گھوم پھر کر ہال تک پہنچ گئے۔خوش مزاج خاتون ٹکٹ دیکھنے کے بعد بولیں کہ آپ اندر جا سکتے ہیں۔

ہال ایک بہت بڑا سینما گھر تھا جس کی سامنے والی دیوار بالکل سکرین تھی۔میں نے آخری سیٹوں میں سے ایک نشست سنبھال لی۔لوگ تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ آخر اعلان ہوا کہ شو شروع ہوا چاہتا ہے۔

ہال میں خاموشی چھا گئی' یہ ڈولفن مچھلیوں پر ایک سیر حاصل فلم تھی۔نیلے سمندر اور ساحل دیکھ کر مجھے مکران کے ساحل یاد آنے لگے' جیوانی کے قریب Ganz نامی گاؤں کا تذکرہ بطور خاص اس لئے کہ اس جگہ بھی قدرتی ساحل ہے 100 فٹ گہرا اور شاید یہیں سے سکندر اعظم نے ہندوستان سے واپسی کے لئے سمندر کا سہارا لیا تھا۔

اس گاؤں میں نیلی آنکھوں والے سفید رو لوگ ابھی بھی کسی ان کہی کہانی کی غمازی کرتے ہیں۔سکرین پر بھی سمندری مناظر دکھائے جا رہے تھے۔ڈولفن مچھلیوں کی اچھل کود اور پانی کا اچھلنا لگتا تھا کہ بوندیں ابھی سینما میں موجود لوگوں پر آ گریں گی۔اتنا حقیقی منظر کہ عقل دنگ رہ جائے۔

اس سائنسی فلم کے بعد ہم ریستوران میں آ بیٹھے اور گپ شپ ہونے لگی۔ یہاں سے نکل کر ہم پھر ایک بار Capital Hill کے نواح میں تھے۔ یہاں مختلف سڑکیں اور Streets ہیں جو سب اپنی ذات میں اتنا کچھ سموئے ہوئے ہیں کہ اجمالی تذکرے سے بھی بات نہ بنے۔ ہم اب سمندر میں بنا ایک لمبا پل دیکھنے جا رہے تھے۔ ٹریفک قوانین پر سختی سے عمل درآمد کے لئے چھپے ہوئے مختلف کیمرے مختلف جگہ نصب تھے۔

ادھر خلاف ورزی ہوئی اور ادھر آپ کے خلاف کاروائی شروع۔ کاش ہم بھی جلد اس مقام پر پہنچ جائیں اور ہماری زندگی بھی سہل ہو جائے۔ وگرنہ نہ لیفٹ نہ رائٹ ہینڈ ڈرائیو کا تکلف جدھر سے دیکھو یار لوگ گاڑی چلاتے نظر آتے ہیں۔

ٹریفک کا نظم وضبط اور قرینہ دیدنی تھا۔ نہ ہارن نہ تیزی ویسے بھی Honking کو انتہائی درجہ کی بداخلاقی اور بدتہذیبی خیال کیا جاتا ہے اگر کسی سڑک پر ان گنت گاڑیاں بغیر روک ٹوک ہارن بجانا شروع کر دیں تو یقین مانیئے کہ زندگی اجیرن ہو جائے۔

پل پانی میں دور تک چلا گیا تھا اور اسکی ایک سائیڈ بند تھی۔ مگر پل کا بذات خود اتنا لمبا بننا ایک عجوبہ تھا۔ یہ ترقی کا مظہر تھا۔ ہم آہستہ روی سے آخر پل عبور کر چکے تھے۔ دور آگے سے مڑ کر واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ رات کے سائے پھیل رہے تھے۔

گفتگو کے زاویئے تبدیل ہو رہے تھے۔ اب ہم واپس روانہ تھے۔ مگر عجلت سے کام بننے کا نہیں بگڑنے کا اندیشہ تھا حکمت صبر میں ہے۔

آخر یہ سفر بھی تمام ہوا اور ہم Spring Field واپس پہنچ چکے تھے۔ رات کو آرام کے لئے بنانے میں قدرت کی کتنی حکمت ہے اس کا ایسا ادراک شاید ان دنوں اس سے قبل اتنی شدت سے نہیں ہوا تھا۔

صبح واپسی تھی۔ سامان سمیٹنے کی بھی فکر تھی اور وقت پر نیویارک پہنچنے کی بھی۔ معلوم نہیں کس وقت نیند آئی اور میں حالت خواب میں بھی کن کن وادیوں میں گھومتا پھرا' انجان راستے غیر مانوس اجنبی اور عالم وحشت' معلوم نہیں یہ خمار گندم تھا یا آرام دہ بستر کا اعجاز کہ اسی عالم میں صبح کے نورانی ظہور کا احساس ہونے لگا۔

اب پھر ایک بار انہی مانوس راستوں سے ہوتے ہوئے واشنگٹن کے ریلوے اسٹیشن کا رخ کیا۔ یہ عمارت دیکھ کر لاہور کا اسٹیشن یاد آنے لگا۔ مگر یہاں قلی نہیں ہوتے' سیٹوں کی اور نشستوں کی پیشگی Reservations کا معاملہ بڑا قرینے والا ہے۔

میں الوداع کہہ کر اسٹیشن کے اندر آ دھمکا' مجھے سب سے پہلے اپنی گاڑی اور نشست کا پتہ کرنا تھا۔ کوڈ نمبر بتانے پر میرا بورڈنگ کارڈ میرے ہاتھ میں تیار تھا۔ مگر ابھی گاڑی کے چلنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ ہم نے اسٹیشن کی سیاحت کی ٹھان اتوار کی صبح رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

طرح طرح کے مسافر موجود تھے۔ چند ایک قرب اور وصال کو غنیمت جان رہے تھے میں نے مورچہ نما نشست سنبھالی۔ اتنے میں لوگ سرکنے لگے اور دو متوازی قطاریں بنا ڈالیں۔ ارے یہ کیا شرافت دکھائی تو یہ مسافر گاڑی بھرنے کو کافی ہیں کیا چھت پر بیٹھ کر جانا ہو گا۔ جی نہیں میں نے عزم مصمم کیا اور قطار میں جا موجود ہوا نہ معلوم کس چیز کی بے تابی تھی۔ مگر اہل واشنگٹن کی بے چینی بے سبب تو نہیں ہو سکتی۔ میں قائم رہا۔

دروازہ کھلا اور مسافروں کے لئے ہدایات کا ایک باب کھل گیا۔ حفاظت کے پیش نظر یہ کریں یہ نہ کریں اور اگر سامان کھلا چھوڑ دیا تو پھر یہ "تباہ و برباد" کر دیا جائے گا۔ Why destroyed میرے سامنے والی خاتون زیر لب بڑبڑائی۔

آخر آہستہ آہستہ قطار آگے کی طرف سرکنے لگی۔ بورڈنگ کارڈ بمعہ Photo Identity چیک ہو رہے تھے۔ سامنے پلیٹ فارم تھا نہ جانے کیوں لوگ بھاگ بھاگ کر گاڑی میں سوار ہونے لگے۔ عجلت تو کار شیطان ہے۔ مگر Slow and steady may loose the race میں خود ہی مسکرایا اور Amtrack کے ایک ڈبے میں پھرتی سے سوار ہو گیا۔ میں نے کھڑکی کے ساتھ کی ایک موذوں نشست سنبھالی' سامان سیٹ کے اوپر اس زاویے سے جما دیا کہ گاہے بگاہے اس کا بصری معائنہ ہوتا رہے کہ کوئی چورا چکا یا اٹھائی گیرا سے لیکر نو دو گیارہ نہیں ہو گیا۔ جیکٹ بھی اتار کر طے کی اور اوپر رکھ کر اب میں ہلکی ہلکی سیٹی بجا رہا تھا۔ کسی کو کیا بھئی ہم نے بھی لمبی رقم خرچ کی ہے۔

مسافروں کے خدشات درست تھے۔ تھوڑی دیر میں گاڑی بھر گئی۔ زیادہ مسافر وہ تھے

جو قریب تک سفر کر رہے تھے۔ معلوم نہیں ان کو کیا تکلیف ہے کہ چھٹی کے روز بھی آرام سے نہیں بیٹھے اور چل پڑے ہیں سفر پر۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ واشنگٹن کے مخفی حصے سورج کی درمیانی روشنی برائے ملاحظہ پیش خدمت تھے۔ مقامی سٹیشن آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ بالٹی مور کا اب درست نظارہ نظروں کے سامنے تھا۔ امریکہ کا روایتی رنگ روپ لئے صاف نظر آ رہا تھا۔ واشنگٹن کے ہوائی اڈے کا تذکرہ پڑوسی کر رہے تھے اور میں بغیر دام کے اس سے مستفید ہونے پر مجبور تھا۔ بھئی سبکو پتہ ہے کہ Dallas ایئر پورٹ دنیا کا مشہور ایئر پورٹ ہے اس میں بے پناہ وسعت موجود ہے۔

ریلوے لائن کے اطراف میں گندم جیسی کوئی فصل کاشت ہوئی بھی نظر آ رہی تھی۔ پانی تھا کہ دور سے بہار دکھا رہا تھا۔ برف پگھل رہی تھی جھیل دور سے تابانی سے چمک رہی تھی۔ خوبصورت کشتیاں اور موٹر لانچ صاحب ثروت لوگوں کے اور اشرافیہ کے مشاغل کی دلیل کے طور پر ادھر ادھر گھومتی نظر آ جاتی تھیں۔

امریکی ایئر فورس کا ایک base بھی نظر آ رہا تھا۔ اب ہم Welminghton Delaware پہنچ رہے تھے شہر کی تہذیب کا ایک حصہ قدیمی سرخ اینٹوں کے ساتھ پرانے مکانات کی صورت میں نظر آ رہا تھا۔ ذرا آگے ماڈرن طرز تعمیر کے نمونے موجود تھے۔ اسٹیشن کے ساتھ ہی ریستوران ایک نہر اور جھولے نظر آ رہے تھے یہاں صبح کے وقت کچھ بھی تو دیکھنے کو نہیں تھا۔ یہ تو شام کو رونق دکھاتے ہوں گے۔

گاڑی کچھ دیر تک شہر کے مناظر دکھاتی رہی۔ چڑیا گھر، صبح سیر کرتے ہوئے لوگ، گاڑیاں، امریکہ بیدار ہو چکا تھا۔

مسافروں کا گاڑی سے اترنا اور چڑھنا جاری تھا۔ اب ہم نیو جرسی میں داخل ہو چکے تھے۔ گاڑی اسٹیشن پر رکی تو پلیٹ فارم پر لگا ایک معنی خیز بورڈ اپنی طرف توجہ مبذول کرا رہا تھا اگر آپ ستمبر 11 کے حوالے سے پریشان ہیں اور اگر آپ یا آپ کے پیارے اس حادثے سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں یا اس سے متعلقہ ناخوشگوار حادثاتی یادیں آپ کے لئے پریشانی کا باعث ہیں تو چند دیئے گئے فون نمبروں پر یا متعلقہ لوگوں سے براہ راست رابطہ کریں۔ یہ

Psycho Therapy کی دعوت تھی۔ 11 ستمبر کے ناخوشگوار واقعات اور پھر عراق اور افغانستان میں حصہ لینے والے وہ امریکی جو وہاں زخمی ہوئے ہوں یا کام آئے ہوں ان کے لواحقین اور عزیز و اقارب یقیناً ایک پریشانی میں ہوں گے۔ اب ہم نیویارک کے قریب تھے۔ Pennsylvania اسٹیشن دور نہیں تھا۔

اسٹیشن پر پہنچ کر ہم نے سامان اکٹھا کیا اور اسٹیشن سے باہر آ گئے۔ ہوا میں خنکی تھی مگر یہ قابل برداشت تھی۔ Manhattan کے بزنس سینٹر اور مشہور سٹور دیکھنے کے لائق ہیں۔ Neckties کے سٹور پر ایک کورین سے میں نے اسکی زبان میں حال پوچھا تو مسکرا دیا۔ یہاں آپ دیکھ بھال کر خریداری کریں تو آپ کے حق میں بہتر ہو گا۔ چلتے چلتے ایک سٹور میں داخل ہوئے تو مانوس سے چہرے نظر آئے۔ یہ پاکستانی صاحب تھے۔ ان کے بقول وہ سارے نیویارک میں merchandise فراہم کرتے ہیں۔ موصوف کے انکشاف پر مجھے حیرت تو نہ ہوئی افسوس ہوا کہ اس قدر مبالغہ آرائی کی کیا ضرورت تھی۔ یہ امریکہ ہے اور ایک سے بڑھ کر ایک زیرک و دانا کیا سمجھے آپ۔ فٹ پاتھوں پر ایک اور ہی دنیا آباد ہے۔ کہیں موزے دستانے خواتین کے بیگ اور پرس نہ جانے کیا کیا فروخت ہو رہا ہے یہ اشیاء دنیا کے کونے کونے سے آتی ہیں۔ مگر ان کے معیار کے بارے میں اطمینان کرنا گاہک کے اپنے ذمے ہے۔

ہم دوبارہ Pennsylvania اسٹیشن کے زیریں حصے میں موجود تھے۔ LIRR سے ٹکٹ خریدنا اور پھر Valley Stream تک کے سفر کا مرحلہ درپیش تھا۔ گاڑی میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ پرانے ڈبے اور نشستیں اس میں نہ جانے کیا حکمت پوشیدہ تھی۔ ٹکٹ چیکر کا آنا اور پھر ٹکٹ ہی لے کر چلے جانا شاید اس اعتماد کا مظہر تھا کہ مسافر بڑے بااعتماد ہیں یا یہ کہ کوئی بے ٹکٹ سفر نہیں کرتا۔ گاڑی کے چلتے ہی دائیں بائیں ریلوے کے ٹریک نظر آنے لگے۔

منزل پر پھر فون کرنا اور ارسلان صاحب کے گھر سے بیگم صاحبہ کا ظہور اگلا اہم واقعہ تھا۔ سفر کیسا رہا اور کہاں کہاں گھومے بیگم صاحبہ پوچھ رہی تھیں۔ ارے آپ نے اتنے کم وقت میں اتنا کچھ دیکھ لیا وگرنہ یہاں رہنے والے تو بہت سے لوگ اتنا بھی نہیں دیکھ پاتے۔

گھر آ چکا تھا۔ ابھی اگلے سفر کی تیاری باقی تھی شام ہماری پرواز سان فرانسسکو کے لئے

تھی۔ وقت تھا کہ ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔ سامان کی تیاری میں وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا۔

ابھی مغرب کا وقت ہو رہا تھا ہم نے سامان گاڑی میں رکھا۔ ارسلان صاحب اپنی لمبی کار میں تشریف فرما تھے۔ چرمی سیٹ کور امریکی کار کی شان بڑھا رہے تھے۔ سامان ڈگی میں رکھا اور وہ میاں بیوی اگلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

یہ میری بڑی خاص کار ہے اور صرف میرے تصرف میں رہتی ہے۔ ارسلان صاحب بولے بیگم کے پاس جونئ مرسیڈیز ہے وہ فی الوقت برفباری کے موسم میں مکمل پیک شدہ ہے۔ جب موسم بہار آئے گا تو چلے گی۔ کیا بات ہے میں نے دل میں سوچا۔

آپ کے پاس تو پاکستان میں کار ہوگی یہ ارسلان صاحب تھے۔ مجھ سے پوچھا جا رہا تھا۔ جی ہاں میرے پاس کار ہے خدا کا شکر ہے۔ میں نے جواب دیا۔ اب گاڑی Key Foods کے پاس سے گھوم کر ایک طرف ہو لی۔ ہم یہاں سے حلال گوشت خریدتے ہیں۔ بیگم صاحبہ بتانے لگیں۔ ہم سب ہنسنے پر مجبور تھے۔

ارسلان صاحب کو بوسیدہ موسیقی سے بڑا لگاؤ ہے۔ بے وقت ایک پکار اگ سننے لگے۔ میاں بیوی میں تکرار ہونے لگی۔ بیگم کا کہنا تھا مغرب کی نماز کا وقت ہے گانا بجانا بند کرو۔

حکم حاکم موسیقی کی مزید نشو نما نہ ہو سکی۔ راگنی کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یکا یک گاڑی ایک گلی کے وسط میں جا کر رک گئی۔ شاید گاڑی خراب ہو گئی ہے میں نے سوچا۔

مگر ایسا نہیں ارسلان صاحب نے جھٹ گاڑی کا دروازہ کھولا لمبے لمبے ڈگ بھرتے ایک سمت کو ہو لئے۔ لگتا ہے واک آؤٹ کر گئے ہیں میں نے سوچا۔ آج تو ہم نے بمشکل ہی جہاز پکڑ پائیں طبیعت میں بے چینی اور ہیجان کی کیفیت بڑھنے لگی۔ مگر قسمت اچھی تھی حضرت نے چند لفافے پوسٹ کرنے تھے وہ حوالہ ڈاک کر کے خلاء میں گھورنے لگے۔ لگتا ہے موصوف کو کچھ بھی یاد نہیں میں سوچنے لگا۔ آخر واپس آئے اور بیگم سے مخاطب ہوئے۔ جان جی' دونوں میں اب سیز فائر ہو گیا تھا میں خاموش مبصر بنے بیٹھا تھا۔ گاڑی ایک سمت چل پڑی۔ ارے کدھر جا رہے ہو۔ بیگم نے ٹوکا۔ ارسلان صاحب نے روئے سخن خاکسار کی طرف کر کے پوچھا" جہاز کتھوں اڈنا ایں"

جی وہ جے ایف کے ائیر پورٹ سے مگر ہم تو Lagardia ائیر پورٹ جا رہے ہیں۔کوئی بات نہیں ہم Taxi لے لیتے ہیں۔میرے اندر کا مہذب انسان بولا۔جی نہیں ہم اگلے Exit سے درست سمت چل پڑیں گے۔آخر کار درست سمت کا تعین ہوا اور ہم ایک جگہ پہنچ گئے۔یہ عین وہی تاریخی عمارت تھی جہاں مابدولت کا امریکہ آتے ہی ظہور ہوا تھا۔Delta ائیر لائن کا ڈومیسٹک ٹرمینل۔

ہم نے سامان اٹھایا ہر دو کا شکر یہ ادا کیا اور ائر پورٹ کی عمارت میں داخل ہو گئے۔ ایک کاؤنٹر پر رش کم تھا ہم بھی اسی قطار میں جا کھڑے ہوئے۔کافی دیر بعد پتہ چلا کہ جو خاتون ٹکٹ دینے پر مامور ہیں ہنوز زیر طبیعت ہیں اور کافی محتاط انداز سے کمپیوٹر کے Key board کے ساتھ خراماں خراماں چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔گاہے بگاہے ساتھ والے کاؤنٹر سے آگاہی بھی حاصل کر رہی تھیں۔

She has nothing to loose میں نے سوچا۔ I may not loose my flight میں نے فوراً سامان اٹھایا اور اگلے کاؤنٹر پر جا دھمکا۔بورڈنگ پاس کا کوڈ نمبر بتایا اور بورڈنگ کارڈ کے حصول کے بعد جو دیکھا تو روانگی کا گیٹ کافی دور تھا۔سامان کمر پر لاد کر ایک اور بیگ کندھے پر صحیح سیاح بن گیا۔میں نے فراٹے بھرنے شروع کئے۔وقت نکل رہا تھا۔امریکی ائیر پورٹ بڑے وسیع ہیں اور سیاحوں کو چلنے کی سہولت مفت فراہم کرتے ہیں۔ تیز رفتاری سے پسینہ آنے لگا۔آخر روانگی کا گیٹ آ پہنچا۔ابھی نشست پر بیٹھا ہی تھا کہ بھاری بھرکم خاتون جو گوشت کا ایک چلتا پھرتا سلسلہ تھا سرخ ہونٹوں اور سیاہ رنگت کے ساتھ اعلان فرماتے سنا کہ سان فرانسیسکو جانے والے مسافر متوجہ ہوں۔آپ کا سفر بہت لمبا ہے اور جہاز پر کھانے پینے کی سہولت محدود ہے لہٰذا آپ کی رہنمائی کے لئے آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ آپ ائیر پورٹ کیفے ٹیریا سے meal لیکر مطمئن ہو جائیں پھر نہ کہئے گا کہ خبر نہ ہوئی۔

یہ اعلان خوش کن بھی تھا اور اپنے ساتھ تباہی و بربادی کی نوید لئے بھی۔مگر کاروباری لحاظ سے درست بھی تھا تاکہ مسافروں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں خبر نہ ہوئی۔کچھ لوگ یہ سن کر قریب ہی کاؤنٹر کی طرف لپکے، میں نے بھی ازراہ تجسس ان کی تقلید کی۔کاؤنٹر کے پاس

شوکیس میں پڑے ہوئے Hamburgers دور سے نظر آ رہے تھے' چند ایک میں سے باہر کو نکلتا ہوا گلابی رنگ کا گوشت معاملے کی قلعی کھولنے کو کافی تھا۔ میں الٹے پاوں واپس مڑا اور دروازے کے قریب ہی نشست پر بیٹھ گیا۔

سامنے ڈومیسٹک ٹرمینل نظر آ رہا تھا۔ ایک سرمئی سے رنگ کا بھلا سا بوئنگ 774 دیوار کے قریب ہی کھڑا تھا۔ شکل سے تو بھلے مانس ہی لگ رہا تھا یہ Delta ائیر لائن کا شہباز تھا۔

مجھے "جگے" کا گیت یاد آنے لگا جس کے کبوتر ندی کے پار دانہ چگنے جاتے تھے۔ کیا چونچلے ہوں گے لائلپوری کبوتروں کے۔ میرا طائر تخیل نیویارک میں بھی بار کے جنگلوں میں کھویا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر میں جہاز کا عملہ قریبی سرنگ نما دروازے سے جہاز میں داخل ہو گیا۔ کپتان ادھیڑ عمر تھے اور صحت مند بھی، جاتے ہی صاحب موصوف نے ٹارچ ہاتھ میں پکڑی اور جہاز کے نیچے جا موجود ہوئے۔ ٹارچ کی روشنی میں جہاز کے پہیوں کا بغور بیرونی معائنہ کرنے لگے۔ یہ امر میرے لئے حیرانی کا باعث تھا۔ ڈیلٹا ائیر لائن امریکہ کی مشہور ائیر لائن ہے جس کے مختلف حجم کے جہاز ہمہ وقت امریکی فضاؤں میں محو پرواز رہتے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کا نظام تو یقیناً اعلیٰ ہو گا۔ پھر کپتان صاحب کی بیقراری نہ جانے کیوں تھی۔ مجھے ان کا تردد بہت بھایا۔

فلائٹ کا اعلان ہوا۔ سامان تھامے میں جہاز کے اندر تھا سیٹ آخری قطار سے تھوڑا آگے تھی۔ یہ کیا بات ہوئی میں نے سوچا' چلو جانے دو' سفر ہی ہے کٹ جائے گا۔ میں اسی فکر میں کھڑا تھا کہ پتلی عمر رسیدہ ائیر ہوسٹس میرے قریب آ کر بولی آپ نشست سے مطمئن ہیں۔

As long as it is inside the plane I don't mind

یہ میرا جواب تھا۔ میں نے سامان اطمینان سے رکھا اور بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ ایک نوجوان خاتون سفر کر رہی تھیں۔ موصوفہ فلوریڈا میں پڑھنے آئی تھیں اور اب واپس سان فرانسسکو جا رہی تھیں۔ کان میں موسیقی سننے کا دائمی بندوبست ساتھ لائی تھیں۔ جہاز مڑنے لگا۔ نہ جانے کپتان صاحب کھڑے جہاز سے کوئی کرتب دکھانے لگے تھے۔ یہ جہازوں کی نزدیکی

پارکنگ کا شاخسانہ تھا۔ جے ایف کا ائرپورٹ اب بہت نیچے سے نظر آ رہا تھا۔ جہاز مسلسل بلند ہو رہا تھا۔

20فروری 2005 کی خوبصورت شام رات میں ڈھل چکی تھی کپتان کی آواز گونجی۔

This is your Captain Hans welcome abroad Delta Flight No.DL 1751 from New York City. We shall be flying over to Pennsylvania. Buffalo enter Canada. South of Toronto

enter USA again. Fly over Detroit, Michigan, South of Dakota Wyoming, Nevada and land at Seatle.

seatle کا نام سنتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے۔ یا خدا ہم تو سان فرانسسکو جا رہے تھے یہ کیا ماجرا ہوا' یہ تو غلط جہاز ہے اور اب ہم نہ جانے کہاں ہیں کیا ہو گا کپتان کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

We go to San Francisco I have been Flying to Seatle for the last 3-1/2 months. " You can laugh at my expense"

مابدولت خوش ہوئے۔ فریادی ہمیں کس نے پکارا۔ میرے ساتھ بیٹھی حسینہ نے بھی فرط اطمینان سے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور زلفوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ میں تو ڈر ہی گئی بولی۔ گھبرایئے نہیں سب ہی کا یہی حال ہوا ہو گا۔

مجھے تو Home Alone-II فلم کا بچہ یاد آنے لگا جو غلط جہاز میں بیٹھ کر New York پہنچ جاتا ہے۔ فلموں کے شوقین معلوم ہوتے ہیں آپ پوچھنے لگی۔ اجی ایسا ویسا میں نے جواب دیا۔ وہ مسکرانے لگی۔

جہاز میں ایک دیسی خاتون بھڑکیلے شلوار قمیض میں ملبوس تھیں۔ میاں صاحب نے بھی

بدرنگ خضاب سر پر انڈیل رکھا تھا جس کی سیاہی کی ایک لکیر آنجناب کے رخسار پر سیاہی پھیلا رہی تھی۔ ظاہر ہے امریکہ میں ذات شریف کو حجام کی سہولت کہاں میسر ہوگی۔ باقی سب لوگ مقامی تھے اور کافی خاموش مجال ہے جو کسی کی آواز نکلے سکوت طاری تھا یہ چھ گھنٹے کی نان سٹاپ فلائٹ تھی مذاق نہیں۔ آپ ہیڈ فون خریدیں گے نکالئے 5 ڈالر۔ جی نہیں میں نے پکا منہ بنا کر فضائی میزبان کو ٹال دیا۔

ساتھ والی نشست پر ایک صاحب laptop پر فلم سے جی بہلا رہے تھے۔ کتب بینی کے شوق نے سر ابھارا تو میں نے قلیل روشنی میں مطالعہ سے پرہیز بہتر سمجھا۔ میں Califomia کے بارے میں سوچنے لگا۔

بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی پر ساٹھ کی دہائی میں ایک پروگرام آیا کرتا تھا The Fugitive یہ ہر اتوار کو میرا من پسند پروگرام تھا۔ David Johnson اس میں Dr. Richard Kimble بنا تھا۔ Innocent Victim of Blind Justice یہ خیال آتے ہی یادوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ پھر کیا تھا۔ فضائی میزبان آ دھمکی آپ کیا پینے کو پسند کریں گے۔ Orange Juice س نے حیرانی سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ظالم کے تو نے پی ہی نہیں۔

جہاز کے نیچے سمندر اور اس میں کہیں کہیں روشنی بتیوں کی غمازی کر رہی تھی۔ امریکہ میں ٹائم زون مختلف ہیں۔ میں وقت دیکھ کر اندازہ لگا رہا تھا کہ چھ گھنٹے تو ہونے والے ہیں کسی پل بھی جہاز اترنے لگے گا۔ یکا یک آواز گونجی Captain Hnas has switched on no smoking signs and fasten Seat Belt signs انتظار کے لمحات طویل تھے' آخر جہاز سان فرانسیسکو کے ہوائی مستقر پر اتر گیا۔ سامان کا حصول اور باہر آنا نیند اور تھکاوٹ مسافر عجیب سی سرمستی میں جھول رہے تھے۔

ساجد صاحب کے انتظار میں بیرونی دروازے تک آ پہنچے۔ مگر وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بھیگنے کا خطرہ تھا۔ گاڑیاں گاہے بگاہے آ رہی تھیں کسی سے کوئی برآمد ہوتا اور دوسری پر کوئی اور سوار ہو کر عجیب گومگو کی کیفیت تھی۔ نزدیکی ٹیلیفون دیکھا نمبر گھمایا

ساجد صاحب بولے آپ کدھر ہیں ہم تو آپ کے منتظر ہیں میں نے علامتی نشانات کا تذکرہ کیا تو ایک بغلی دروازے سے آ موجود ہوئے۔ ہم حصول سامان کے سامنے آپ کے منتظر تھے۔ حمنہ بیٹی بطور خاص ہمیں لینے آئی تھی ہم ملک صاحب کی گاڑی میں سوار مطمئن ہو گئے۔ ساجد صاحب بولے ابھی گھر پہنچنے میں کچھ وقت لگے گا۔ خیر ہے ہمیں کوئی جلدی نہیں میں نے جواب دیا۔ یہ سان فرانسسیکو تھا۔ کچھ کچھ سویا ہوا۔ کچھ دیر بعد ہم اسکے پل پر تھے۔ یقین ہو گیا کہ واقعی منزل پر درست پہنچے ہیں۔ ساجد صاحب کے گھر پہنچے تو گرم کھانا منتظر تھا۔

خوب نیند آئی۔ صبح سویرے عجیب گڑ گڑاہٹ سے آنکھ کھل گئی یہ Mass Transit ٹرین تھی جو وقفے وقفے سے قریب سے گزرتی تھی۔

ہمارا پروگرام بننے لگا۔ دوپہر تک یہیں سان فرانسسکو میں گھومیں گے اور دوپہر کو Reno روانگی جو ریاست Nevada میں ہے۔ سان فرانسسکو کی وجہ شہرت ہمہ گیر ہے۔ جغرافیائی مالی' ثقافتی کیا کچھ نہیں۔ امریکہ کا درست احساس ہو رہا تھا۔ گھر کے سامنے ڈھلوان میں باہر نکل پڑا۔ ہنستے مسکراتے زندہ دل لوگ اسکی وسعت کا ثبوت تھے۔

پانی ایک اطراف میں ہے۔ برکلے کی شہرہ آفاق یونیورسٹی Sacremonto جہاں ہم مقیم تھے۔ St. Mateo کیا دنیا تھی)۔ پل کے ساتھ Naval Base ہے ماضی قریب تک اس کی اپنی حیثیت تھی۔ نزدیک موٹر بوٹس کی وسیع تعداد تھی۔ بوندا باندی کا عجیب معاملہ تھا۔ سامنے پہاڑی چٹانیں تھیں۔ دور سان فرانسسکو کا پل نظر آ رہا تھا۔ ہم اب گاڑی میں سوار سان فرانسسکو گھوم رہے تھے۔ عجیب چڑھائی اور پھر اترائی۔ اس پر سان فرانسسکو کی مخصوص ٹرام دل بہلانے کو موجود تھی۔ مارکیٹ' شاپنگ مال کیا کچھ نہیں۔

Crooked Street کے تذکرہ کے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی۔ چڑھائی سے اترائی تک Zig zag ساتھ لوگوں کے رہائشی فلیٹس عجیب ڈرائیونگ ٹیسٹ پاس کرنے والی بات تھی۔ ایک جانب مینار تھا جس کے باہر وسط میں ایک صاحب کا مجسمہ تھا جو شاید فائر سروس میں تھے اور ان کی اہلیہ نے ان کو زندہ جاوید کر دیا تھا۔ یہ یادگار ان کی یاد میں تھی۔ دور Alcatraz نظر آ رہا تھا۔ یہ جیل خانہ اور عقوبت خانہ اپنی علیحدہ حیثیت رکھتا ہے اب یہ

سیاحوں کے لئے موجود تھا۔اس جیل سے فرار کی فلم میرے ذہن میں چلنے لگی۔عربی ریستوران کا چکن بریڈ رول بڑا مزیدار نکلا بھوک چمک رہی تھی۔

Green Valley امریکہ کی امیر ترین کاؤنٹی ہے Wetlands سڑک کے ساتھ تا حد نظر موجود تھے۔یہ کاؤنٹی اسکی فروخت پر آمادہ نہیں کہ وہاں گھر بنا کر اس جگہ کا فطری حسن پامال کر دیا جائے۔پانی میں گھر عجیب منظر دکھا رہے تھے۔ہم اس سے واقف نہیں۔اس گھر میں انسان کتنی دیر تک رہ سکتا ہے مگر کیا کیجئے زندہ دل لوگ اس عیاشی کے متحمل ہو رہے تھے۔ان گھروں میں ایک گھر فروخت کے لئے موجود تھا۔قیمت فقط پانچ لاکھ امریکی ڈالر۔ بات ہوئی ناں۔

دوسری جانب Chevron Valley واقع ہے اسکی تیل کمپنی مشہور ہے۔کہتے ہیں اس کے پائپ کو اگر پھیلا دیا جائے تو کرہ ارض کے گلوب کے نصف حصے تک پھیل جائے۔

مجھے پھر Crooked Street یاد آنے لگی۔یہ دنیا کی Crooked most street نہیں تو پھر کیا ہے۔

گولڈن گیٹ پل، معلق پل اپنی جداگانہ حیثیت کی بنا پر مشہور ہیں۔ Bay Bridge انفرادی ملکیت ہے یہ Treasure Island کے ساتھ ہے جو Naval Base ہے۔مگر یہاں تو لوگ اس کے قرب وجوار میں آزادانہ گھوم پھر رہے تھے کوئی روک ٹوک کرنے والا موجود نہ تھا۔نہ مووی کیمرے سے فلم بنانے پر کوئی قدغن نہ فوٹو گرافی کی ممانعت۔وگرنہ دفاعی اور حساس نوعیت کے مقامات پر عوام الناس کی رسائی نہیں ہوتی ہو بھی تو ایک حد تک ہی ممکن ہے۔

Grace Cathedral سان فرانسسکو کی رونق بڑھانے میں خاص مقام رکھتا ہے۔اس کا طرز تعمیر خوب تھا۔اس شہر میں جہاں خلق خدا کی بے راہروی کے اسباب با افراط مہیا تھے۔یاد خدا سے غافل ہونے سے بچانے کے لئے اسکا وجود غنیمت ہوگا۔ Fair Mont Hotel کے باہر دنیا کے بیشتر ممالک کے جھنڈے ہوا میں لہرا لہرا کر اپنی حیثیت منوا رہے تھے کی ایک تاریخی اہمیت ہے۔

اقوام متحدہ کا چارٹر پیش ہوا اور اس پر دستخط ہوئے۔ ادارہ اقوام عالم کی موجودہ بے بسی پر نوحہ لکھنے کا وقت تھا۔ نہ موقع اب بات ہو جائے سان فرانسسکو کے Saint Peter and Paul Church کی۔ یہ وہ گرجا گھر ہے جہاں Marlin Monroe اور Joe Demageo رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے۔ California Street اب ہمارے سامنے تھی یہاں مشہور انگریزی فلم The Bullet کی شوٹنگ ہوئی تھی۔

اب ہم سینڈوچ submarine لے کر Reno کے لئے نکل پڑے۔ سڑکوں پر ٹول کی ادائیگی ضروری ہے۔ ڈیوٹی پر مامور حسینہ کو کام سے زیادہ حسن کی فکر تھی۔ پیسے لے لئے تو بال سنوارنے لگی اس امید پر کہ شاید بقایا وصول کئے بغیر پاکستانی سیاح ٹل جائیں مگر ایسا کہاں ممکن تھا۔ موصوفہ کو باقی رقم واپس کرتے ہی بنی۔

San Mateo چوتھا پل ہے۔ Conquinec Bridge اور تین پل اسکے علاوہ ہیں ہم اب ہائی وے 80 پر تھے جو CNH Sugar Mills کو جاتی ہے یہاں گنا پیدا نہیں ہوتا اور Haiti اور Guatemala وغیرہ سے آتا ہے مگر اس کو یہاں Crush کر کے چینی تیار کی جاتی ہے اس راستے میں Union 76 ریفائنری بھی ہے۔ Unocal کی ملکیت ہے۔ حامد کرزئی صاحب یہاں ملازمت کرتے رہے ہیں۔ سنا ہے Haiti میں تین ہائی سکول ہیں۔ مسئلہ تصدیق طلب ہے۔

بات گورا لوگ اور دیسی لوگوں کی چل نکلی۔ ساجد صاحب کہنے لگے ایک دیسی کہیں جائے تو پیر بن جاتا ہے اگر دو دیسی مل جائیں تو طبعی طور پر نارمل رہتے ہیں۔ کار قضاء تین ہو جائیں تو ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ایک گورا کہیں جائے تو Dumb ہی رہتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ بے وقوف اگر دو ہو جائیں تو سمجھدار ہو جاتے ہیں۔ اگر 3 گورے اکٹھے ہو جائیں تو پھر حکومت کرنے لگتے ہیں۔

Divide and Rule انکا آزمودہ کلیہ رہا ہے۔ ہم اب آبادی سے نکل آئے تھے اور سیدھی سمت بڑھ رہے تھے۔ خوبصورت پہاڑیاں جنکے دامن میں سبزہ اور گائیں چرتی نظر آ رہی تھیں یہ Typial English Country Side کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔

یہ California کی خوبصورت ریاست ہے۔ Vaccaville کی شاپنگ مال اب ہمارے سامنے تھیں۔ کہنے کو تو یہ فیکٹری Outlets ہیں جہاں اشیاء سستی ملتی ہیں اور لوگ دور دراز سے اس جھانسے میں آ کر خریداری کرتے ہیں کہ وہ معیاری اشیاء سستی خرید رہے ہیں مگر یہ نظر کا دھوکا ہی ہے۔ عملی طور پر ایسا نہیں ہے۔ یہاں اشیاء مہنگی ہی پڑتی ہیں۔ California اپنی زرعی پیداوار کے حوالے سے بھی یکتا ہے California water works سینٹرل ویلی اور جنوبی کیلیفورنیا اور شمال کو پینے کا پانی یہاں سے فراہم کیا جاتا ہے۔

اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ چاند سے نظر آتا ہے دیوار چین اور یہ دونوں چاند پر سے سطح زمین پر نظر آتے ہین۔ سینٹرل ویلی دنیا کا سب سے بڑا زرعی علاقہ ہے۔ اس علاقہ میں دنیا بھر کی اشیاء اگائی جاتی ہیں بادام' زیتون' تربوز کیا کچھ نہیں ہوتا۔ اس موقع پر مجھے اپنا پنجگور یاد آیا جو پہاڑی علاقہ بھی ہے اور دشت بھی وہاں بھی انجیر اور انگور اور دنیا کی بہترین کھجور مضادتی پیدا ہوتی ہے جو ایرانی کھجور کے نام سے ہمارے ہاں فروخت ہوتی ہے۔

یونیورسٹی کالج 80 Road- Davis پر واقع ہے۔ یہ برکلے یونیورسٹی کا دوسرا کیمپس ہے اس کیمپس میں سارے سکول موجود ہیں مگر خصوصی شہرت زراعت کی وجہ سے ہے۔

ہم رواں دواں تھے۔ بچوں نے گاڑی میں خوب رونق لگائی۔ ساجد صاحب سے سوال جواب ہو رہے تھے مگر ان کا حوصلہ کمال ہے۔ ساجد صاحب کا کہنا ہے بچوں کو بولنے سے نہیں روکنا چاہیے۔ بات تو درست ہو گی مگر اتنا حوصلہ دل داغدار میں بھی تو ہو۔

راستے میں ہم گیس اسٹیشن پر رکے۔ کافی کا مزا اپنا تھا۔ Nevada Reno ریاست میں ہے جو اونچائیپر ہے اور معلوم نہیں کہ وہاں برف نہ پڑ رہی ہو۔ اسکی خبر نہ تھی۔

راستے میں مختلف جگہوں کے دلچسپ نام تھے El-Camino یہ کیا نام ہوا۔ ہو سکتا ہے اسکا تعلق کمینگی یا کمینہ پن سے ہو۔ ہر موڑ پر اونچائی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ راستے میں برف ہٹانے والی گاڑیاں نظر آئیں جو اس بات کی نشاندہی کر رہی تھیں کہ برف پڑنے والی تھی۔

یہ بات درست نکلی تھوڑی دیر میں ہم خاصی اونچائیپر تھے۔ برف پڑنے لگی' ونڈ سکرین پر سے برف ہٹائی جا رہی تھی۔ اس برف باری سے سڑک پر پھسلن ہو رہی تھی ہم Nevada

ریاست میں تھے۔ Sacremento River سڑک کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ یہ نشیب میں تھا۔ نظارے دلفریب تھے مگر خطرہ تھا کہ اگر برف زیادہ پڑنے لگی تو کہیں راستے محدود نہ ہو جائیں۔ ایسی صورت میں ٹریفک کا بحال رہنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

Nevada City Gas Valley اور پھر Eagle Lakes امریکہ کی خوبصورتی کی گواہی دے رہی تھیں۔

اب ہم Reno سے زیادہ دور نہ تھے۔ دل کو اطمینان ہوا Reno کی اپنی اہمیت ہے۔ ویک اینڈ پر Reno آنے والے لوگوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ جوا اور زندگی کی دلفریبی کے وافر امکانات بہم تھے۔

ہم نے پارکنگ میں گاڑی کھڑی کی۔ Circus Circus Reno ہماری منزل تھا۔ یہ خوبصورت ہوٹل دنیا بھر کے سیاحوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہمیں ایک برقی ٹرین کے ذریعے کمروں تک جانا تھا۔

لوگ ٹرین میں گھس گئے۔ ایک عمر رسیدہ شریمتی جی ماتھے پر تلک لگائے۔ ہائے رام ہائے رام پکار رہی تھیں' ان کے لواحقین ان کی حالت زار سے زیادہ باخبر نہ تھے۔ ہم استقبالیہ سے کمرے تک پہنچنے کے لئے لفٹ تک پہنچ چکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد نے Casino کا رخ کیا۔ یہ کیا ایک عالم وہاں موجود تھا۔ Nevada قدرت کے عطا کردہ حسن سے مالا مال ریاست ہے سال میں 310 دن Nevada میں سورج کی زیادت ہو جاتی ہے ماؤنٹ روز نامی مشہور چوٹی Nevada میں واقع ہے اور اس کی اونچائی 8, 266 فٹ ہے۔ اس کے پہاڑی سلسلے کسی بھی اور امریکی ریاست سے زیادہ ہیں اور بلند ترین چوٹی 13,145 فٹ کی بلندی پر باؤنڈری پیک کے نام سے موسوم ہے یہ شمالی وسطی سرحد کی جانب ہے۔

جواء کو اول 1869ء اور پھر 1931ء میں Nevada میں قانونی حیثیت عطا کی گئی۔ Reno اپنے Casinos اور Gaming کی وجہ سے امریکہ بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ Harold's club اور Reno' Mapes Hotel / Casino کے

اولین Casino ہیں۔ Lake Tahoe اور Reno لازم وملزوم ہیں۔ یہ خوبصورت جھیل قدرت کے حسن کا نمونہ ہے اور شنید ہے کہ 1,645 فٹ گہری ہے اور قریب 72 میل کے رقبے پر پھیل رہی ہے۔ Lake Tahoe اصل میں انڈین لفظ گہرے پانی سے نکلا ہے۔

تاریخی طور پر قبل از تاریخ کی مچھلی Pyramid lake cui-cui سے ہی ملی تھی۔اس ریاست میں 40 سے زیادہ گالف کورس ہیں جبکہ 18 سے زیادہ Ski resorts بھی ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایک سروے Inc. Magazine 2004 کے مطابق بہترین کاروباری مراکز میں Reno کا علاقہ چھٹے بہترین علاقہ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ جبکہ Reno کو رہنے کے لئے Reno امریکہ کے دس بہترین شہروں میں سے ایک ہے۔ Nevada دنیا کا تیرا فیصد سونا پیدا کرنے والا علاقہ ہے۔ Nevada کو 'Sagebrush state The silver state اور The Battle Born State بھی کہا جاتا ہے۔ Nevada کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ Snow Capped ہے۔ Nevada کے نواح میں 'Arizona California 'Oregon Utah اور Idaho واقع ہیں۔

امریکہ میں تو آپ کو evada 'Ne-va-duh' کہنا پڑے گا۔ Reno اور Lake Tahoe کے علاقہ میں دیکھنے اور کرنے کو بہت کچھ ہے اس کو سیاحوں کی جنت کہنا مناسب ہو گا۔ Mark Twain نے Lake Tahoe کے بارے میں لکھا تھا "One of the most beautiful sites to behold' Nevada کا آرٹ میوزیم یہاں کی قدیم تاریخ اور روایات کا انمول خزانہ ہے۔ Down Town کا White Water Kayak Park ایسی جگہ ہے جہاں آپ Kayak کے سہارے سیر کر سکتے ہیں۔

یہاں کا چڑیا گھر Animal Ark اس لئے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے کہ یہاں برفانی سفید ریچھ اور یہاں کے مقامی جانور بھی دیکھ سکتے ہیں ہفتے کی رات کو وہاں بھیڑیوں کے غرانے

کی بھی آواز سن سکتے ہیں۔ فضائی ریس کی نیشنل چیمپئن شپ یہاں کی ایک نا قابل فراموش روایت کہی جاسکتی ہے۔ یہاں کے غباروں کی ریس بھی قابل دید ہو گی۔ سنا ہے کہ سو کے قریب غبارے اڑائے جاتے ہیں۔ دھنک کے رنگ لئے یہ غبارے نا قابل فراموش تجربہ ہونگے۔

یہاں قدیم کاروں کا ایک جداگانہ شو بھی ہوتا ہے جہاں 1950ء اور 1960ء کی دہائی کی کاریں آپ کو دیکھنے کو مل سکتی ہیں۔ Autumn Food اور Festival Wine کے بغیر Reno کا تذکرہ مکمل نہ ہو گا۔

Circus and Circus کا Casino اپنی رونقوں سمیت آنے والوں کا منتظر تھا۔ بڑے تو بڑے بچوں کو بھی اس کام پر لگانے کے لئے Casino کا بچگانہ حصہ علیحدہ موجود ہے۔ اگر آپ وہاں چند ڈالرز کے عوض بچوں کے ساتھ موجود ہوں اور قسمت یاوری کرے تو انعام جیتنے کا موقع ہے۔ یہ انعام گڈے، بندر وغیرہ قسم کے کھلونے ہی ہیں۔ اب باری تھی Casino کے مرکزی حصے کی۔ اگر آپ ایک مرتبہ وہاں پہنچ جائیں تو پھر یا تو تمام دلدر دور ہو جائیں گے یا پھر کنگال ھذا مسکین کی تفسیر۔ ویسے آپ کا خیال رکھنے والے کافی لوگ ہوں گے۔ جواری اور شوقین مخصوص لباس یا بونکھائی کے ساتھ اور کچھ ویسے ہی Casuals میں نظر آئیں گے۔

میں وہاں پہنچا تو کئی نظریں مجھے اپنا تعاقب کرتی نظر آئیں جیسے میری جیب کا تعین ہو رہا ہو۔ میں نے پہلے تو سارے Casino کا جائزہ لیا۔ مختلف خواتین اور حضرات وہاں انفرادی اور اکٹھے ہو کر بھی مصروف کار دکھائی دیئے۔ کام ذرا تکنیکی سا نظر آ رہا تھا۔ مگر ذرا سی دلچسپی سے آپ کام چلا سکتے ہیں۔ میں اس کی تکنیک سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جو جلد ہی سمجھ آ گئی۔

پہلے تو Casino میں آنے والوں کی دلچسپی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ شروع شروع میں تو آپ کو لگتا ہے کہ آپ جیت رہے ہیں اور اس سے اس امر کی تحریک ہوتی ہے کہ ذرا اور ذرا اور پھر کیا چل سو چل۔ آپ سو دو سو کیا ہزار ڈالرز تک جیت سکتے ہیں۔ ساتھ ہی پانسہ پلٹے گا اور جیت ہار میں تبدیل ہونا شروع ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے نہ ہو، ہو سکتا ہے معاملہ برابر رہے مگر کچھ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔

Gaming کی نوعیت ہی ایسی ہے یہ کام دیکھنا اور اس میں عملی شراکت نہ کرنا شاید ہمارا ہی خاصہ تھا۔ دامن آلودہ کئے بغیر ہی دل بھر گیا۔ دل نادان کو سمجھانے کے لئے تھوڑی سی عقل آڑے آئی۔

میں اب واپس آ گیا۔ رات جوان تھی۔ موسیقی، بے فکری، معاشی آسودگی لوگوں کے چہروں پر سے ٹپک رہی تھی۔ یہ سب Reno میں آ کر Casinos سے لطف اٹھا رہے تھے۔ یہاں آنے کے لئے سفر کی صعوبت برداشت کر کے آئے تھے، پھر کس لئے کس سے پیچھے رہتے۔

اب شاید رات زیادہ گزر چکی تھی، ریستوران اور میکڈونلڈز بند ہو رہے تھے۔ بھوک تھی کہ چٹکیاں لے رہی تھی، ایسے میں Pizza کا مل جانا بھی غنیمت تھا۔ اگرچہ رات کافی گزر چکی تھی مگر نیند تھی کہ کوسوں دور تھی اور میں جناب مرزا کے اسلوب کی داد دے رہا تھا۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آئی

سرکس سرکس رینو کا اہم Casino تھا یہ Mandalay Resort Group کی ملکیت تھا۔ میں اوپر سے دیکھ رہا تھا Grand Regency Casino and Hotel نیچے نظر آ رہا تھا اس کے ساتھ Sundowner Casino and Hotel تھا۔ اس کے نام پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے علاوہ دوسری طرف اور ہوٹل اور موٹل بھی تھے۔ سیاحوں کی حیثیت اور استطاعت کے مطابق آخر شب بھر ہی کو تو رہنا ہوتا ہے ایک طرف Gate Keepr Inn تھی سورج کے غروب کے بعد ہی کاروبار حیات شروع ہوتا ہے رینو کو Mini Las vegas بھی کہا جاتا ہے۔ رات کے دامن میں کیا کچھ ہے۔ جب رات جوان ہوتی ہے تو Casinos میں کاروبار عروج پر ہوتا ہے اور رات گئے شائقین مصروف نشاط کار نظر آتے ہیں۔ ہوس کا معلوم نہیں امکان موجود رہتا ہو گا۔

Nevada City کا ڈاؤن ٹاؤن ڈسٹرکٹ تاریخی ورثہ ہے یہاں شاپنگ کے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ گیس لائٹ میں خریداری کا اپنا مزہ ہے اس کے ریستوران اور معیاری

پکوان اسے دیگر شہروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ جیب میں زر ہو۔ فراغت ہو غم روزگار اور غم جہاں نہ ہو تو غم جاناں کے لئے یا اسے غلط کرنے کے لئے اور کیا جگہ ہو گی۔

Reno اور Lake Tahoe لازم و ملزوم ہیں یہ دنیا کی سب سے بڑی Alpine Lake ہے اور قومی خزانے کا درجہ رکھتی ہے Mark Twain نے جہاں اور بہت کچھ لکھا وہاں اس کے بارے میں یہ بھی کہا کہ " The Fairest picture the whole earth affords" گہرائی میں دنیا بھر میں اس کا درجہ آٹھواں ہے جبکہ امریکہ میں گہرائی میں یہ دوسرے نمبر پر ہے۔ اس کی اوسط گہرائی 980 فٹ ہے اور سب سے گہرا حصہ 1,645 فٹ ہے۔ اس کی وسعت میں 10 Trillion گیلن کے قریب پانی کی گنجائش ہے اور یہ پانی خدانخواستہ پوری کیلیفورنیا کو 14.5 فٹ پانی میں ڈبونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

کہتے ہیں Hammer Head Rock گوادر کے قریب سمندر 900 فٹ کے قریب گہرا ہے۔ اب میں نے فیتے سے تو نہیں ماپا مگر سنا ضرور ہے Lake Tahoe کے جنوبی کنارے پر Casino ہیں۔ یہاں ہی Ponderosa Ranch میں Incline Village ہے جہاں T.V. کا ایک شو Bonanza ہوا کرتا تھا۔ یہ show مابدولت نے اپنے ایام صغرسنی میں اپنے ہاں ٹی وی پر دیکھا ہے۔ Late Summer میں یہاں Shakes pease festival بھی ہوتا ہے۔ سردیوں میں یہاں Skiring گاف ہوتی ہے اور پانی کے کھیل گرمیوں میں ہوتے ہیں۔ موصوفہ ہماری سیف الملوک' ہنزا' اوڑک منچھر اور راول جھیل کی طرح بالکل بھی آلودہ اور گندی نہیں۔ کہتے ہیں یہاں کی راتیں بڑی دلفریب ہوتی ہیں شاید پریاں آسمان سے نہ اترتی ہوں جیسے سیف الملوک میں ہوتا ہے مگر امریکی پریاں تو پھر آپ جانتے ہی ہیں ناں۔

Mark Twain Museum of Memories عین اسی عمارت میں واقع ہے جہاں موصوف نے بطور رپورٹر عملی زندگی کا آغاز کیا۔ یہ Territorial Enterprise Building ہے وہاں Mark Twain کا desk جود ہے۔ نہ جانے کیوں Samuel Clemens نے اپنا اچھا بھلا چھوڑ کر Mark Twain بننا

پسند کیا۔ Nevada کی اولین آباد کاری 1851 میں شروع ہوئی تھی اس کے آثار Dayton میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔

Lake Tahoe کا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔ مگر وہاں پہنچنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ فروری میں برف باری اور برف سے راستے ڈھک چکے تھے۔ 4 Wheel Drive کا ہونا ہی کافی نہیں ٹائروں پر Chain لگانا لازمی ہے۔ ایڈونچر اپنی جگہ مگر جان کی حفاظت ہر شے پر مقدم ہے۔ ماہ دسمبر میں ایک سال سست اور خنجراب کے عین درمیان ایسی ہی صورتحال میں ہمیں ایڈونچر ادھورا چھوڑ کر واپس مڑنا پڑا تھا۔ Skiring کے شوقین حضرات اور خواتین کے لئے یہ انتہائی مرغوب ہے۔ Sugar bowl کے نام سے مت سمجھئے گا کہ یہ کھانے پینے کا کام ہے یہ بھی ایک Resort ہے جہاں 1939ء میں کیلیفورنیا کی پہلی Skiresort قائم ہوئی تھی۔ والٹ ڈزنی صاحب بھی اس کار خیر میں شریک تھے اور ایک چوٹی Mount Disney سے بھی منسوب ہے۔ Donner Pass اور Judah Mountain بھی ہیں۔ نئے پرانے ریستوران بھی موجود ہیں۔ Silverbelt Ski Resort مشہور جگہ ہے۔ Gorey Cooper and Jean Harlow فلمی ستارے یہاں گھومتے پھرتے تھے۔

Snow sporting کے لئے اس سے بہتر کیا جگہ ہوگی۔ Cable Car دل کے دہلانے کے لئے موجود ہے۔ Truckee بھی Reno کا "اٹوٹ انگ "ہے۔ Reno سے آدھے گھنٹے کی مسافت پر Trunckee جود ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے ٹرک یاد آنے لگے۔ یہ خوبصورت قصبہ اپنے اندر آرٹ گیلری' میوزیم سب کچھ لئے ہوئے ہے۔ شام گزارنے کے لئے Pub بھی موجود ہیں۔ فلمی میلہ' آرکسٹرا سب سیاحوں کا دل بہلانے کو موجود ہوگا۔ یہاں Wine and Music Festival بھی ہوتا ہے۔

'The New Nevada Museum of Art 1931 میں بنا تھا یہ ریاست کا قومی میوزیم ہے اور اسے National Award for Museum Service مل چکا ہے۔ یہاں رکھے گئے نوادرات مقامی ثقافت اور کلچر کا حسین سرمایہ ہیں۔

ویسٹ کی روایات کے امین ہیں۔ وقت ہے کہ تھمتا نہیں۔

Reno میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں لگا اور ہم دھندلی صبح کو اسباب سمیٹ کر واپسی کے لئے تیار تھے۔ رات بھر کے تھکے مسافر خواب خرگوش سے محوالتفات تھے مگر ہم تھے کہ مسافر شب کو اٹھتے ہیں جو جانا دور ہوتا ہے۔

کھڑکی سے پردہ ہٹایا' دور پہاڑوں پر برف کی تہہ نظر آ رہی تھی' Reno ایک دھند میں ڈھکا تھا۔ رات ختم ہونے کی حالت میں تھی۔ مجھے یہاں گزارے ہوئے لمحات کے قلیل ہونے کا قلق بھی تھا۔ وقت ہے کہ انتظار نہیں کرتا۔ اے ظالم وقت اگر تھم جاتے تو کیا تھا۔ ہم بھی دو گھڑی اور یہاں گزار لیتے۔ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔

گاڑی اب واپس رواں تھی۔ میں دائیں بائیں محو نظارہ تھا کہ کیا دیکھوں اور کیا چھوڑ دوں۔ سڑک پر خاموشی تھی گاڑیوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہماری منزل Truckee تھی۔ تھوڑی دیر میں ہم Truckee Donner Lake کے Park Recreation Area میں تھے۔ Take away کے بجائے ہم نے گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔ برف تھی کہ با افراط ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی۔ ہم احتیاط سے اتر کر ریستوران میں داخل ہو گئے۔ کھانے کو محفوظ ترین Bruitto ہی نکلا۔ سفید لوبیا دال نما ایک چپاتی نما بریڈ میں ملفوف۔ اس وقت یہ غنیمت تھا میں نکل کر سامنے سٹور پر جا گھسا۔ پیلی رنگت والی واحد خاتون مالک اور سیلز گرل سب کے کام سنبھالے ہوئی تھیں۔ میں نے جوس اور کافی خریدی اور چسکیاں لیتا باہر نکل آیا۔ لمبے درخت پہاڑ اور چوٹیاں سب برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ریستوران کے عقب میں جنگل برف سے ڈھکا ہوا تھا۔

میں ایک طرف سے نکلا اور ان نظاروں کو دیکھ کر داد دینے لگا' Vendi Sodasprings Norden 'Kingsvale 'Coscogrove 'Farard' 'Sugar bowl' Floriston ' Hirschdale' Vista Point سب ہمارے راستے میں آئے اور گزرتے رہے۔ دھوپ چمک رہی تھی اس کی روشنی برف سے ٹکرا کر عجیب تلخی کا باعث بن رہی تھی۔ دریا سڑک اور پہاڑ کے ساتھ نشیب میں بہہ رہا تھا۔ اصول

فطرت کے عین مطابق۔نظارے بہت خوب تھے۔جھیل کو دیکھے بغیر بات نہیں بنتی تھی۔ہم سڑک پر سے اتر کر بغلی سڑک کی طرف چل پڑے۔خوبصورت گھر برف سے ڈھکے ہوئے، ہم جھیل کے کنارے موجود تھے۔عین وسط میں لکڑی کا پلیٹ فارم جھیل کے اندر جا رہا تھا۔یہ کشتی جھیل میں اتارنے کے لئے تھا۔پانی کو چھوا تو یخ نکلا۔اس طرح کے فلمی نظارے خوب ہوتے ہیں مگر یہ حقیقت تھا۔بانی سے دوستی نظارے کی حد تک ہی خوب ہوتی ہے میں سوچ کر پیچھے ہٹنے لگا۔کوئی ذی روح ان گھروں میں نظر نہیں آ رہا تھا لگتا تھا سب ویک اینڈز پر ہی ادھر آتے ہوں گے۔

ایک کار برف میں دفن ہو چکی تھی۔مالک بھی شاید غافل تھے اب تو یہ کار موسم بہار میں ہی اس برفانی تدفین سے فراغت پائے گی میں سوچنے لگا۔جوں جوں ہم سان فرانسسکو کی طرف لوٹنے لگے برف پیچھے رہتی گئی اب ہم کیلیفورنیا میں تھے۔ایک Rest Area میں اتر کر ستانے لگے۔سامنے ایک پک اپ کھڑی تھی اس میں ایک زمیندار بڑا سا برگر ایک نشست میں ختم کرنے کے چکر میں تھا۔میں گھومتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔

I like your truck

یہ سن کر موصوف ہنسنے لگے۔کیا یہ آٹو میٹک ہے میں نے پوچھا جی ہاں جواب ملا۔بہت خوب اب ہم دن دیہاڑے خوبصورت پہاڑی سلسلے سے گزر رہے تھے۔

شام کو کھانے کیلئے جانا تھا مگر شاپنگ ضروری تھی۔رات کو زبیر صاحب سے ملنے Saint Mateo جانا تھا وقت کی تنگی کا احساس ہونے لگا۔

سان فرانسسکو کی شاپنگ اپنی نوعیت میں خوب ہے۔آپ کہاں سے ہیں سٹور میں ایک صاحب پوچھنے لگے میں نے بتایا تو فوراً ملکہء ترنم کا ذکر کرنے لگے یہ سفید فام امریکی تھے۔جی ہاں ملکہ ترنم تو لاہور کی جان تھیں۔کھانے پر زیادہ وقت بیٹھنا ممکن نہ تھا ملک صاحب برکلے میں رہتے ہیں۔ابھی یہاں سے آگے جانا تھا۔ Saint Mateo کافی فاصلے پر ہے۔کچھ وقت لگے گا۔شام کا یہ منظر بھلا تھا۔خوبصورت منظر پانی میں روشنی پل چمکتے ہوئے گاڑیوں کی روشنی میں بھلے لگ رہے تھے۔

ہم ائیر پورٹ کے قریب سے گزر کر ایک اور ہی علاقے میں داخل ہو رہے تھے۔

ہمارے میزبان زبیر صاحب Texas کے رہائشی ہیں اور آجکل سان فرانسسکو میں بسلسلہ ملازمت موجود تھے۔ نئے اور قیمتی Villas لوگوں کی امارت کی برملا چغلی کھا رہے تھے۔ گھروں میں داخلہ ممکن نہیں۔ موبائل فون پر رابطہ کیا تو بتایا کہ ہم تو آں جناب کے عشرت کدہ کے پچھواڑے میں کھڑے امریکی ہوا کی اٹھکیلیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور احترام میں شکوہ بھی نہیں کرتے کہ خوئے دوست شیشے سے نازک ہے۔ میزبان مسکراتے ہوا برآمد ہوئے اور اجلے سے گھر میں لے گئے۔ زبیر میاں خطہ مردم خیز لاہور سے ہیں۔ اب لاہور کا تذکرہ چھڑا تو وقت گزرنے کا پتہ مطلق نہ چلا۔

ایسی مزیدار چائے امریکہ بھر میں نہ پی تھی۔ بہت لطف آیا باتوں کا جو سلسلہ چل نکلا تو پھر رکنے کو ہی نہ آیا۔ زبیر میاں بہت اچھے انسان نکلے۔ مصر تھے کہ آپ کو فلاں ریستوران کا کھانا کھلانا ہے وگرنہ آپ کی یاترا ادھوری رہے گی۔ رات گئے ہم واپسی کے لئے روانہ تھے۔ رونق تھی کہ سڑکوں پر برقرار تھی۔

دن بھر کی مصروفیت کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آزمودہ نسخے کے طور پر ٹی وی کا سہارا لیا۔ ٹی وی پر پروفیسر وارڈ چرچل کا خطاب جاری تھا موصوف Colorado University of Boulder میں پڑھاتے ہیں اور افریقن امریکن موومنٹ سے متعلقہ ہیں۔ پروفیسر وارڈ چرچل امریکہ کی مڈل ایسٹ پالیسی اور دہشتگردی کے انسداد کی جنگ کے ناقد کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

موصوف بڑے زوردار طریقے سے دلائل دے رہے تھے۔ ان کے خدوخال ان کے ماضی کے روابط کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے اچانک واپسی کے ٹکٹ کا خیال آیا۔ پھر کیا تھا کسی بھی ناخوشگوار واقعے کی پیش بندی کے لئے واپسی کے ٹکٹ کی کنفرمیشن دوبارہ کروانا ضروری تھا۔ قومی فضائی کمپنی کا ایک نمبر زبان زدعام تھا۔ فوراً اس سے استفادہ کرنے کی سوجھی۔ کراچی سے بھائی میاں ہم سے مخاطب تھے۔ اتنی رات گئے فون کرنا بذات خود اس فکر اور پریشانی کی دلیل تھی جسکا ادراک کرنا بڑا ضروری تھا۔ کوائف بتانے کے بعد موصوف نے ارشاد فرمایا کہ میری نشست تو منسوخ ہو چکی ہے۔ یہ سنتے ہی میرے تو اوسان خطا ہو گئے۔ فوراً

میں نے ان سے دوبارہ کہا۔ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تو لاہور سے نشست محفوظ کروا کر آیا تھا۔ پھر مکرر نیویارک اور بوسٹن سے کروائی۔ یہ انہونی کیسے ممکن ہے۔ حضرت نے پھر پڑتال کی اور اپنے پہلے فیصلے کی تصدیق کر دی۔ میری تو نیند اڑ گئی اور عجیب پریشانی لاحق ہو گئی۔

میں نے ان سے اب پوچھا کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے۔ کچھ غور و فکر کے بعد موصوف نے مشورہ دیا کہ میں سان فرانسسکو میں پی آئی اے کے علاقائی دفتر واقع Geary Street 123 سے رابطہ کروں۔ انہوں نے مزید رائے سے احتراز کیا۔ چلو جی اپنی تو چھٹی ہوئی۔ سخت غصہ آنے لگا۔ مگر فوری طور پر کچھ بھی ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ چلو جی صبح دیکھیں گے جو ہو گا سو دیکھا جائے گا ہمیں ہماری مرضی کے بغیر تو کوئی زبردستی روکنے سے رہا۔ شب بھر یہی ہوتا رہا۔ ادھر آنکھ لگتی ادھر پریشانی آ گھیرتی پھر آنکھ کھل جاتی۔

ناشتے کی میز پر پھر یہ مسلہ سرفہرست رہا۔ اب دیگر پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ہم Geary Street کی طرف رواں دواں تھے۔ مختلف سڑکوں اور چوراہوں سے ہوتے ہوئے متذکرہ عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ بڑے وثوق سے داخل ہوئے تو استقبالیہ پر ایک صاحب دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہیٹ سر پر جمائے اور آنکھیں اسکے نیچے سمائے حالت استغراق میں نظر آئے۔ شاید آرام فرما رہے تھے۔ ہمارے ذرا سے کھانسنے پر بیدار ہو گئے اور خاصی بے نیازی سے ہماری طرف دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں۔ ہمیں کس نے پکارا۔ میں نے پی آئی اے کے دفتر کا پوچھا تو مسکرانے لگے جیسے میں نے کوئی لطافت کی بات کی ہو پھر مکرر مسکرانے لگے اور بولے وہ تو یہاں پر نہیں۔ ہاں یاد آیا قریب سات برس پہلے وہ یہاں سے ترک سکونت کر گئے۔ باقی غیب کا علم تو ہم نہیں جانتے۔ ہت تیرے کی میں نے جوش اور غضب سے مکہ اپنی ہتھیلی پر مارا۔ واپس نکلے تو موبائل فون سے دوبارہ فضائی کمپنی کا دفتر کراچی ملایا۔ اب ایک اور صاحب وہاں سے ظرافت فرما رہے تھے۔ میں نے مختصر طور پر احوال واقعی گوش گزار کئے تو کچھ توقف کے بعد ارشاد فرمانے لگے۔ صاحب آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ سان فرانسسکو میں ہمارا دفتر جو ہے اور پھر وہی پتہ دہرایا۔

یہ ناقابل برداشت تھا۔ میں نے صورتحال واضح کی اور بتایا کہ فی الوقت میں اسی

عمارت کے سامنے کھڑا ہوں اور دو معتبر گواہ بھی پیش کر سکتا ہوں مگر وہ بے چارہ کیا کرتا یہ اس کے لئے بھی خبر تھی۔

چلئے چھوڑیئے اب تو ویسے بھی نیو یارک جا رہے ہیں وہاں سے پی آئی اے کے دفتر سے اسے کنفرم کروالیں گے۔ اب رخ گولڈن گیٹ برج کا تھا۔ سارا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔ اب سمجھ آئی کہ Crude sense of humour کسے کہتے ہیں۔ یہ پل درست طور پر عجوبہ ہے۔ پل عبور کرتے ہی اطراف میں پارکنگ میں جا گاڑی کھڑی کی پانی کا نظارہ خوب تھا۔ ایک طرف عمارت تھی۔ ایک نازک اندام پولیس افسر جو وردی میں بری طرح گھسا ہوا تھا۔ اپنی بڑی سی موٹر سائیکل پر ایسے چمٹا بیٹھا تھا جیسے سردی کے موسم میں دھوپ میں مینڈک پتھر پر دھوپ سینکتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہم وہاں سے چل پڑے۔ ابھی ہمیں گھر جا کر سامان لینا تھا اور پھر ہوائی اڈے کا رخ کرنا تھا ورنہ جہاز اڑنے کا ڈر تھا۔ راستے میں مومن صاحب کا ذکر چل نکلا۔ مومن صاحب بلبل بلوچستان ہیں اور مکران کی تو جان ہیں اور اس طرح کے کام تو انکی ابرو کے اشارے پر ہی ہو جاتے ہیں ان کی مستعدی' زبان دانی اور دیگر خواص سے ساجد صاحب اور ملک طارق دونوں خوب محفوظ ہوئے۔ کہیں دیر نہ ہو جائے میں نے کہا۔ ساجد صاحب بولے گھر ہی کا قصد ہے فکر نہ کریں ویسے بھی منشائے عالی افضل تر ہے۔ ہم سب ہنسنے لگے۔

ایک اہلکار کی درخواست رخصت پر مومن صاحب کی حاشیہ آرائی مجھے آج بھی یاد ہے۔ "سائل نے درخواست برائے حصول رخصت اتفاقیہ گزاری ہے اور مقصد روانگی بمقام کولواہ اور عزیز و اقربا کی دیدار بوسی ہے۔ بروئے ریکارڈ رخصت بقایا ہے "۔ آخر میں تحریر تھا منشائے عالی افضل تر ہے مسکراہٹ خود ہی ہونٹوں پر پھسلنے لگی۔

وقت نازک تھا سامان اٹھایا اور ائیر پورٹ کا رخ کیا۔ راستے میں گاڑیوں کی ناروا سست قطار بہت بری لگ رہی تھی۔ آخر ہم ہوائی اڈے کی حدود میں داخل ہوئے عجلت میں سب کو خدا حافظ کہا۔ سامان اٹھایا اور مطلوبہ کاؤنٹر تلاش کرنے لگے۔ ڈیلٹا ائیر لائن کی یہ پرواز اٹلانٹا تک تھی جو ریاست Georgia میں ہے۔ وہاں سے اگلی پرواز نیو یارک کے لئے پکڑنی تھی۔

کاؤنٹر پر بھی لمبی قطار تھی۔ کیا آپ بھی اٹلانٹا جارہی ہیں میں نے اپنے آگے کھڑی خاتون سے پوچھا جی نہیں مگر اٹلانٹا کی پرواز تو بند ہونے کے قریب ہے تھوڑی دیر قبل اعلان بھی ہوا تھا۔ "Jump over the que before you miss the flight" خاتون کا مشورہ بروقت اور صائب تھا میں نے بلاتاخیر کاؤنٹر کا رخ کیا معاف کیجئے میں نے جہاز پکڑنا ہے۔ Just on time دوسری جانب کھڑا شخص بولا۔ میں نے بورڈنگ پاس تھاما اور اسی عجلت میں مطلوبہ گیٹ کی طرف بڑھا مگر ابھی سکیورٹی کلیئرنس بقایا تھی ایک مزید قطار روبرو تھی۔ ساتھ ایک اور مشین بھی تھی مگر نہ معلوم وجوہات کی بناء پر اسکا استعمال فی الوقت نہیں ہو رہا تھا۔ سکیورٹی کی ڈرل پر سختی سے عمل ہو رہا تھا۔ ہم اب اس کے خوگر ہو چکے تھے۔

ہم ہی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

سارا کام وہی ناخوشگوار اور مسافر کش عملہ بھلا کوئی بات ہے۔ یہ مرحلہ سرانجام پایا تو جہاز کی طرف لپکے' مسافر جہاز میں تیار بیٹھے تھے۔ سامان کو ٹھکانے لگانا ابھی بقایا تھا۔ فضائی میزبان آڑے آئی۔ میری سیٹ درمیان میں نہیں تھی۔ کافی صحت مند مسافر تھے۔ ایک ادھیڑ عمر فضائی میزبان فربہ حالت میں جہاز میں نشستوں کے درمیان خالی جگہ پر بمشکل مٹکتے ہوئے چل پھر رہی تھیں۔ شتری قدرے دلکی چال۔

چند لمحوں میں جہاز پرواز کے لئے پر تولنے لگا۔ میرے سامنے ایک بوڑھے صاحب انتہائی گلابی سرخ رنگت میں ریشمی بشرٹ جس پر شوخ رنگوں کے سرخ' پیلے اور کالے گلاب تھے۔ زیب تن کئے بیقرار بیٹھے تھے۔ ان کے درمیان سیٹ خالی تھی اور کھڑکی کے ساتھ ایک قتالہ۔ صاحب بہانے بہانے سے بات کرتے تھے۔ مگر معاملہ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار والا تھا۔ ادھر بھی ایک خوش پوش جوڑا بیٹھا تھا۔ میری سیٹ پر بھی کھڑکی کے ساتھ ایک حسینہ ہاتھ میں موٹا سا ناول تھامے بیٹھی تھی۔ لگتا تھا سارا ناول جہاز میں دوران پرواز ختم کرنے کے ارادے سے جہاز میں سوار ہوئی تھیں یہ چار ساڑھے چار گھنٹے کی فلائٹ تھی۔ جہاز نے Colorado اور Texas وغیرہ سے پرواز کر کے جانا تھا۔

جہاز میں موسیقی سننے پر روح آمادہ ہوتو ہینڈ سیٹ ایئر فون آپ کو 5 ڈالر دے کر خریدنا پڑے گا وگرنہ جسم کی طرح روح کے بھی بھوکے رہنے کا احتمال ہے۔ جہاز پانیوں پر سے پرواز کر رہا تھا۔ نہ معلوم کونسے جزائیر تھے۔ کون سے مقام تھے۔ مگر سفر تھا کہ دھیرے دھیرے کٹ رہا تھا میں نے جوس پر ہی اکتفا کیا۔ سینڈوچ لحم خزیر لئے ہوئے تھا۔ میرے ساتھ بیٹھی خاتون نے آخر تنگ آ کر ناول پڑھنا بند کر دیا۔ کافی ہوگئی تھی پھر ادھر ادھر جھانکنے لگیں۔ میں نے از روئے احتیاط کھڑکی سے جھانکنے کی جرأت کی تو مسکرانے لگیں۔ ابھی Grand Canyon آنے والی ہے ہم Colorado پر سے گزر رہے ہیں وہ بولیں۔ میرا نام ڈی ڈی (Dee Dee Stoddard) ہے۔ ڈم ڈم ڈی ڈی میں نے نہ جانے کیوں کہہ دیا' وہ مسکرانے لگیں۔

Kind of Drum Thumping

جی نہیں یہ تو گانے کے بول ہیں' مجھے نازیہ حسن یاد آنے لگیں۔ ان کی بے وقت موت نے سب کو اداس کر دیا ہے۔ میں نے ڈی ڈی کو بتایا۔ آپ تو اکثر سان فرانسسکو آتے رہتے ہوں گے میرے سے پوچھنے لگیں۔ جی نہیں ایسی بھی بات نہیں۔ میں نے تو اس بار Recess کے لئے سان فرانسسکو کا انتخاب کیا تھا۔ گاڑی کرائے پر لے کر گھومتی پھرتی۔ موصوفہ بتانے لگیں۔ وہ ساؤتھ کیرولینا کی ہیں اور وہیں واپس جا رہی تھیں۔ میرا تعارف ہوا تو میرا اہل الخروج نام بھی ان کو نہ لینا آیا کئی بار دہرانے پر مجھے "آشان" بنا دیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اب معنی دریافت کرنے لگیں تو میں نے کہا خاتون آپ مجھے بہتر ہوگا کہ ابن آدم کہہ کر پکار لیں یا میرے لئے کوئی اور سزا تجویز کریں۔ ابن آدم پر ان کا ماتھا ٹھنکا اور کہنے لگیں اب میں سمجھی You are Mr. Adamson میں ششدر رہ گیا بات کا بتنگڑ بنانا اس کو کہتے ہیں مجھے اس نام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب گفتگو کا رخ بدل گیا' وہ اچھی خاتون نکلیں ایک کامیاب آرکیٹکٹ مجھے مشورہ دینے لگیں کہ واپسی چھوڑو اور یہیں کے ہو جاؤ اور ایسے میں شہریت بھی مل جائے گی۔

شاہیں بچوں کو سبق دیتے ہیں خاکبازی کا

پھر بات پاکستان کی چل نکلی میں نے تفصیلی تعارف کرادیا۔ کھڑکی سے Grand Canyon کی بالائی پہاڑی چٹانیں اور برف اونچائی سے نظر آ رہی تھی۔

اب میں اٹھ کر جہاز کے عقب میں جا کھڑا ہوا۔ فضائی میزبان اتہ پتہ پوچھنے لگی' ایک دفعہ تائیوان جاتے ہوئے مختصر قیام کراچی میں کر چکی تھیں۔ گانا گاتے ہو مجھے پوچھنے لگیں۔ جی نہیں ابھی حالات ایسے بھی خراب نہیں ہیں ویسے اگر گانا پڑ جائے تو طربیہ نغمہ ہی گاؤں گا۔

میں واپس آ کر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ موٹا بوڑھا اپنی ساتھی مسافر سے پوچھ رہا تھا کھانا کیوں نہیں کھایا۔ چھوڑ کیوں دیا ہے۔ خاتون کی جان چھوٹی تو وہ سامنے سے آتی ہوئی خاتون کو روک کر پوچھنے لگے ہم کتنی دیر سے پرواز کر رہے ہیں۔

Well a day and a half

نوجوان حسینہ کے اس جواب پر صاحب موصوف نے چپ سادھ لی جو ہمارے حق میں بڑی مفید ثابت ہوئی۔

دور سے زمین سے نظر آنے والی روشنی اٹلانٹا ائیر پورٹ کی تھی۔ قریب ایک گھنٹے بعد دوبارہ دوسرے جہاز میں منتقلی تھی اب عشق کے امتحان اور بھی تھے جہاز رکتے ہی مسافر پھدکنے لگے' چند ایک تو باقاعدہ چہکنے لگے' خاموشی کو زبان مل گئی تھی۔ کچھ ہماری طرح مزید حالت سفر میں تھے۔

ہم لوگ اتر کر ایک اور ہال میں آ گئے۔ ڈی ڈی تیز تیز چلتی ہوئی آئی۔ Parting of ways میں نے کہا وہ صرف مسکرائی۔

جہاں رہو خوش رہو میں نے کہا۔ یہ دنیا مختصر سی ہے اس کے معمولات عجیب ہیں' تم جیسے اچھے لوگ ابھی دنیا میں موجود ہیں تم سے مل کر اچھا لگا' اپنا خیال رکھنا۔ ای میل پر کل ہی تم کو پیغام پہنچے گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی راہ لی۔

ہم مختلف سمتوں کے مسافر تھے اپنی اپنی راہ پر ہو لئے۔ یہ ہوائی اڈہ نرالا تھا۔ یہاں مختلف levels تھے اور مجھے مخصوص level تک پہنچنے کے لئے باقاعدہ ذہنی مشق کرنی پڑی ایک برقی زینہ مجھے مطلوبہ level تک لے گیا۔ خاموش سی فضا میں ارتعاش ہوا۔ ایک برقی

ٹرین آئی اسکے دروازے کھلے اور ہم لپک کر اس میں سوار ہو گئے۔ تین مختلف جگہوں پر رکنے کے بعد ہماری منزل سامنے تھی۔ رکنے کا وقفہ چند سیکنڈ ہی تھا۔ ہم نے پھرتی سے رسم انخلاء نبھائی۔

برقی زینہ مسلسل بلند ہو رہا تھا یہاں تک کہ ہم زمین کی بالائی سطح پر آ پہنچے۔ یہ اٹلانٹا تھا۔ یہاں کی اپنی حیثیت ہے۔ CNN کے سارے روشن چراغ یہاں سے روشنی اور ابہام پھیلاتے ہیں۔

مستند ہے آپ کا فرمایا ہوا

اس جگہ کا عمومی مزاج نہ جانے کیوں عجیب سا لگا۔ اپنے مطلوبہ گیٹ تک پہنچنے کیلئے تیزی سے چلنا ضروری تھا۔ جیسے ہی وہاں پہنچے لوگ بورڈنگ کے لئے اندر جا رہے تھے۔ ڈیوٹی پر موجود خاتون نے ہمیں بھی اذن روانگی دے دیا۔ جہاز بس سے مشابہت رکھتا تھا۔ بے ہنگم ٹریفک اور بے پرواہ مسافروں کے انداز ہر کوئی اپنے حال میں گم۔ آخر میں بھی اپنی نشست تک پہنچ گیا۔ بیگ اٹھا اٹھا کر بازو دکھنے لگا۔

باہر بارش ہو رہی تھی۔ یہ کیا جہاز میں بہت رش تھا یہ سب نیویارک جانے پر کمربستہ تھے۔ میرے ساتھ ایک صاحب بیٹھے تھے دوران گفتگو پتہ چلا کہ وہ انڈونیشیا سے یہاں ترک سکونت کر کے آئے ہیں۔ پیشہ تو مزدوری لگتا تھا انکے دیگر احوال واقعی سے اس خاکسار کو قطعی طور پر دلچسپی نہ تھی۔ موصوف تھوڑی تھوڑی دیر بعد منرل واٹر کے گھونٹ بھرتے تھے۔ باہر بارش ہو رہی تھی پانی کے قطرے جہاز کی کھڑکی پر گرتے نظر آ رہے تھے۔

جہاز چند لمحوں بعد چل پڑا۔ کپتان کے اعلان کے مطابق ہم دو گھنٹے بعد نیویارک پہنچنے والے تھے ہم نارتھ کیرولینا کے اوپر سے اڑ کر جا رہے تھے ہمارے ہمراہی مسلسل گھونٹ بھر رہے تھے۔ چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی میں نے حق ہمسائیگی نبھاتے ہوئے پوچھ ہی لیا کہ آں جناب کو کوئی طبی مسلہ تو درپیش نہیں ہے۔ جی نہیں میں خیریت سے ہوں۔ وہ کیا ہے کہ میری شہریت کا مسئلہ حل ہو گیا ہے اور کل مجھے شہریت مل جائے گی۔ میں امریکہ کا شہری بن جاؤں گا۔ میری سنی گئی۔ I have done it تو جناب آپ کو مبارک ہو۔ انہوں نے جیب سے ایک تحریر نکالی اور مجھے پڑھانے لگے۔

میں ان کہی کہانی اس کے چہرے سے پڑھ رہا تھا۔ اگر مجھے امریکی آئین پر حلف لینے کی تقریب میں شرکت نہ کرنا ہوتی تو میں شاید جہاز پر بھی نہ آتا۔ کتنے ہی ایسے نوجوان ہیں جو بہتر مستقبل کی تلاش میں دنیا میں کہاں کہاں نہیں بھٹکتے پھرتے۔ مگر پتھر کا اصل وزن تو اس کی زمین پر ہوتا ہے اور زمینی حقائق تلخ معاشی مشکلات اور ان کا ادراک تو صرف ان کو ہی ہو سکتا ہے جو ایسے حقائق کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کے ساتھ ہمدردی سی ہونے لگی۔ ہمارے درمیان انسانیت کا رشتہ تو تھا ہی' آخر ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہی تو ہے۔

اچانک پرواز ناہموار سی ہونے لگی۔ سامنے لگے سائن بورڈ پر سرخ روشنی جلنے لگی۔ کہ حفاظتی بند باندھ لیجئے۔ باہر تو بارش اور تند ہوا تھی ہی۔ دوران پرواز ایسی کیفیات تو معمول کا حصہ ہی ہوتی ہیں۔ کوئٹہ اور تربت کے درمیان ایک گھنٹہ چالیس منٹ کی فوکر کی پرواز کا تجربہ رکھنے والے تو نہ جانے کن کن کیفیات یا یوں کہیے کہ روحانی تجلیات کا نظارہ کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ سلوک کی منزل طے ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ گرمی میں ہوا گرم ہو کر اوپر اٹھتی ہے اور پہاڑوں سے ٹکرا کر جہاز کو ناہموار کرنے لگتی ہے۔ اسکی سائنسی اور تکنیکی توضیع سے تو میں واقف نہیں مگر اس ڈرا دینے والی کیفیت کا مشاہدہ بارہا میں بھی کر چکا ہوں مگر اٹلانٹا اور نیویارک کے درمیان والی یہ پرواز مسلسل ناہموار ہو رہی تھی۔ جہاز لمحہ بھر کو نیچے آتا کہ دل ڈوبنے لگتا۔ ہمارے عقب سے خواتین کی باقاعدہ چیخیں صورتحال کی سنگینی کا بیّن ثبوت تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی غیر مرئی کیفیت جہاز کو پکڑ کر جھنجوڑ رہی ہے۔

یہ کیفیت مسلسل جاری تھی۔ موسم تھا کہ ٹھیک ہی نہ ہو رہا تھا میں نے قرانی آیات کا ورد شروع کیا۔ اللہ پاک کی مدد کا طالب ہوا۔ دیگر مسافر تو باقاعدہ ہائے ہو میں مصروف تھے۔ طبیعت مضمحل ہونے لگی' دنیا کی بے ثباتی کا نظارہ ہو رہا تھا۔ اچانک بجلی کے کڑکنے کی آواز آئی اور یہ برق جہاز پر آ گری اللہ خیر میری زبان اپنے خالق کے حضور سلامتی کیلئے سپاس گزار تھی اس آواز کے ساتھ ہی اسکے neutralise نے کا تاثر ابھرا۔ پھر آہستہ آہستہ خواتین کی چیخیں کورس کی شکل میں بلند ہونے لگیں۔

یہ وقت گزر گیا۔ رب کریم اپنے گنہگاروں کی بھی دستگیری فرماتے ہیں۔ اس کا عملی

مشاہدہ مجھے ہو رہا تھا اب جہاز سنبھلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد صورتحال معمول پر آ گئی۔

مسافر خاموش تھے۔ کچھ دیر بعد نیویارک کی مانوس سی روشنیاں نظر آنے لگیں ہم تھوڑی دیر بعد نیویارک کے Lagadia ائیر پورٹ پر اتر چکے تھے۔ یہ ناقابل فراموش سفر تھا۔

We struck static lightening, but the plane was designed to handle it ائیر ہوسٹس نے میرے استفسار پر آہستہ سے مجھے بتایا۔ یہ ائیر پورٹ عجیب سا تھا۔ شب کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے یہ نیویارک کا مقامی وقت تھا ہم آہستہ آہستہ مسافروں کے جلو میں باہر نکل رہے تھے۔ حصول سامان کے قریب دیواروں پر عجیب عجیب سے قد آدم نوٹس لگے تھے۔ کچھ مانوس سے چہرے جو شکل سے ایشیائی لگتے تھے اور ٹیکسی ڈرائیور تھے۔ Don't Ride with them یہ غیر قانونی طور پر کام کرتے تھے یہ واضح نہ تھا کہ جرم کی نوعیت کیا تھی اور ہوائی اڈے پر کام کرنے والوں اور بست وکشاد کو ان سے کیا شکوہ تھا۔ مگر یہ جاننے میں دیر نہ لگی۔ ادھر ہم برآمدے میں پہنچے اور ادھر گروہ کے گروہ ہمارے گرد اکٹھے ہو گئے۔ گاڑی چاہیے بالکل ہمارے ہاں والا اسٹائل اردو پنجابی اور نہ جانے کیا کیا۔ ایک طرف قطار بنی تھی ایک آدمی چمکیلی جیکٹ میں مسافروں کو پیلی ٹیکسیوں میں بٹھا رہا تھا۔

ایک چترالی ٹوپی والا شخص مکروہ چہرہ لئے میرے پاس آیا۔ اس نے پتلی مونچھوں کو خوب رنگ رکھا تھا اور چہرے مہرے سے بدقماش لگ رہا تھا۔ کہاں جانا ہے۔ خود ہی اپنے فون سے کسی فرضی شخص شاہ جی سے بات کرنے لگا۔ فون کا ایک سرا مائیکروفون کے ساتھ کان میں لگا رکھا تھا۔ خود ہی بات کرتا اور پھر خود ہی جواب دیتا۔ باؤ جی میٹر سے ڈبل کرایہ لوں گا۔ مجھے اس شخص پر بڑا غصہ آیا مگر ضبط کرنا ضروری تھا۔

ایک اور بنیا ڈرائیور ایک کتاب دکھانے لگا جس پر کرایے درج تھے۔ ان مجرمان سے بچنا ذاتی حفاظت کے لئے ضروری تھا میں نے پنڈ چھڑایا اور فون کا سہارا لیا۔ درج شدہ نمبروں بشمول لیموزین سروس سب کے رابطے مفقود۔ رات بھیگ رہی تھی ہوائی اڈے کے ایک دیسی اہلکار نے اپنا نام اور عہدہ کوٹ کے کالر کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ مبادا کوئی مسافر مدد کا خواستگار ہو۔ ایک سیاہ فام آدمی مسلسل بڑبڑا رہا تھا اور ایک سیاہ فام اہلکار کے ساتھ مسلسل بلند آواز میں جھگڑ

رہا تھا You are carrying ship on your shoulder وجہ نزاع معلوم نہیں۔آوازیں بلند ہونے لگیں۔جھگڑا بڑھنے لگا۔میں پولیس بلاؤں گی خاتون نے دھمکی دی۔ اس پر وہ شخص اور بگڑنے لگا اور قریب تھا کہ فوجداری ہو جائے۔یہ سب کچھ نا قابل برداشت تھا۔میں عمارت سے باہر نکل آیا۔دور ایک پولیس کی گاڑی دکھائی دی۔میں نے اس کا رخ کیا۔ گاڑی میں ایک ٹنڈ منڈ سا کردار وردی میں ملبوس تھا۔میں نے انگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا وہ شخص متوجہ ہوا اور شیشہ نیچے کیا۔میں نے اپنا تعارف کرایا۔وہ فوراً متوجہ ہوا میں نے پریشانی کا ذکر کیا۔

وہ پورٹ اتھارٹی پولیس کا آفیسر میکانکسکی تھا۔بولا آپ عمارت کے اندر انتظار کریں میں گھوم کر چکر لگا کر آتا ہوں اگر کوئی لانگ آئی لینڈ جانے والی لیموزین ہوئی تو آپ کو واپسی پر لے جائے گی۔

تھوڑی دیر بعد میکانکسکی واقعی دو ٹیکسی ڈرائیوروں کو لے کر آموجود ہوا۔اس وقت کوئی گاڑی موجود نہیں یہ ڈرائیور قابل اعتبار ہیں اور ان کی Cabs رجسٹرڈ ہیں۔یہ آپ سے 45 ڈالر لیں گے اور Valley stream لے جائیں۔یقین مانیے یہ

"Deal of the century"

ہے میرا مشورہ تو یہ ہی ہے۔میں نے سامان لیا اور سامنے کھڑی پیلی ٹیکسی میں جا رکھا۔ ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کی اور عقبی شیشے سے مجھے گھورنے لگا۔رات کے قریب ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔سڑک ویران تھی معلوم نہیں کہ وہ رونق اور ٹریفک کدھر تھی جو آسمان سے ہمہ وقت ہوائی جہاز سے نظر آتی تھی۔

ہم انگریزی میں ایک دوسرے سے مخاطب تھے۔ڈرائیور بولا۔ہماری مجبوری یہ ہے کہ رات کو گھر لوٹتے ہوئے سواری نہ ملے تو خالی ہاتھ جانے میں نقصان ہے لہذا جو مل جائے غنیمت ہے۔

سارے ایشین ویسے خراب بھی نہیں ہوتے ان گوروں کو تو ہر کسی سے پرخاش رہتی ہے۔ٹیکی ڈرائیور مسلسل بول رہا تھا۔کہاں کے رہنے والے ہو میں نے پوچھا۔اپنے حلیے سے تو

پاکستانی یا ہندوستانی لگتا ہے میں سوچ رہا تھا۔ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ میں متوجہ ہوا کہ ذرا خبر لوں ان حضرت کی پنجاب کے کس ضلع کے ہو۔ پنجاب تو بہت بڑا ہے۔ میں جالندھر کا رہنے والا ہوں۔ بولا میرا نام رام کمار گوگنہ ہے۔ ہت تیرے کی۔ بڑا کلاکار ہے۔ اب میری باری تھی۔ میرا نام راجہ ہے اور میں پنجاب سرکار میں وکاس و بھاگ کا سکتر ہوں۔ یہ سن کر وہ فوراً مؤدب ہو گیا۔ جو آ گیا مہاراج۔

مہاراج میں جیوتی نگر جالندھر کا رہنے والا ہوں یہ تو جالندھر سے گڑھا جانے والی سڑک پر گوبند سنگھ سٹیڈیم کے قریب ہو گا میں نے کہا جی ہاں آپ نے درست جانا۔ گڑھا چرنجیت لعل کا گاؤں ہے جو گلزاری لعل ورما کے سپوت ہیں۔

میرا تو چندی گڑھ آنا جانا لگا رہتا ہے میرے سسرال چندی گڑھ میں رہتے ہیں۔ " میرے چاچے کا بیٹا "یونیورسٹی میں پڑھاتا ہے۔ بہت بڑھیا میں نے لقمہ دیا۔

چندی گڑھ آپ سے ملنے آؤں گا۔ شردھا کرو گوگنہ جی میں نے جواب دیا۔ شردھا کا پھل ضرور ملتا ہے شہری بھکھ سنگھ جی تو ایسے ہی کہتے ہیں اب گاڑی رک گئی ابھی آگے راستے کا تعین باقی تھا۔ گوگنہ نے کسی کو موبائل فون پر جگایا اور راستہ سمجھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

Key Foods کا بورڈ دیکھتے ہی تسلی ہوئی کہ پہنچ گئے۔ ارسلان صاحب کے گھر کے سامنے تین چار گاڑیاں کھڑی تھیں۔ گوگنہ نے سامان نکال کر باہر رکھا۔ مہاراج ان کے گھر تو اپنی گاڑیاں کھڑی ہیں آپ کو کشٹ ہوا۔ ان سے اتنا نہ ہوا کہ آپ کو لینے آ جاتے۔ آپ ذرا استفسار تو کریں گستاخ کہیں یہاں سے بھی نہ نقل مکانی کروا دے۔ میں نے سوچا۔

میں آپ سے کرایہ نہیں لوں گا۔ میں کوئی پاپی نہیں۔ نہیں بھائی یہ تو کاروبار ہے۔ میں نے پیسے پکڑا دیئے۔ آخری ڈالر لینے سے گوگنہ بالکل انکاری ہو گیا' ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ کوئی سیوا مہاراج وہ بولا۔ جے رام جی کی میں نے جواب میں کہا۔ دو خسمگین نگاہیں شیشے کے پیچھے سے ہمیں گھور رہی تھیں یہ فانیہ ارسلان تھیں۔

اگلے روز نیویارک میں برف باری ہونے کی پیش گوئی ٹی وی پر کی جا رہی تھی۔ ارسلان صاحب نے کسی سے ٹیلی فون پر رابطہ کیا کہ نشست کنفرم کرائی جائے۔ مگر صاحب ایسے کیسے کام

ہوگا۔ میں مطمئن ہونے والا کہاں تھا۔ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ذرا دو ہاتھ ہو جائیں۔

جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

اس دفعہ میں نے ویگن پکڑی ۔ یہ ویگن جمیکا اسٹیشن لے گئی۔ یہاں سے Manhatan کے لئے زیر زمین سب وے کے اسٹیشن تک پہنچ گیا۔ گاڑی میں اتنا رش نہیں تھا۔ میرے ساتھ بیٹھا گلفام شخص ایک با تصویر رسالہ لئے بیٹھا تھا۔ شکل سے موصوف کسی Yellow Race کے تھے۔ شاید اس فن میں نام کمانا چاہتے تھے۔

گاڑی سرپٹ بھاگی جا رہی تھی جیسے باؤلی ہو گئی ہو۔ مگر یہ تو زیست کی رفتار ہے۔ ہر کوئی انجانی منزل کی طرف بھاگ رہا ہے۔ جسے دیکھ لیں بیقرار ہے۔ وقت ہی پیسہ ہے اور ہر کوئی معاشی آسودگی کا طلبگار کسی کا دوش بھی تو نہیں۔ میں اپنے مطلوبہ اسٹیشن پر اتر گیا۔ سیڑھیوں پر سے ہوتا ہوا Manhatan کا نظارہ کر رہا تھا ایک دو سمت جانے کے بعد درست سمت کا تعین ہو گیا۔

بلڈنگ میں داخلے کے وقت استقبالیہ پر یہ باور کرانا پڑا کہ ہمیں اپنی ایئر لائن والوں کو ملنا ہے۔ لفٹ سے اترتے ہی ہم ننھے سے پاکستان میں تھے۔ یہ قومی فضائی ایئر لائن کا نیویارک کا دفتر تھا۔ مینجر صاحب کے ملنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ استقبالیہ پر موجود حضرت ہی کافی تھے۔ مینجر صاحب خود ہی باہر تشریف لے آئے۔ مدعا عوام الناس کے احوال سے آگاہی حاصل کرنا نہ تھا بلکہ یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ تھوڑی دیر بعد کسی کار دیگر میں مصروف ہوں گے۔ لہٰذا انہیں غیر ضروری زحمت سے بچایا جائے۔ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ساری بات گوش گزار کی۔ کہنے لگے اجی جہاز پر بہت جگہ ہے کوئی مسلہ نہیں ہمیں تو اس سلسلہ میں خصوصی ہدایات ہیں۔

جب ٹکٹ کا مسئلہ حل ہوا اور اسٹکر لگ گیا تو اب وجہ فکر نہ تھی۔ اب واپس چلنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب آ نکلے۔ اجی آپ فلاں صاحب تو نہیں ہم نے میٹنگ کرنا تھی۔ وہ صاحب بولے۔ جی نہیں یہ افتخار اس خاکسار کے نصیب میں کہاں اور ویسے بھی مجھے آپ کی حضوری میں نیاز حاصل نہیں۔

میں لفٹ سے باہر نکلا تو وہ صاحب گھوم کر پھر کہیں سے آ نکلے صاحب آپ نے تعارف تو کرایا نہیں' کیا بہتر ہو کہ ہو جائے۔ جی اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔

چلتے چلتے چند ایک سٹورز ہی کھنگال لیں۔ ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔ واپسی پر جمیکا اسٹیشن تک پہنچا تو ہلکی ہلکی برفباری شروع تھی ویگن تھوڑے تردد کے بعد مل گئی۔ آخری سیٹ پر بیٹھنے کا اعزاز تو گوارا کرنا تھا۔ ٹکٹ کا مسلہ حل ہونے سے لگ رہا تھا کہ کوہ گراں ٹل گیا ہے۔ ہلکی برفباری میں گھر تک جانے کا لمبا راستہ اختیار کیا۔

Green Acres تک جانا مزے کا کام تھا۔ Manhatan کا Macys سٹورز نو منزلہ ہے۔ وہاں سے خریداری کرنے کے بعد سامان اٹھانا اور لانا ایک مسئلہ ہی تو ہے۔

اس مال میں ایک چھت کے نیچے مختلف سٹورز ہیں۔ پیسے غارت کرنا ہوں تو سٹورز کا کیا مذکور جہاں چاہیں کر ڈالیں۔ ان سٹورز پر اگر آپ مشاورت کرنا چاہیں تو ضرور کیجئے۔ سیلز گرل روسی نژاد تھیں۔ خواتین کی شاپنگ کے لئے ایک جہان آباد تھا۔ مگر یہ خریداری وہ کریں جو اپنے آپ کو اس اہل سمجھتے ہوں کہ وہ صنف نازک کی پسند ناپسند کو خیال میں رکھیں۔

برف بڑھتی جا رہی تھی۔ اب واپسی کا وقت تھا۔ لفافے اٹھائے واپس چل پڑے۔ ارسلان صاحب بولے آج تو آپ نے خوب شاپنگ کی کیا کچھ خریدا۔ کہنے لگے آیئے آپ کو کچھ منظر دکھائیں۔ میں انکے ساتھ چل پڑا۔ ہمیں زینے سے اترتے ہوئے زیادہ دیر نہ لگی۔ یہ basement تھی۔ اس کو حضرت نے اپنی وارڈ روب میں تبدیل کر رکھا تھا۔ ہر سمت کپڑے لٹک رہے تھے۔ مومی لباس میں ملفوف پاکستانی اور دیگر پیراہن لٹک رہے تھے۔ ایک سمت نکٹائیاں "پھانسی "پر لٹک رہی تھیں۔ فرمانے لگے ذرا دیکھیں میرے پاس کتنی نکٹائیاں ہیں اگر میں ہر روز ایک نئی نکٹائی پہنوں تو آپ خود اندازہ کر لیں کہ اس نکٹائی کی باری کتنے سالوں کے بعد آئے گی۔

آپ کے ذوق کی داد نہ دینا تو بڑی زیادتی ہو گی۔ آپ کی پسند کا اندازہ تو آپ کے بود و باش کو دیکھ کر ہی ہو جاتا ہے۔ میں تو اندازہ کر سکتا ہوں کہ آپ خوش لباس ہیں تو اس پر کتنا خرچ کر سکتے ہوں گے۔

میرا ذہن اب پس پردہ محرکات پر غور کرنے لگا۔ اب ہم گھوم پھر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ اب تو چلنے کا وقت قریب آ رہا تھا اور بہت سے کام بقایا تھے۔

ارسلان صاحب مزیدار گفتگو کرتے ہیں اور وہ اپنے امریکہ کے مشاہدات بیان کرنے لگے۔ کیسے امریکہ میں آمد ہوئی اور کیسے کیسے کاروبار تبدیل ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ قبل ایک ناخوشگوار حادثے میں ایک شخص نے ان پر آتشیں اسلحہ سے وار کیا۔ گولی کا اثر خطرناک ہو سکتا تھا۔ مگر مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ ان پر وار سے صحت یاب ہونے تک کی داستان ہمت اور ولولے سے عبارت ہے۔ انکی بیگم نے اب داستان کا دوسرا حصہ سنانا شروع کیا۔ معاشی طور پر مستحکم تارکین وطن کے کچھ اپنے مسائل بھی ہیں۔ جس میں مقامی لوگوں کا حسد اور رشک بھی ایک حد تک ذمہ دار ہے۔

ماحول ذرا افسردہ ہو گیا تھا۔ کھڑکی کے باہر سے وہ منظر نظر آ رہا تھا جہاں سے ان پر حملہ ہوا تھا۔ ایسے میں کافی نے بڑا سماں باندھ دیا۔ گیارہ ستمبر کے واقعات اور مشاہدات کا سلسلہ شروع تھا۔ کس طرح ایک فاصلے سے لوگ اس بربادی کا مشاہدہ کر رہے تھے' اس کے محرکات اور ممکنہ اثرات سب پر لوگوں کے اپنے تحفظات تھے۔ ارسلان صاحب کا اپنا فلسفہ تھا اور وہ بزور شمشیر سب کو قائل کرنے پر بضد تھے۔ زندگی کے بارے میں کچھ لوگوں کے اپنے خیالات ہوں تو ضروری تو نہیں کہ ہر کسی کے لئے قابل قبول ہوں۔

امریکہ کا اپنا کلچر اور انداز زندگی ہے۔ وہاں شہریت اختیار کرنے والے سے کچھ تو توقعات کرنا بالکل فطری ہے۔ بے گناہ لوگوں کا خون تو کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں۔ اب گفتگو اور اظہار میں اتنی شدت نہ تھی۔

جمعہ کے روز نماز کا وقت قریب آ رہا تھا۔ قریب ہی مسجد تھی۔ ارسلان صاحب کے ساتھ وہاں کا قصد کیا۔ مسجد زیر تعمیر تھی اور حال ہی میں اہل ایمان نے زر کثیر خرچ کر کے یہ سعادت حاصل کی تھی۔ برف باری کے بعد دالان اور سامنے کے راستے میں پھسلن تھی اور کیچڑ بھی ہو رہا تھا وہ بھی ایسا کہ جوتوں کے اندر زبردستی گھستا جائے۔ مسجد کے اندر لوگ جذبہ اخوت سے سرشار موجود تھے۔ ابھی نماز کی ادائیگی میں کچھ وقت تھا۔ لوگ مسلسل آ رہے تھے اور ان کی

تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔

میں جمعہ کے نمازیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اگلی صف میں ایک صاحب خوب نہا دھو کر آئے تھے۔ ان کی زلفیں سوتی ٹوپی سے نیچے جھلک رہی تھیں اور ابھی سوکھنے کا مرحلہ باقی تھا۔ لگتا تھا عالم فنا میں ہیں۔ کچھ پاکستانی بھائی اپنی اردو کی وجہ سے صاف پہچانے جا رہے تھے۔ امام صاحب کا ظہور ہوا۔ موٹے تازے سرخ و سپید چہرہ پر انوار پر روشنی انہوں نے علماء کا مخصوص چغہ بھی پہن رکھا تھا۔ فرمانے لگے جگہ کم ہے اور نمازی آ رہے ہیں۔ برادران آپ مزید سکڑ جائیں تا کہ مزید لوگ اندر آ سکیں۔ مولانا کا تعلق مصر سے تھا۔ انہوں نے بڑی عمدہ تقریر کی اور مسلمانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کا کہنا تھا فروعی اختلافات اور وہ بھی امریکہ میں غیر مناسب تھے۔ اب نماز کی ادائیگی شروع ہوئی۔ نماز کے بعد میں خاموشی سے نکلا باہر چند حضرات چندہ اکٹھا کرنے پر مامور تھے۔

ایک مسلمان خاتون حسب حال بھکارن کا رول ادا کر رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں میرا دل بجھ سا گیا۔ اچانک وہی صاحب جنکی زلفوں کا تذکرہ ہوا تھا میرے سامنے آ موجود ہوئے اور سلام و دعا کے بعد بولے۔ آپ سے پہلے تو ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے بتایا کہ میں تو عالم واپسی میں ہوں بس لحظہ بھر کو آپ کی بستی جنت نظیر میں قیام ہے۔ بڑی گرمجوشی سے ملے یہ جاذب واسطی صاحب تھے۔

حلیہ سے بھی شعر و سخن کے آدمی لگتے تھے۔ ایک مالیاتی ادارے میں کام کرتے ہیں۔ وہ بلند شہر ہندوستان سے تعلق رکھتے تھے جو بقول انکے وطن مالوف تھا۔ آپ نے بلند شہر کا تذکرہ سنا ہوگا۔ پوچھنے لگے' جی ہاں بندروں کی حد تک۔ وہ ہنسنے لگے۔ اجی بندر تو ہنومان کا پرتو ہیں اور ہنومان تو شکتی کا دیوتا ہیں بجرنگ بلی۔ ہنسنے لگے' ہمارے ماموں کے دالان میں بندر بہت اترتے تھے۔ اب ہم مین روڈ پر تھے ان کی شخصیت کا سحر کھل رہا تھا۔ صاحب اداروں کا استحکام بہت ضروری ہے اب ہمارے ہاں دیکھئے تو انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس سٹیل فرم ہے اور ہندوستان کے استحکام کی ضامن ہے۔ سب سے زیادہ رشتے اور جہیز اس سروس کے لوگوں کو ملتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ وہ تو کبھی ریٹائر ہی نہیں ہوتے اور مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد راجپال یعنی گورنر'

یونیورسٹیوں کے چانسلر اور راج دوت یعنی سفیر مقرر ہوتے ہیں۔

یہ دراصل ان کی خدمات کا اعتراف ہوتا ہے۔ دوران ملازمت قوم ان میں سرمایہ کرتی ہے اور یہی وقت ہوتا کہ وہ اپنا فرض نبھائیں اب دیکھیں Sachin' K.C. Pant اور یشونت سنہا سب IAS آفیسرز ہی تو ہیں۔

حضرت کا وعظ جاری تھا کہ ہم گھر کے قریب والی سڑک پر آ پہنچے۔ ہندوستان کے مسلمان اپنے ملک کے وفادار ہیں۔

ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے جتنا کا وشواس ہے اس میں۔ اچھی بات ہے صاحب کون آپ سے کہتا ہے کہ وفاداری نہ کریں مگر بابری مسجد کی شہادت کشمیر میں بے گناہوں کا خون' خطے میں دھونس دھاندلی اور جگہ تو چلتی ہوگی ہم سے چلنے کی نہیں اب میری باری تھی۔ واسطی صاب اب گنگنانے لگے۔

جوگی ہم تو لٹ گئے تیرے پیار میں

ایک مسکراہٹ تھی کہ زبردستی ہونٹوں پر آ کے رہی۔ کھانے پر سب منتظر تھے آپ کہاں رہ گئے تھے۔ فانیہ پوچھنے لگیں۔ ارسلان صاحب تھوڑی دیر میں آ پہنچے' میں تو آپ کو تلاش کر رہا تھا اور آپ یہاں' میں نے جاذب واسطی سے ملاقات کا تذکرہ سنایا۔ ارسلان صاحب غور کرنے لگے کہ جیسے انہیں پہنچاننے کی کوشش میں ہیں۔

مسجد کے حوالے سے دیگر باتیں ہونے لگیں۔ امام صاحب کا تعمیری ذہن اور احساس ذمہ داری ایک عمدہ مثال تھا۔ کھانے پر شیخ صاحب کا انتظار تھا۔ وہ ارسلان صاحب کے بقول مقامی پاکستانیوں میں ایک اہم شخصیت تھے۔ تھوڑے انتظار کے بعد وہ بھی آ گئے مگر وہ کھانے کے لئے مشتاق نہ تھے۔ عمدہ شخصیت کے مالک' ایک زمانہ میں فضائی کمپنی سے متعلقہ تھے اور جنرل مینجر رہ چکے تھے۔ بنیادی طور پر فلائٹ انجینئر تھے اور اب کچھ عرب شیوخ سے ملکر ایک فضائی کمپنی کی تشکیل میں مصروف تھے۔ بہت عمدہ گفتگو کرنے لگے۔

بتانے لگے ایک اہم فائل عرصہ ڈھائی ماہ سے ایک اہلکار کے پاس پڑی ہے مگر وہ ہیں کہ فیصلہ نہیں کر رہے۔ ہم لوگ اپنے نظام کو غیر ضروری کوستے ہیں مگر بات امریکہ میں بھی ویسی

ہی ہے میں اب جب تک کسی سینٹر کی خدمات حاصل نہیں کروں گا۔ کام نکلنے کا نہیں۔

پاکستان میں ملازمت کے حوالے سے گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تو ارباب حکومت اور ان کے قصے مزے لے کر سنانے لگے۔ مجھے یوں لگا جیسے امریکہ میں رہ کر اظہار آزادی کا درست فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ چند ایک نیک نام افسروں کا تذکرہ شروع ہوا۔ ڈاکٹر عارف مرحوم کے آخری ایام بیماری اور ان کا قیام مجھے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی نیاز مندی کا اعزاز حاصل ہے میں نے انہیں بتایا۔

گفتگو اب ملکہ ترنم کی ہونے لگی۔ ان کے ایک دورہ امریکہ کا تذکرہ اور دم واپسی اضافی سامان کا تذکرہ بڑا دلچسپ تھا۔

مجھے اس دوران اپنے سامان کی فکر ہونے لگی کہ کہیں میرا اپنا سامان مقررہ حدود سے زائد نہ ہو جائے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کیا کیا اشیاء ٹھونس لی تھیں۔

کھانا مزے کا تھا۔ اب تذکرہ نیویارک سٹیٹ اور اسکے حصے آنے والے قدرتی حسن کا ہونے لگا۔ ایک پولش خاندان نے 80 میل دور واقع اپنی خوبصورت رہائش گاہ جو دامن کوہ میں تھی فروخت کر کے واپسی کا ارادہ کیا تو شیخ صاحب نے وہ جگہ خرید لی۔

یہ گھر اب ہفتہ وار تعطیل گزارنے کا خوب ٹھکانا ہے۔ اور ان کے ذوق کا آئینہ دار۔ اس جگہ کا درجہ حرارت وہ نیویارک میں بیٹھ کر اپنے گھر سے بذریعہ ریموٹ کنٹرول حسب منشاء تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ ان کی گفتگو سے اشتیاق ہوا کہ ایسے مقام اور قدرتی حسن سے ذوق آوارگی کو کس طرح تقویت ملتی ہوگی۔

اب جانے کا وقت آ پہنچا' تیاری اور انتظامات کو آخری شکل دی جانے لگی۔ سامان کو سوٹ کیس اور دستی بیگ میں بند کرنا گویا جن کو دوبارہ بوتل میں بند کرنا تھا۔

اب سوٹ کیس اور دستی سامان تیار تھا۔ سفری کاغذات اور دستاویزات اور ضروری رقم کا علیحدہ حساب ہوا۔ سب کچھ ٹھیک تھا۔ ہمیں ائیر پورٹ تک لے جانے والی گاڑی آ چکی تھی۔ ایک سوٹ کیس ڈگی میں اور دوسرا گاڑی کی نشست پر لاد دیا گیا۔ گاڑی سبک رفتاری سے ائیر پورٹ کی طرف رواں دواں تھی۔ روشنی سڑکوں پر پھیل رہی تھی' قمقمے اور سٹریٹ لائٹس جگمگا رہی

تھیں۔اب ہم ہوائی اڈے کی حدود میں تھے۔ جے ایف کے ایئر پورٹ شناسا لگ رہا تھا۔ایک ایک کر کے ٹرمینل گزر رہے تھے وہاں آن ایئر لائن ہائے کے نام درج تھے جو وہاں سے روانہ ہوتی تھیں۔ ہمارا مطلوبہ ٹرمینل نظر آنے لگا۔مسافروں کو اتارنے والی لین میں لحظہ بھر کو بھی ٹھہرنا ایک مسئلہ تھا۔جلدی سے سامان اتارا۔ٹرالی کا حصول۔اس پر سامان لاد کر ہم دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگے۔ابھی کئی جانگسل مراحل باقی تھے۔

ایک صاحب جو ہمارے ہموطن تھے۔مسافروں کا تلخ رو ہو کر خوب استقبال کر رہے تھے۔اور پرواز سے قبل اپنا اطمینان کرنے پر مُصر تھے۔اب ہم بورڈنگ کاؤنٹر کے سامنے تھے۔ سارے مراحل طے ہونے لگے۔اسباب تلنے لگا اور وزن کے اطمینان کے بعد ہمارے حوالے کر دیا گیا ارے یہ کیا ہمارا سامان تو مقررہ حد سے بہت کم تھا مگر وائے ہماری حس پریشانی' مگر یہ بھی امر اطمینان کا باعث تھا کہ ہم ان شرفاء کے بار احسان تلے نہ دبنے پائے۔

اب یہ مشق دوبارہ دہرائی جانا تھا۔سامان کو دوبارہ ٹرالی پر لاد دیا گیا پھر ایک اور سمت روانہ ہوئے۔راستے میں ایک روشن سیاہ رنگت والے صاحب جو سفید پتلون اور قمیض میں خوب مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔مسافروں سے سوال جواب کرنے لگے۔نہ معلوم فضائی کمپنی کو یہ مشورہ کس دانشمند نے دیا۔

ایک کونے میں Scanner مشین نصب تھی اور یہ سامان وہاں پر اتارا جانا تھا۔ ہمارے نظروں کے سامنے ہمارے از حد لاڈلے سوٹ کیس اغیار کے حوالے ہو گئے اور وہ انہیں علیحدہ علیحدہ مشینوں سے گزارنے لگے۔شاید انکو سونگھنا ابھی باقی تھا چلو جی اب ہمارا وزن تو ہلکا ہوا۔دستی سامان اپنے پہیوں پر خوب لڑھکنے لگا کہ اس کو آگے پیچھے کرنا بذات خود ایک کھیل کود کا بہانہ تھا۔

ابھی ہماری سکیورٹی کلیئرنس بقایا تھی مگر یہ کیا جاتے وقت تو متعلقہ حکام نے قطعاً کوئی تردد نہ کیا۔یہ مرحلہ گزر کر ہم مطلوبہ گیٹ کی طلب میں آگے بڑھنے لگے۔سامنے کچھ بھائی لوگ عالم یاسیت میں بیٹھے تھے جیسے کسی غم کے جلسہء میں ہوں۔یہی ہمارے ہمسفر ہوں گے۔میرا خیال درست نکلا یہ سب لوگ ہمارے ساتھ واپس جا رہے تھے۔معلوم نہیں کہ ان کے چہرے

کیوں لٹکے ہوئے تھے یہ امریکہ سے بچھڑنے کا غم تھا یا تھکاوٹ تھی۔ ایک طرف مناسب سیٹ دیکھ کر ہم نے بھی قیام کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ والی نشست پر ایک خاتون Buffalo سے آ رہی تھیں۔

سامنے بی اماں اپنی نواسی سمیت وطن واپس جا رہی تھیں۔ بچی کے اپنے معمولات تھے اور خاتون عمر کے اس حصہ میں تھیں کہ شاید اس لمبی پرواز میں اسکا درست طور پر خیال نہ رکھ سکیں۔

فضائی کمپنی کے اہلکار سپاٹ چہروں کے ساتھ موجود تھے۔ کسی ذی روح کے چہرے پر مسکراہٹ کا زبردستی بھی ظہور نہ ہو رہا تھا۔ لگتا تھا سب لوگ کسی ان دیکھی مصیبت کے انتظار میں ہیں۔ میں نے قیافہ لگایا یا یقیناً کسی خاص مہمان کا انتظار ہو رہا ہے جو اس قدر بے تابی ہے۔ میں اٹھ کر ٹہلنے لگا سامنے کاؤنٹر پر مختلف تحائف تھے۔ جو مسافر خرید سکتے تھے۔

چند ایک اشیاء کا خرید لینا برا خیال نہ تھا۔ چلئے چلتے چلتے تھوڑی عیاشی ہی سہی۔ ابھی ادائیگی کی ہی تھی کہ کاؤنٹر پر موجود خاتون نے ایک ڈبیہ تھما دی۔ یہ ہماری طرف سے تحفہ ہے چونکہ آپ مخصوص حد تک خریداری کی ہے۔ یہ آپ کا ہوا۔ یہ Sales Promotion کا آزمودہ نسخہ تھا ہم پلٹ کر واپس ہوئے تو سامنے سے چند لوگ نظر آئے۔ عملے والے ان کے احترام میں لپکے کہ دستی سامان بھی تھامنے لگے۔ ان متبرک شخصیات کا درشن بھی نیاز مندی سے کیا کم تھا۔ عملے کے لوگ نہال ہوئے جا رہے تھے اور وہ لوگ از راہ تفخر کبھی ادھر عوام الناس کی طرف بھی اچٹتی نگاہ ڈال لیتے۔ بڑا روح کو دکھ دینے والا منظر تھا۔ نہ جانے لوگ ایسے کیوں کرتے ہیں۔

میں نے اب باہر کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ سامنے ایک سفید جہاز اجلا اجلا جس کی پشت پر قومی پرچم بنا تھا کھڑا تھا۔ یہ جہاز ہمیں وطن لے جانے والا تھا۔ میرا دل فرط مرت سے لبریز تھا۔ دل چاہا اس سے گلے ملوں اسے اپنی بانہوں میں لے لوں۔ میرے وطن کی ہوا اس سے مس ہوئی ہو گی۔

میرا دل انجانے سرور سے سرشار تھا۔ وطن واپسی کوئی چھوٹی بات تو نہ تھی میرا اپنا وطن، گھر، امان، سب کچھ کیا کچھ نہیں۔

اب پرواز کا اعلان ہونے لگا۔ مسافریوں اچھلنے لگے جیسے سینما کی کھڑکی ہو۔ ہمارا وطیرہ اسکا اظہار' یہ بھی تصویر کا دوسرا رخ تھا۔ ہمیں کچھ جلدی نہ تھی۔ اتنا بڑا جہاز اور اتنے تھوڑے مسافر' یقینی طور پر مسافروں کی تعداد کم تھی۔ پھر بے چینی کی وجہ معلوم نہیں کیا تھی۔ شاید ہم لوگ سب عادت سے مجبور ہیں۔ سب سے پہلے پروٹوکول والے اشرافیہ آگے بڑھے پھر بے چارے مسافر سہمے سہمے آگے بڑھنے لگے۔ موقع مناسب جان کر میں نے بھی قدم آگے بڑھایا۔ ایک بار پھر کاغذات ٹکٹ سب کی غیر ضروری پڑتال جاری تھی۔

یہ ستم بھی روا تھا۔ اب جب سرنگ نما راستے سے ہوتے ہوئے جہاز کی طرف بڑھے تو وہ حضرت آگے موجود تھے جو چیک ان کے وقت موجود تھے۔ اس بار سامان پر جھپٹے اور اسے اٹھا کر دوبارہ اس کا اطمینان کرنا چاہتے تھے کہ دستی سامان وزن میں ہلکا ہے یا بھاری ہے۔

یہ تو سر پھرا ہے اور جامے سے باہر ہوا جا رہا ہے اس کی طبیعت یقیناً درست نہیں۔ میں رک گیا اور موصوف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ کیا بات ہے۔ اس سامان کو آپ پہلے بھی بخوبی ٹٹول چکے ہیں اور اطمینان کر چکے ہیں کہ یہ مقررہ حدود کے اندر ہے پھر یہ طرز عمل کیا ہے۔

مجھے بگڑتا دیکھ کر موصوف سنبھل سے گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ آرام سے جہاز میں داخل ہوئے سامان ٹھکانے لگایا اور اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر میں جہاز کے دروازے بند ہونے لگے۔ انجن سٹارٹ ہوئے جہاز رن وے کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے کھڑکی سے نظارہ کیا۔ جے ایف کینڈی ائیر پورٹ کی عمارت روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ جہاز آہستہ آہستہ رن وے کی طرف اپنا راستہ بنا رہا تھا اور اپنی باری کا منتظر تھا۔ یکا یک پوری قوت سے بھاگنے لگا۔

ائیر پورٹ کی عمارت فلم کی طرح الٹی سمت بھاگنے لگی۔ میری منزل آگے تھی رومانس پیچھے۔ جہاز نے فضا میں بلند ہوتے ہی غوطہ لگایا۔ نیویارک اپنی تمام حشر سامانیوں اور رنگینیوں کے ساتھ نظروں کے سامنے تھا۔

خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

اب جہاز مسلسل بلند ہونے لگا۔ آسمان کی وسعتیں اس کی منتظر تھیں۔ میں نے نیچے دیکھا تو روشنیوں کا ایک سلسلہ تھا جو سمندر کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا تھا انہی روشنیوں میں کہیں Boston Cambridge 'New Haven 'Stamford'Bridge Port اور Salem تھے اور تو اور اسی خوبصورت خطے میں Providence/ Rhodes Island' Spring Field' New Hampshire ' Hali Fax تھے۔ ہم Connecticut اور Massachussets کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ اٹلانٹک اور سات سمندروں سے دور چاند ستاروں کی اس خوبصورت سرزمین کی طرف جو جنت نظیر ہے جس کی خاک میں لعل و جواہر ہیں جس کی کوکھ میں محبت کی حرارت ہے جو میری اپنی ہے جو میرا وجود ہے جو میری پہچان ہے جو میرا چاند سا پاکستان ہے۔

☆☆☆

"گھر کا رستہ بھول گیا" کے بعد "ہمہ یاراں ہارورڈ" راجہ احسن کا سفر نامہ نگاری میں دوسرا اقدم ہے جو صحیح سمت میں اٹھا ہے۔ ان کے ہاں انتہائی عمیق مشاہدہ ان کے زندگی کے بارے میں ذاتی نظریے سے گھل مل کر ایک ایسی خاص کیفیت کے ساتھ صفحہ قرطاس پر ابھرتا ہے جو پڑھنے والے کے دل و دماغ پر اپنا رنگ چھوڑتی چلی جاتی ہے۔

وہ ایک صاحب طرز نثار کی طرح قاری کا ہاتھ تھام کر نہایت سہولت سے دیار غیر کے اجنبیوں سے کھل کر کھیلتے چلے جاتے ہیں اور ایسے میں ان کی بذلہ سنجی پڑھنے والے کو دھیرے دھیرے گدگداتی رہتی ہے جس سے پڑھنے والا بغیر اکتائے اور بغیر ستائے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور کتاب ختم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

راجہ احسن کے مزاج اور کردار کی شائستگی ان کی نثر میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ نثر کی سادگی اور بہاؤ اتنا بے ساختہ ہے کہ جہاں جہاں وہ زبان و بیان کے روایتی پیراہن سے نکلتے ہیں مزید بھلا لگتا ہے۔

لطیفوں اور باورچی خانوں کی بنیاد پر سفر نامہ نگار بننے والے "فنکاروں" کو راجہ احسن کے سفر نامے ضرور پڑھنے چاہئیں۔

رضوان آصف